آزادی یا موت ——!

ایک روسی افسر کی نجی اور سیاسی زندگی کے حالات

مُصنّفہ

وِکٹر کراوچینکو

مطبوعاتِ کامل

کراچی

آہنی پردے کے اندر !

اپریل ۱۹۴۴ء میں رُوسی تجارتی کمشن کے ایک ممبر نے امریکہ میں رُوسی شہریت ترک کردی اور کمشن سے استعفٰے دے کے اپنے آپ کو رائے عامہ کے حوالے کردیا۔ اُس کے استعفٰے کی خبر امریکہ کے تمام اخبارات کے صفحہ اوّل پر چھپی۔ اب اُس نے ایک کتاب لکھی ہے

یہ کتاب رُوسی افسر کی داستانِ حیات ہے جس میں اُس نے رُوس میں اپنے تجربات اور کمیونسٹ پارٹی کے اندرونی اسرار کا انکشاف کیا ہے۔

وکٹر کراؔچنکو ایک سرگرم اور ہونہار انجنیئر تھا وہ روشن مستقبل لے کے پیدا ہوا اور اُس نے اپنی ذاتی کوشش اور محنت سے کریملن کے بہت اُونچے حلقوں تک رسائی حاصل کی۔

رُوس سے اُس کا فرار فوری حادثہ نہیں بلکہ سوویٹ حکومت میں اُس کے ۲۶ سالہ ذاتی تجربات کا منطقی نتیجہ تھا۔ ایک رُوسی باشندے کی حیثیت سے اُس پر جو کچھ بیتی اور اُس کی آنکھوں نے جو کچھ دیکھا اُس نے اِس کے تمام بندھن توڑ دیئے۔ اور وہ اپنا گھر، بُوڑھی ماں، بیوی، اُونچا عہدہ اور اپنا پیارا وطن چھوڑ کے بھاگنے پر مجبُور ہو گیا۔

اس کتاب میں ایک رُوسی محب وطن نے پہلی بار وہ آہنی پردہ اُٹھایا ہے جس نے رُوسی عوام کی غلامی کو آزاد دُنیا کی نگاہوں سے چُھپا رکھا ہے۔

یہ کتاب رُوسی عوام کے دل سے نکلی ہُوئی چیخ ہے

!

آزادی یا موت — !

ایک روسی افسر کی نجی اور سیاسی زندگی کے حالات

مصنّفہ

وکٹر کراوچنکو

تلخیص شدہ اردو ایڈیشن

مطبوعاتِ کامل ○ کراچی

پوسٹ بکس نمبر ۲۴۴

قیمت :- تین روپے

فہرس

فرار

وہ شام بھی عجیب شام تھی پُر اسرار اور پرخطر!

ٹیکسی یونین اسٹیشن کی طرف اڑی جارہی تھی اور اگرچہ میں اپنے کمرے سے دُور ہوتا جارہا تھا پر دل کی وہی حالت تھی۔ سینے پہ وہی بوجھ تھا۔ اور وہی گھٹن۔ یہ راستہ میں نے بارہا دیکھا تھا لیکن اس روز کی کیفیت ہی کچھ اور تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ بڑی بڑی فلک بوس عمارتیں میری ہی باتیں کر رہی ہیں۔ بجلی کے کھمبے میرا راستہ روکے کھڑے ہیں اور سڑک میرا پیچھا کر رہی ہے۔ جیسے سب کو معلوم ہے کہ میں بھاگ رہا ہوں۔

واشنگٹن کے جس خاندان کا میں مہمان تھا بڑا ملنسار اور شفیق خاندان تھا۔ گھر کے سب افراد کو جب دیکھو اسی دُھن میں ہیں کہ میرے آرام میں خلل واقع نہ ہو۔ میں بیمار ہوگیا تو بیچاروں نے تیمارداری میں دن رات ایک کر دیا کہنے کو تو میں ان کو کمرے کا کرایہ اور کھانے کی قیمت دے دیتا تھا لیکن ان کی انمول محبت اور خلوص کی قیمت کون لگا سکتا تھا۔ ان کی مہربانی اور شفقت مجھے اپنی ذات ہی پر نہیں تمام روسی قوم پہ احسان عظیم معلوم ہوتی تھی۔

بھاگنے کی تیاری تو میں نے مہینوں پہلے شروع کر دی تھی۔ جب فرار کا وقت آ پہنچا تو میں نے ایک ہفتے کا کرایہ پیشگی ادا کر دیا اور کہہ دیا کہ کسی کام سے چند دنوں کے لیئے باہر جارہا ہوں۔ کام کچھ ایسا ہے کہ ٹھیک سے بتا نہیں سکتا کب لوٹوں گا۔ ہاں منگل تک نہ آؤں تو کمرہ کرایے پر چڑھا دیجئے گا۔ غرض یہ تھی کہ "سوویٹ پرچیز کمشن" والے پوچھنے جائیں تو انہیں کسی بات کا پتہ نہ چلے۔ ادھر دفتر میں میں نے دردِ سر کا بہانہ بنایا۔ کہا طبیعت مضمحل ہے۔ اتوار اور پیر کو آرام کروں گا مجھے آرام کی ضرورت ہے۔ مارچ کی تنخواہ تو میں لے ہی چکا تھا۔ اپنے کاغذات بھی مکمل کر دیئے کہ دوسرے کو کام سنبھالنے میں دقت نہ ہو۔ اور اب میں بھاگ رہا تھا۔ غرض اب تک تو میری سکیم کامیاب تھی۔

میں اسٹیشن پہ پہنچ تو گیا۔ پھر بھی یہ دھڑکا لگا تھا کہ دفتر کا کوئی آدمی نہ دیکھ لے۔ ٹیکسی سے نکلتے ہی نہایت احتیاط سے چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ مسافر اپنی اپنی دھن میں تھے۔ میری طرف کسی نے توجہ نہ کی۔ چند قدم آگے بڑھا تو اچانک

سرخ وردی میں ملبوس ایک فوجی افسر نظر پڑا میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ میں نے ٹوپی آنکھوں پر جھکالی۔ کوٹ کے کالر چڑھالئے اور اس کا راستہ چھوڑ دیا۔

روسیوں کا معمول ہے کہ رات کو سفر کرتے ہیں تو سونے کی گاڑی کا ٹکٹ لیتے ہیں۔ میں نے اپنے ہم وطنوں سے بچنے کے لئے معمولی گاڑی کا ٹکٹ لیا اور سوار ہو گیا۔

ڈبے کے اندر ہلکی سبز روشنی پھیل رہی تھی میں نے کھڑکیوں کے شیشے چڑھالئے اور ایک کونے میں دبک گیا۔ مجھے ایک عرصے سے معلوم تھا کہ یہ وقت ضرور آئے گا۔ لیکن جب وقت آیا تو میرے دل میں خوشی اور زندگی کا احساس نہیں تھا۔ چاروں طرف تاریکی تھی اور اس تاریکی میں آزادی کے نور کی کوئی کرن نہیں پھوٹ رہی تھی۔ میرا ذہن ایک دردناک خلا میں تبدیل ہو چکا تھا جس میں خوف اور ملامت کی سرد لہریں چل رہی تھیں۔

مجھے خیال آیا کہ میں زندگی کا راستہ بدل رہا ہوں۔ ہمیشہ کے لئے اس دھارے کا رخ موڑ رہا ہوں —— آج رات میں اپنے آپ کو ایک ایسا آدمی بنا رہا ہوں جس کا کوئی ملک نہیں، کوئی گھر نہیں۔ کوئی دوست نہیں۔ آج کے بعد میں اپنے پرانے دوستوں اور رشتہ داروں کی شفقت سے محروم ہو جاؤں گا۔ میرے ہاتھ ان کے ہاتھوں کا دباؤ پھر کبھی محسوس نہیں کریں گے۔ میرے لئے وہ لوگ مر جائیں گے۔ میرے جسم کا ایک حصہ مردہ ہو جائے گا —— یہ خلا میری زندگی میں ہمیشہ رہیگا۔

آج کے بعد ان لوگوں کا ذکر ہی فضول ہے جو مجھ سے محبت کرتے ہیں ان لوگوں کو بھی مشتبہ سمجھا جائے گا۔ جو میرے ساتھ کام کرتے رہے ہیں اپنی بقا کے لئے انہیں میری یاد فراموش کرنی ہوگی۔ اپنی جان بچانے کے لئے انہیں مجھ سے بے تعلقی اختیار کرنی پڑے گی۔ جیسے مجھے ان لوگوں سے بے تعلقی اختیار کرنی پڑتی تھی جو روسی حکومت کے غضب کا نشانہ بنتے تھے —— میرے ذہن میں ایک خیال گونج رہا تھا —— کیا مجھے اپنے دوستوں اور عزیزوں کو خطرے میں ڈالنے کا حق ہے ؟

میرا بھائی کانسٹن ٹائن (Constantine) تو جنگ میں مارا جا چکا تھا۔ بوڑھی ماں دو سال جرمن کیمپ کی مصیبتیں جھیل کر ابھی نکلی تھی اس کے علاوہ میری بیوی تھی جس سے میں نے تین سال قبل شادی کی تھی کیا روسی افسران عورتوں سے انتقام لیں گے ؟ نیویارک پہنچنے تک میں انتہائی ذہنی عذاب کے عالم میں رہا۔

نیویارک کے ایک غیر معروف ہوٹل میں میں نے قیام کیا۔ کمرہ تنگ اور بدبودار تھا اس میں کوئی الماری یا طاق نہیں تھا چھت کافی اونچی تھی۔ یہ کمرہ خودکشی کرنے کے لئے موزوں ترین کمرہ تھا۔ دروازہ بند کر کے میں نے اپنا بیان لکھنا شروع کر دیا۔

میں جس طرح چھپ کر واشنگٹن سے بھاگا۔ نیویارک میں رہا اور جاگ جاگ کر راتیں گزاریں اس سے ہر شخص یہ سمجھتا کہ میں کوئی بہت بڑا مجرم ہوں پولیس سے بچتا پھرتا ہوں۔ لیکن میں نے نہ کسی کو قتل کیا تھا نہ کسی کو لوٹا تھا اپنی حکومت کا ایک عہدہ ضرور ٹھکرایا تھا۔ اور اس کی وجہ سے اپنے ہم وطنوں کی نظروں سے گر چکا تھا۔ میرے اور روس کے درمیان جنگ کا اعلان ہو چکا تھا۔ یہ اعلان کیا تھا میرا بیان جو میں نے خونِ جگر سے لکھا اور پیر کے روز اخباروں کو بھیجا۔

ایسا نہ کرتا تو واشنگٹن میں متعینہ روسی سفیر مجھے جرمن جاسوس ٹھیرا کر امریکہ والوں سے گرفتار کرا تا اور روس بھجوا دیتا۔

میرے بیان کے ساتھ نیو یارک ٹائمز نے لکھا کہ مسٹر وکٹر کراوچنکو (Victor Kravchenko) نے جو روس کے پرچیز نگ کمشن کے ممبر تھے کل استعفا دے کر اپنے آپ کو امریکی رائے عامہ کے حوالہ کر دیا ہے۔ وہ روسی فوج کے کپتان تھے۔ گذشتہ اگست میں ماسکو کے کارخانوں کے ڈائرکٹر تھے۔ اس سے پہلے روس میں اسلحہ سازی کے سب سے بڑے کارخانے کے افسر اعلیٰ تھے۔ ۱۹۲۹ سے کمیونسٹ پارٹی کے ممبر چلے آتے تھے۔

آزاد امریکہ والوں کو کیا معلوم کہ مجھ پر کیا گذری۔ زیادہ سے زیادہ وہ مجھے خبطی سمجھتے ہوں گے۔ استعفا دینے کا فیصلہ میں نے اچانک نہیں کیا تھا۔ یہ میری زندگی کے تجربات کا منطقی نتیجہ تھا۔ اس لحاظ سے اسے فیصلہ کہنا بھی درست نہیں۔ آج مجھے دریائے ڈنیپر (Dnieper) کے کنارے گزرا ہوا بچپن کا زمانہ یاد آرہا ہے۔ لڑکپن یاد آرہا ہے جو میں نے انقلاب کے زمانے میں یوکرائن کے شہروں میں گزارا۔ مجھے جوانی کے وہ مخمور لمحے یاد آتے ہیں جو میں نے عظمتِ آدم کے گیت گا گا کر گذارے۔ آج مجھے اپنی ڈھلتی ہوئی جوانی کی وہ راتیں بھی یاد آرہی ہیں جو میں نے تذبذب اور خود فریبی کے عالم میں بسر کیں۔ آنکھوں نے جو کچھ دیکھا ہے اس سے عقیدوں کی بنیادیں ہل گئی ہیں نظر پر جو پردے پڑے تھے ایک ایک کر کے اٹھ چکے ہیں۔ یہ واقعات اگر آپ کو معلوم ہوں تو آپ سمجھ جائیں گے کہ آج روس کو خیر باد کہہ کے میں نے خبطی پن کا ثبوت نہیں دیا بلکہ یہ فیصلہ میرے تجربات کا منطقی نتیجہ ہے۔ میری زندگی کی داستان بھی کچھ اس قسم کی ہے +

بچپن

میں اینڈری فیوڈروچ کراوچنکو (Andrei Fyodrovich Kravchenko) کا منجھلا بیٹا ہوں۔ کانسٹن ٹائن مجھ سے بڑا تھا۔ اور یوجین (Eugene) چھوٹا۔ ۱۹۰۵ء کے انقلاب میں تینوں بھائیوں کی حیثیت محض تماشائی کی نہیں تھی بلکہ ہمارے لئے وہ ایک خارجی مشاہدے سے زیادہ حقیقت رکھتا تھا اس انقلاب میں ایک ان دیکھی رعنائی تھی اور ایک ان کہی لذت۔ یہاں تک کہ شکست بھی مزا دے گئی اس ہزیمت کا بھی ایک مقام تھا۔

تھا تو یہ ایک چھوٹے پیمانے کا انقلاب لیکن وہ یکیٹرنوسلاو (Yekaterinoslav) کے شہر تک ہی محدود نہیں تھا۔ خفیہ جلسے لڑائیاں اور چھاپے جن سے میرا باپ بھی تعلق رکھتا تھا انقلاب کے سلسلے کی کڑیاں تھے۔ یہ بغاوت ریلوے کے ملازمین کی ہڑتال سے شروع ہوئی۔ اس کے بعد عام ہڑتال ہو گئی۔ میرا باپ ریلوے کا ملازم اور ہڑتال کمیٹی کا ممبر تھا۔ اور یہ صرف ہم جانتے ہیں کہ اس بغاوت کا لیڈر میرا باپ تھا جس کی چمکتی ہوئی ذہین آنکھیں اور چوڑا ماتھا لوگوں کی توجہ کو بہت جلد اپنی جانب منعطف کر لیتا تھا۔

۱۹۰۵ء کے واقعات جو میں نے بعد میں اپنے ابا سے سنے آج تک میرے ذہن میں تازہ ہیں کیونکہ خود مجھے زندگی میں ویسے ہی حالات سے گزرنا پڑا۔ میرے ذہن پر ان کے نقوش بہت گہرے ہیں اور اب میں تصور کر رہا ہوں۔ جیسے میری نظروں کے سامنے کاسک سواروں کے گھوڑے مزدوروں عورتوں اور بچوں کو اپنے سموں تلے روند رہے ہیں۔ زخمی اور نڈھال کام ریڈ ایک ایک کر کے گر رہے ہیں —— پھر موت کی سی خاموشی چھا جاتی ہے اور خون کی اُبلتی ہوئی چادر گلیوں اور بازاروں کو ڈھانپ لیتی ہے۔

یہ بغاوت ناکام ہوئی اور سب جان بچانے کے لئے بھاگنے لگے ابّا کا جی چاہا کہ وہ اپنی بیوی اور اپنے بچے کانسٹن ٹائن کو ایک نظر دیکھ لیں۔ آدھی رات کے وقت وہ گلیوں میں سے ہوتے ہوئے سائے کی اوٹ میں

بچتے بچاتے گھر پہنچے۔ گھر میں روشنی تھی۔ ان کا جی اس سے بیٹھ گیا کہ شاید پولیس آن پہنچی ہے ادھر بیوی بچے کو چھوڑ کر چلے جانا بھی ان کے بس میں نہیں تھا۔ کھڑکی میں سے انہوں نے اندر جھانکا۔ نانی اماں سامنے کھڑی تھیں۔ انہوں نے مسکرا کر دروازہ کھولا اور کہا — "لڑکا ہوا ہے اینڈری مبارک ہو۔"

— اور یہ لڑکا میں تھا۔ جو گولیوں کی بوچھاڑ اور خون کے سیلاب میں پیدا ہوا۔ گلیوں میں سے ابھی کراہنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اکا دکا گولیوں کی سنسناہٹ ابھی سنائی دے رہی تھی۔

میری زندگی کے پہلے نو سالوں میں ابا کی حیثیت اجنبی کی سی رہی لیکن ان کی اس اجنبیت میں بھی بڑی شان تھی۔ وہ رات کے اندھیرے میں آتے اور دن نکلنے سے پہلے چلے جاتے۔ کانسٹن ٹائن مجھ سے کچھ بڑا تھا۔ مجھے کہا کرتا۔ "ابا چور ڈاکو نہیں ہیں بھیا! وہ سیاسی آدمی ہیں"۔ اور میں بغیر یہ سمجھے ہوئے کہ "سیاسی" کسے کہتے ہیں کہتا۔ "ہاں بھیا۔ وہ سیاسی آدمی ہیں۔"

ایک رات مجھے نیند نہ آئی۔ میں دبے پاؤں اٹھا اور دروازہ کھولا۔ اماں دیئے کی مدھم روشنی میں بیٹھی کپڑے سی رہی تھیں۔ ان کا سر جھکا ہوا تھا۔ انہوں نے میری طرف نگاہ کی تو میں نے پوچھا۔ "اماں تم سوتی کیوں نہیں؟"

انہوں نے کپڑے ایک طرف رکھ دیئے۔ مجھے گود میں لے لیا اور کہا

"تم بڑے اچھے اور سمجھ دار لڑکے ہو۔ تم ضرور سمجھو گے۔ آج نہیں تو جب بڑے ہو گے تب سمجھو گے۔ بات یہ ہے بیٹے کہ اتنے پیٹ پالنا آسان کام نہیں۔ اور پھر کچھ چیزیں تمہارے ابا کو بھی بھیجنی ہیں۔ جب تم دادا ابا کے ہاں چلے جاؤ گے تو پھر کچھ آسانی ہو جائے گی۔ دادی اماں پھوپھی سب تمہیں بہت پیار کرتی ہیں میں بھی آیا کرونگی۔ تمہاری پھوپھی کل تمہیں لینے کے لئے یہاں آئے گی۔ جاؤ سو جاؤ۔"

انہوں نے ایک جھٹکے کے ساتھ مجھے اپنی گود سے علیحدہ کر دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ رو رہی ہیں۔

الگزانڈرووسک (Alexandrovsk) صاف ستھرا شہر تھا۔ ایک طرف دریائے نیپر کا شفاف پانی بہتا ہے دوسری طرف گھنے جنگل، ٹھنڈی ہواؤں میں سنسناتے ہیں۔ مجھے یہ جگہ بہت پسند آئی۔ دادا ابا کو پنشن ملتی تھی۔ گذارہ اچھا خاصا ہو رہا تھا۔

جس وقت میں یہاں آیا دادا ابا اسّی برس کے ہو چکے تھے وہ پرانے سپاہی تھے ۱۸۷۷ کی جنگ روس و روم میں جنرل سکوبے لیو کے ماتحت لڑ چکے تھے۔ بہت دلچسپ اور شاندار آدمی تھے۔ دوستوں میں بیٹھتے تو جنگ کے قصے مزے لے لے کر سناتے۔ اور جب بھی سناتے نئے انداز سے سناتے۔ ان کے قصوں کی آب و تاب ہر بار انوکھی ہوتی۔ دادی اماں عمر میں ان سے کچھ چھوٹی تھیں لیکن تھیں بڑی زندہ دل اور خوش باش۔ دادا اپنے کارنامے سناتے تو وہ چپکی بیٹھی رہتیں۔ آخر میں کہتیں۔ خدا کی شان۔ گھوڑے ہنکانے مونچھوں کو تاؤ دینے اور ترکوں اور کردوں

کو مارنے میں بھی گویا کسی عقل کی ضرورت تھی۔ اے سبحان اللہ!

دادا ابا اگلے وقتوں کے آدمی تھے۔ زار کی وفاداری ان کی نس نس میں بسی ہوئی تھی۔ اللہ نے انہیں دو بیٹے اور ایک بیٹی عطا کر رکھی تھی میرے ابا بڑے بیٹے تھے۔ چھوٹے پیٹر کراوچنکو (Peterkravchenko) تھے اور یہی دادا کے چہیتے تھے۔ میرے ابا کے خیالات سے دادا ابا کو بہت اختلاف تھا۔ ابا کہتے تھے بغیر آزادی کے زندگی بیکار ہے۔ آزادی کے لئے جنگ کرنا ہر سچے روسی کا فرض ہے کوئی آدمی کسی دوسرے کا محتاج کیوں ہو سب آزاد اور خوش حال کیوں نہ ہوں۔ جہالت کیوں ہو۔ کوئی آدمی کسی دوسرے سے ناجائز فائدہ کیوں اٹھائے ....

یہ باتیں جب دادا ابا کو پسند نہیں تھیں زار اور اس کے افسروں کو کیسے گوارا ہوتیں۔ چنانچہ عام طور پر ابا سرکار کے مہمان رہتے۔ دادا ابا بہت کڑھتے۔ اور روس میں فوجی جذبے کی کمی پر آنسو بہاتے۔

دادا ابا کے ایک دوست تھے متیا (Mitya) بڑے اچھے آدمی تھے۔ کبھی کبھی مجھے اپنے گھر لے جاتے۔ وہاں ان کی تین شوخ لڑکیوں کے ساتھ میرا وقت خوب کٹتا۔ ہمارے شہر کے قریب خانہ بدوشوں کا ایک ڈیرہ تھا ان کے ایک لڑکے سے میری دوستی ہوگئی۔ وہ نہ ہوتا تو میں مر ہی چکا ہوتا ایک دفعہ ہم برف کی سطح پہ پھسل رہے تھے کہ وہ ٹوٹ گئی اور میں اس میں ڈوب گیا۔ خانہ بدوش لڑکا میرے ساتھ تھا اس نے جان جوکھوں میں ڈال کر مجھے بچایا۔ اسی لئے دادا ابا مجھے ان سے ملنے سے کبھی نہ روکتے وہ دل ہی دل میں ان کے نہایت ممنون تھے۔

اگست ۱۹۱۴ میں جب جنگ چھڑی تو ہمارے مدرسے کے پادری نے ہمیں ملک کی محبت پر لکچر دیئے اور فتح کی دعائیں سکھائیں۔ انہی دنوں ابا قید سے چھوٹ گئے۔ زار نے جن قیدیوں کی خطائیں معاف کر دی تھیں۔ ان میں ابا بھی تھے۔ مجھے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے اور جس پیار سے انہوں نے مجھے لپٹایا اولاد سے بچھڑے ہوئے باپ ہی اس کا اندازہ کر سکتے ہیں ——— دادا بھی بہت خوش تھے۔ لیکن ان کی طبیعت میں ایک اضطراب تھا۔ رات کے کھانے کے بعد باتیں چھڑ گئیں۔ دادا ابا نے ان سے سوال کیا اینڈری بیٹا تمہاری اولاد کا بھی تم پر کچھ حق ہے؟

ابا نے نہایت سکون اور تحمل سے کہا "ہماری قربانیاں اگلی نسلوں کو زیادہ خوش اور مہذب بنائیں گی۔"

دادا ابا قائل تو کیا ہوتے۔ خاموش ہو گئے۔ پھر کہا بیٹا تمہیں خدا معاف کرے۔ میں جب تک زندہ ہوں تمہارے بچوں کی دیکھ بھال کروں گا۔ اگلے روز ابا مجھے ایک طرف لے گئے اور مجھ سے وعدہ لیا کہ میں ان کے اصولوں پر کاربند رہوں گا اور کسی قربانی سے دریغ نہیں کرونگا۔

اب میں لڑکپن کی حد سے نکل رہا تھا۔ بڑے آدمیوں کی طرح حجامت بنوانے لگا تھا مدرسے کے رخصتی جلسے میں دادا ابا پھوپھی اور چچا متیا شامل ہونے والے تھے۔ اچانک پیٹر چچا بھی آن پہنچے۔ پیٹر چچا بڑے زندہ دل اور خوش باش آدمی تھے وہ کہا کرتے وکٹر بیٹا یہی بہت ہے کہ تم خود خوشی کی زندگی گزارو۔ دوسروں کے لئے اپنی زندگی کون مصیبت میں ڈالے۔

اب مجھے جمنیزیم یعنی انٹرنس میں داخل ہونا تھا۔ اس کے لئے میں دادا دادی اور پھوپھی کو چھوڑ کر ماں باپ کے پاس چلا آیا۔ خدا نے دن پھیر دیئے تھے۔ ابّا کام پر جاتے تھے اور گزارے کے لئے کافی رقم کما لیتے تھے۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا تھا دادا دادی کے ہاں رہا تھا۔ امّی مجھے بہت یاد آتی رہیں لیکن ملاقات بہت کم ہوتی تھی۔ ابا سدا اجنبی رہے۔ کانسٹن ٹائن اور یوجین دونو زیادہ سے زیادہ مجھے مخلص دوستوں کی طرح ملتے تھے۔ ساتھ رہنے سے تھوڑے ہی دنوں میں اجنبیّت دور ہو گئی۔ اور ہم تینوں ایک دوسرے سے بڑی محبت کرنے لگے۔

امّی تو میری صورت پر عاشق تھیں۔ مجھے دیکھتی رہتیں۔ ساتھ لے کر نکلتیں اور محلے والوں کو بتاتی پھرتیں — یہ وکٹر ہے۔ میرا منجھلا۔ دیکھو تو کیسا خوبصورت جوان ہو رہا ہے میرا وکٹر۔ اب میں اسے لے آئی ہوں۔ اب اسے اپنے پاس رکھوں گی۔ اب یہ کہیں نہ جائے گا۔

۱۹۱۶-۱۷

سردیوں میں روسی فوج کی حالت خراب ہوگئی۔ جرمنوں کا پلّہ ہر لحاظ سے بھاری تھا۔ ہماری فوج بددل مایوس اور بزدل ہو رہی تھی۔ سپاہی میدان چھوڑ چھوڑ کے بھاگ رہے تھے۔ افسر رشوت کھاتے تھے۔ خوراک کا توڑا تھا۔ جگہ جگہ بلوے ہو رہے تھے زار کا تخت ڈول رہا تھا۔

یکٹر فسلاو جیسے دُور دراز قصبوں میں بھی یہ افواہیں پھیل رہی تھیں کہ زارینہ جرمنوں کے خیرخواہوں کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ ملک بھر میں بے چینی کی ایک لہر دوڑ رہی تھی۔ استادوں نے سکولوں میں اور پادریوں نے گرجوں میں انقلاب کی مخالفت ترک کر دی ان دنوں ابا کے دوست عوام کو جگانے کا ذکر کرتے۔ ہمارا گھر سائبیریا سے بھاگے ہوئے قیدیوں کی جلسہ گاہ بن گیا۔ ہر شام بہت سے عجیب عجیب آدمی آتے اور دروازے بند کرکے طرح طرح کے پروگرام بناتے ہمیں ان کی باتیں سننے کی اجازت نہیں تھی۔

ایک روز ابا بڑے غصّے کے عالم میں باہر سے لوٹے۔ بات یہ ہوئی کہ ۱۹۰۵ کی بغاوت کا ایک جوان جو ابھی تک قیدی تھا کسی طرح بھاگ نکلا۔ ابّا سے ملاقات کی جگہ مقرر ہو چکی تھی۔ لیکن عین موقع پر پولیس کے کچھ آدمی بھی سادہ کپڑوں میں وہاں پہنچ گئے۔ اس نے بھاگنے کی کوشش کی انہوں نے گولی مار دی۔

اس زمانے میں میری دوستی سپری ڈونوف (Spiridonov) سے ہوگئی۔ اس کا باپ سکول ماسٹر تھا۔ اس کے آنے جانے سے میری آنکھیں کھلیں۔ مجھے زندگی میں پہلی مرتبہ محسوس ہوا کہ دنیا میں عمدہ کتابیں عمدہ موسیقی اور عمدہ ناٹک بھی کچھ چیز ہیں۔ ان لوگوں کے ساتھ میں روس جرمنی فرانس اور انگلستان کے بڑے بڑے مصنّفوں کی کتابیں پڑھتا رہا۔ باپ کی مثال کا جو اثر میری طبیعت پر ہوا اس میں کتابوں کے علم نے شامل ہو کر چند ہفتوں میں میری کایا پلٹ دی۔ کہنے اور کرنے میں اور عمدہ کتابوں میں لکھی ہوئی اچھی باتوں اور حقیقت میں جو فرق ہوتا ہے وہ آئینے کی طرح روشن ہوگیا۔ آپ نے زندگی میں سنا ہوگا کہ فلاں جگہ کے لوگ رات کو آرام سے

سوئے۔ سوتے میں سیلاب آگیا اور ایسا اچانک آیا کہ بہتوں کو معلوم ہونے سے پہلے بہا کر لے گیا۔ یہی حالت ۱۹۱۷ء کے انقلاب روس کی تھی۔ ایسا اچانک آیا تھا گویا زمین سے پھوٹ پڑا ہے۔ ہوا لائی ہے۔ آسمان سے برسا ہے۔ بات انسان کی سمجھ ہی میں نہ آتی تھی۔

آج لوگ انقلاب کا نام لینے سے کانپتے ہیں اور کل یہی لوگ کارخانوں مدرسوں اور گھروں سے بڑے بڑے جھنڈے لئے نعرے لگاتے ہوئے آ رہے ہیں۔ آنکھوں میں جوش ہے۔ تنفس تیز ہے۔ منہ سے کف جاری ہے آگ جیسے مدتوں سلگنے کے بعد یک دم بھڑک اٹھی ہے۔ ابھی دھواں تھا اب جوالا کندن کی طرح چمک رہی ہے۔

لوگوں کے ہجوم تھے جو دیوانہ وار نعرے لگاتے اس کونے سے اُس کونے تک جاتے پھر لوٹ آتے۔ کوئی کہتا جنگ ختم کر دو کوئی کہتا جنگ جاری رکھو۔ کوئی کہتا زمین اور آزادی۔ کوئی کہتا کارخانے میں کام کرنے والے ملک کا دستور بناؤ۔ تمام قوت سوویٹ کی ملکیت ہے ـــــ دیکھتے ہی دیکھتے کمزور طاقتور بن گئے۔ اپاہج چلنے لگے۔ اندھے دیکھنے لگے گونگے بولنے لگے۔ آن کی آن میں دنیا بدل گئی۔

ان جلسوں اور تقریروں میں ابا پیش پیش تھے وہ تقریر کرتے تو وہی باتیں کہتے جو ہم گھر بیٹھے چوری چھپے سنا کرتے۔ لیکن اب وہ سرِ عام کہتے اور لوگ تالیاں پیٹتے۔ نعرے لگاتے۔ اور شور مچاتے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ ہماری ان چوری چھپے کی باتوں کے پہلے ہی سے رازدار ہیں۔ میرے ابا اپنی تقریر میں قید جلاوطنی اور اپنے اُس رفیق کی موت کا ذکر کرتے جو سائبیریا سے بھاگ کر آیا تھا لوگوں کو جذبات پر قابو رکھنے کی تلقین کرتے۔ وہ کہتے کہ اگر ہم نے ضبط سے کام نہ لیا تو ہم میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو خون بہائیں گے۔ انقلاب کا خون بہائیں گے۔

شروع میں لوگ بپھرے ہوئے تھے اور حکمران طبقے سے انتقام لینا چاہتے تھے لیکن رفتہ رفتہ ان میں پارٹیاں بن گئیں اور پھوٹ پڑ گئی۔ بات بات پہ گولیاں چلنے لگیں۔ خوراک کا کال پڑ گیا۔ پہننے کو کپڑا نہ رہا۔ جلانے کو مٹی کا تیل ختم ہو گیا۔ مصیبت آگئی۔ اچھے کپڑے پہننے والے کہنے لگے ـــ یہی انقلاب ہے آپ کا؟ آپ یہی چاہتے تھے نا؟

معاملہ بہت پیچیدہ ہو رہا تھا۔ مختلف پارٹیاں طاقت حاصل کرنے کی غرض سے آپس میں الجھ رہی تھیں اور ضروریات کی فراہمی پر کوئی توجہ نہیں دیتا تھا۔ ایک پارٹی کا زور پکڑ جانا بھی مصیبت تھا کیونکہ ایک پارٹی کی حکومت اس وقت زار کی حکومت سے کم نہ ہوتی۔ یہ انقلاب آزادی اور خوشحالی کی خاطر آیا تھا لیکن اب تک تو لوگوں کے مقاصد بدل گئے۔ آزادی اور خوشحالی کی جگہ انتقام اور قوت نے لے لی اس وقت ضرورت اس امر کی تھی کہ سب پارٹیاں مل کر حکومت بنا لیتیں لیکن وہ صرف ایک دوسرے کے خلاف نعرے لگا رہی تھیں۔ اور نعروں سے کہیں قحط کا علاج نہیں ہوا۔ کام کی پرکھ کا وقت جب آتا ہے کہ حکومت بنے اور حاکم پارٹی اپنے وعدے پورے کرے۔

اندرونی انقلاب کی خبر سن کر جنوبی محاذ پر جو لاکھوں سپاہی بے سروسامانی اور مایوسی کی حالت میں پڑے

تھے واپس آنے لگے۔ بس پھر کیا تھا۔ تانتا بندھ گیا۔ سب کے سب ایکا ایکی گاڑیوں پر ٹوٹ پڑے۔ ان کی واپسی کی شان یہ تھی کہ گاڑی کی چھت پر بیٹھے ہیں۔ پائیدانوں سے لٹک رہے ہیں۔ انجن پہ بیٹھے ہیں وہ اپنے ساتھیوں سے نہایت سنگدلانہ سلوک کرتے تھے خون جیسے ان کے بدن میں سرد ہو چکا ہے۔ زندگی کے لطیف جذبوں سے وہ یکسر عاری ہیں۔ فوج کی واپسی سے حالات اور بگڑے۔ تیل نہ ہونے سے پہلے ہی تاریکی چھا رہی تھی۔ اب دن دہاڑے دکانیں لٹنے لگیں۔ بھوک اور سردی ہی کچھ کم آفتیں نہیں تھیں اس پر ٹائیفائڈ پھیل گیا۔ اور لوگ اس کثرت سے مرنے لگے کہ معلوم ہوتا تھا سب مسائل آپ سے آپ حل ہو جائیں گے۔

ہمارے اپنے گھر کی حالت بہت خراب تھی۔ اندھیرا تو خیر برداشت کیا جا سکتا ہے بھوک برداشت نہیں کی جا سکتی۔ پھر بھی خدا کا شکر ہے کہ نانی اماں کی جمع کی ہوئی سوکھی روٹیاں اور روٹی کے گرے پڑے ٹکڑے جو وہ چڑیوں کو کھلاتی تھیں کافی مقدار میں موجود تھے۔ ان پر اور کچھ گھاس بھوس پر ہم نے گزارہ کرنا شروع کر دیا۔ ہمارے جسم نڈھال ہو گئے۔ ہم پر جو گزری۔ نانی اماں کی موت کے واقعہ سے اس کا اندازہ لگائیے۔ وہ رات کو بیٹھی مجھ سے باتیں کر رہی تھیں کہ خاموش ہو گئیں اور دیوار سے ٹیک لگا لی۔ منہ پر ہلکے ہلکے تبسم کی جو کیفیت تھی کئی منٹ تک اس میں کوئی فرق نہ آیا۔ میں نے بلایا تو نہ بولیں۔ ہلا کر دیکھا تو اللہ کو پیاری ہو چکی تھیں!

چند مہینوں کے بعد روس کے شمالی حصے میں نظم و نسق کسی حد تک قائم ہو گیا۔ مگر دوسرے حصوں میں حکومت بنتے بنتے کئی سال لگے۔ خود ہمارے شہر میں کبھی ایک پارٹی برسرِ اقتدار ہوتی کبھی دوسری۔ سپاہی ایک دوسرے کی جان کے دشمن تھے۔ مزدور آپس میں الجھ رہے تھے۔ سال ہا سال کی آپا دھاپی کے بعد جان لینا کوئی بڑی بات نہ تھی سرِ راہ لاشوں کے ڈھیر دکھائی دیتے تھے۔ جن کی عفونت کو کتے پھیلاتے اور گدھ ختم کرتے۔ انسان میں زندگی کا احترام ختم ہو چکا تھا۔ کسی لاش پر پاؤں رکھ دینا یا اس پہ بیٹھ کر کھانا پینا روزمرہ کی بات تھی۔ کوئی دن ایسا نہ گزرتا تھا جب یہودیوں کے گھروں اور بنکوں پہ حملے کی خبر نہ آتی ہو یا ریلیں روک کر مسافروں کو نہ لوٹا جاتا ہو۔ جو حکومت قائم ہوتی سابقہ حکومت کو لٹیروں اور راہزنوں کی حکومت کا نام دیتی۔ اس کے بعد آنے والی حکومت اسے لٹیری اور راہزن کہتی۔ ایک عجیب بات ہے کہ اس خانہ جنگی لوٹ مار اور قحط کے باوجود ہم کام بھی کرتے تھے پڑھتے بھی تھے سوتے بھی اور کچھ نہ کچھ کھاتے بھی۔ اسی افراتفری میں زندگی کو کسی نہ کسی طرح بہلا ہی لیا جاتا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ بدنظمی گویا زندگی کا جزو بن گئی تھی۔ کوئی بھی مرنا نہیں چاہتا تھا۔

اسی زمانے میں میرے چچا پیٹر کو کسی نے مار ڈالا۔ لاش ایک کھیت میں پڑی ہوئی ملی۔ ان کے ہاتھ ابھی تک پیچھے بندھے ہوئے تھے منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا تھا بدن کو گولیوں نے چھلنی کر ڈالا تھا۔ لیکن سوراخ خون کے جم جانے سے بند ہو چکے تھے — یہ وہی چچا تھے جو کہا کرتے تھے کہ بیٹا اپنے لئے جینا بھی بہت بڑی بات ہے۔ دوسروں کی مصیبتیں سمیٹنے کے لئے فرصت ہی کسے ہے۔

پیٹر چچا جنگ سے واپس آنے کے بعد ایک چھوٹے سے بینک کے منیجر ہو گئے تھے۔ قاتلوں نے سوچا ہوگا

کر انہیں مار کے چابیاں چھین لیں اور روپیہ لوٹ لیں۔ انہوں نے چچا کو تو مار ڈالا لیکن بینک نہیں لوٹا۔ ہم نے کوشش تو بہت کی کہ پیٹر چچا کے دفن سے پہلے الگزانڈروسک پہنچ جائیں لیکن راستے میں فوج کے سپاہیوں نے گاڑی روک لی اور لوٹ مار میں بہت دیر لگا دی۔ ہم پہنچے تو چچا کو دفن کیا جا چکا تھا۔

دادا ابا غم کے مارے چپ سے تھے۔ ان کے بھاری شانوں میں اب وہ فوجی تناؤ باقی نہیں تھا۔ اتوار کے اتوار وردی پہننی بھی انہوں نے چھوڑ دی تھی کردوں اور ترکوں کے قصے انہیں جیسے یکسر بھول گئے ہیں۔ گرجے کے سوا کہیں بھی جانا انہوں نے چھوڑ دیا۔ گھر میں کسی سے بات نہیں کرتے تھے۔ ایک دن انہوں نے ابا سے کہا ———

"اینڈری تم بھی جانتے تھے نا؟"

اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کہہ سکے۔ دوزانو ہو کر دعا مانگنے لگے۔

چند ہی دنوں میں دادا ابا کو چھوٹے بیٹے کا غم کھا گیا اور دادی اماں بھی ان کے بعد بہت دن نہ جی سکیں۔

دریائے ڈینیپر کے کنارے الی ان (Sonnyboy) بہت بھاری زمینداری تھی۔ زمین بڑی زرخیز تھی اور پانی بافراط تھا۔ انقلاب کے بعد یہ زمین مزارعین میں تقسیم ہو گئی۔ پانچ سو ایکڑ زمین۔ ایک باغ مچھلیوں کا ایک تالاب محل اور دوسرے مکان ۱۹۱۹ کے شروع میں ایک سو خاندانوں کو مل گئے کہ مل جل کر کھیتی کریں۔ ہم بھی وہاں آن بسے۔ حکومت نے اناج بیج اور بیلوں کی جوڑیاں تقاوی کے طور پر دیں۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ بھوک سے بدحال ہو رہے ہیں۔ ایک دوسرے کا گلا کاٹتے کاٹتے بھائی چارے اور انسانیت کا خیال ان کے دلوں سے اڑ چکا ہے۔ مل جل کر کام کرنے سے یہ جذبے پھر جاگیں۔ اور انقلاب جو آدرش لے کے آیا ہے وہ پروان چڑھے۔

ابا کو اب بار بار کمیونسٹ پارٹی کا ممبر ہو جانے کے لئے کہا گیا لیکن وہ رضامند نہ ہوئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پارٹی میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جنہیں زار کے زمانے میں تو کسی نے کچھ کرتے نہیں دیکھا تھا مگر اب پارٹی کو زور پکڑتے دیکھا تو اپنے بارے میں من گھڑت قصے سنائے اپنی قربانیوں کی داستاں چھیڑی اور اپنے آپ کو کچھ کا کچھ مشہور کر کے ممبر بن گئے۔

الی ان کی زمین پر نئے بسنے والوں نے بڑی بے جگری سے کام کیا۔ جو کاشتکار وہاں پہلے سے موجود تھے ان کا مذاق اڑاتے رہے وہ کہتے تھے ——— دیکھتے ہیں کمیونسٹ زمین کیسے جوتتے ہیں۔ مگر یہ فقرہ وہ زیادہ مدت تک نہ کہہ سکے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ کمیونسٹ واقعی زمین جوت رہے ہیں تو پھر بڑے بھائی بن کر ہاتھ بٹانے بھی آ گئے۔ یہاں سے تھوڑی ہی دور ایک زراعتی مدرسہ تھا۔ وہاں کے استاد بھی کبھی دیکھ بھال کبھی امداد کے لئے یہاں آ جایا کرتے تھے۔

میں اور میرے ہم عمروں نے کھیتی کے کام میں بڑے جوش سے حصہ لیا۔ زندگی بڑی دلچسپ تھی بعض باتیں تو عجیب تھیں۔ مثلاً فصل کٹ چکی تو لٹیرے سپاہی آ جاتے اور ہم سے اناج کمبل اور ضرورت کی دوسری چیزیں مانگ

کرلے جاتے۔ ظاہر ہے کہ وہ یہ چیزیں زبردستی بھی وصول کر سکتے تھے۔ ایک دفعہ عجیب واقعہ ہوا۔ ایک آدمی ہمارے پاس آیا جس نے اپنا نام شاید لیخامناف (Likomanov) بتایا تھا۔ اس کے ساتھ ایک آدمی بحری فوج کی وردی میں تھا دو آدمی سوویٹ کی خفیہ پولیس کی وردی میں تھے۔ اور ایک نرس تھی انہوں نے ہم سے اپنی گاڑی کے لئے دو گھوڑے مانگے کہ ہمارا پیچھا کیا جا رہا ہے۔ ہم نے انہیں گھوڑے دے دیئے اور میں ان کے ساتھ گیا کہ گھوڑے لوٹا لاؤں۔ راستہ مردہ سپاہیوں کی لاشوں سے پٹا پڑا تھا۔ ایک جگہ ہمیں کسی نے "ٹھیرو ٹھیرو" کی آوازیں دیں۔ بجائے اس کے کہ ہم ٹھہرتے بحری فوج کے سپاہی نے مشین گن سے پکارنے والوں کو ڈھیر کر دیا۔ پڑاؤ پر پہنچ کر ہم ایک چھوٹے سے مکان میں اترے۔ میں اور نرس ایک کمرے میں اور باقی لوگ دوسرے کمرے میں۔ مجھے سوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ بحری فوج کے سپاہی نے نرس پر دست درازی شروع کر دی۔ نرس نے شور مچایا۔ میری آنکھ کھل گئی اور سپاہی بھاگ گیا۔ اس کے بعد نہ نرس سوئی نہ میں۔ اس نے مجھے اپنی کہانی سنائی کہ میں زار کے ایک بڑے افسر کی بیٹی ہوں۔ مجھے سیدھے سادے عام انسانوں سے محبت تھی۔ ان کی خاطر میں نے گھر بار چھوڑا اور نرسنگ کی تعلیم پائی۔ اب لوگوں نے خون بہانا شروع کر دیا ہے۔ میرا کام علاج کرنا ہے خون بہانا نہیں۔ اس سپاہی نے بری حرکت کی ہے لیکن میں مایوس نہیں۔ جانتی ہوں کہ ایک بلا ہے تو سو اچھے بھی انہی میں سے ہیں۔

دوسری فصل کٹنے کے بعد میں اور میرا بھائی کانسٹنٹائن زراعتی مدرسے میں داخل ہوئے۔ ضلع کے ایک بڑے رئیس نے یہ مدرسہ بنوایا تھا۔ زمین بھی دی اور بننے کے بعد سجایا بھی اسی نے تھا۔ انقلاب کے زمانے میں مدرسے پر بھی مصیبت آئی۔ لوگوں نے عمارت تباہ کر دی۔ چھت کی کڑیاں تک جلانے کے لئے نکال لے گئے میزیں کرسیاں کہاں کی۔ باغیچہ تک اجڑ گیا۔ کچھ استاد البتہ وہاں رہ گئے تھے۔ افراتفری ذرا کم ہوئی اور نظم و نسق بحال ہوا تو اس برباد شدہ مدرسے کی طرف بھی توجہ دی گئی۔ جو استاد چلے گئے تھے ان کی جگہ اور آ گئے۔ ملک بھر میں خوراک کی قلت تھی۔ مدرسہ چلنے لگا تو چھ سو طالب علم داخلے کے لئے پہنچ گئے۔ کہ زمین سے زیادہ سے زیادہ غلہ حاصل کرنے کے طریقے سیکھیں۔

بھیا میں اور فیوڈور (Fyodor) تینوں ایک زمیندار کی جھونپڑی میں رہتے تھے۔ سردیوں میں ہم نے پڑھا۔ بہار آئی تو کام کیا۔ اس زمانے میں سخت قحط پڑ رہا تھا! اناج غائب ہو چکا تھا ملک کی حالت ایسی خراب ہو چکی تھی کہ روپے کی کوئی قیمت نہیں رہی تھی یعنی رقم پلے باندھے پھریئے ضرورت کی کوئی چیز خرید نہیں سکتے۔ کوئی بیچتا ہی نہیں۔ جنس کے بدلے جنس البتہ مل جاتی تھی۔ لوگ روٹی کی تلاش میں الٹی ان سے بھاگنے لگے۔ ان دنوں ہم لوگوں نے ایک ترکیب سوچی۔ پولینڈ سے جنگ ہو رہی تھی اور ریل گاڑیاں سپاہیوں سے بھری ہوئی ادھر کو جا رہی تھیں۔ ہم دو چار مل کر ریل کے اسٹیشن پر پہنچ جاتے اور کسی نہ کسی طرح سپاہیوں کا

راشن اڑا لاتے۔

لیکن یہ کام مدت تک نہیں چل سکتا تھا۔ ہم نے چلتی پھرتی نائی کی دکان کھول لی اور لوگوں کے بال کاٹنے لگے۔ اجرت میں نقدی کی جگہ روٹی اور گوشت، آلو اور انڈے ملتے۔ کبھی کبھی مرغی بھی مل جاتی۔ لیکن ان ترکیبوں سے قحط کا مقابلہ نہ ہو سکتا تھا۔ جب مدرسے میں اناج ختم ہو گیا تو طالب علم بکھر گئے کچھ شہروں میں جا کر ملازم ہو گئے کچھ دیہات میں نکل گئے۔ میں نے ایک لوہار کی نوکری کر لی۔ لیکن روٹی کا مسئلہ ابھی تک حل نہیں ہوا تھا۔

اب خانہ جنگی ختم ہو چکی تھی۔ سوویٹ کی حکومت قائم تھی۔ پارٹی کے لوگ کارخانوں میں جاتے اور تقریریں کر کے لوگوں میں کام کرنے کا شوق پیدا کرتے۔ میں سنتا ہی نہیں ان سے سوال بھی کرتا تھا۔ میرا دل کسی ایسی چیز کو ڈھونڈھتا تھا جسے اپنا عقیدہ یا ایمان بنالوں۔ سوچتا ابا تو اگلے وقتوں کے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ ہر کام کا انجام ضرور اچھا ہی ہو۔ ان سے بحث چھیڑ دیتا تو وہ کہتے —— بیٹے جتنا دوسرے جانتے ہیں اتنا تو میں بھول چکا ہوں۔ کہیں انڈا بھی مرغی کو پڑھاتا ہے ؟

میں اور سینیا (Senya) خوراک کی تلاش میں پولٹاوا (Poltava) کے صوبے میں گئے کہ وہاں قسمت آزمائیں۔ وہاں ہم نے پرانے کپڑے چاندی کے چمچے زیور اور گھر کا دوسرا سامان جو ہم ساتھ لے گئے تھے بیچا اور ان کے بدلے مٹی کا تیل اور نمک مرچ حاصل کی تاکہ ہم اپنی اور اپنے پیاروں کی جانیں بچانے کا سامان کریں۔ واپسی پر ایک اسٹیشن پر ہمیں رکنا پڑا۔ بھیڑ بہت زیادہ تھی۔ ایک جگہ ایک غریب عورت کراہ رہی تھی۔ کچھ عورتوں نے اس کے گرد گھیرا ڈال کر اس کو اوٹ میں لے رکھا تھا۔ تھوڑی دیر میں ایک نومولود بچے کے رونے کی آواز آئی۔ میری جیب میں دو تین روبل موجود تھے میں نے ان سے کچھ دودھ اور ایک تولیہ خرید کر زچہ کو دے دیا۔

اس کے بعد بھی میں نے خوراک کے لئے دورے کئے۔ آخری چیز جو میں نے بیچی نانی اماں کی سونے کی صلیب تھی۔ اگلی فصل تک اسی کشمکش میں گزری۔ اگلی فصل کے موقعے پر خدا نے رحم کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ زمین لاکھوں آدمیوں کا خون پی کر بیدار ہو گئی تھی۔ خدا نے اُسے پھر صحت دی اور جینے کی اُمنگ پھر ہری ہو گئی۔ کنواریاں نے کٹائی کے وقت پر رسیلے گیت گائے۔

کوئلے کی کانوں میں

میں اب سترہ سال کا ہونے کو تھا مسیں بھیگ رہی تھیں۔ ایک دن کلب میں جلسہ ہوا اور مقرر نے کہا۔ انقلاب کے انجن کو کوئلے کی ضرورت ہے۔ اس کوئلے کی جو دونٹز (Donetz) کی کانوں میں بند ہے روس کو یا انقلاب کو۔ انسان کو اس کوئلے کی ضرورت ہے۔" یہ بات میرے خون کو گرما گئی۔ میں نے وہیں فیصلہ کر لیا کہ میں کان میں کام کروں گا۔ سنیا سامنے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی دبی عزم جھلک رہا تھا۔

جب ہم ڈونٹز کی سب سے پرانی کان میں پہنچے تو رات ہو چکی تھی۔ مزدوروں کے رہنے کی بارکیں بلی تنگ اور بدبودار تھیں ہوا میں بھی کوئلے کی کالس تھی۔ اوپر نیچے لکڑی کے تختے جوڑ رکھے تھے انہی تختوں پر مزدور رہتے اور سوتے تھے۔ لیکن ہمارے ولولے ایسے نہ تھے کہ ان معمولی باتوں سے سرد ہو جاتے۔ ان تنگ اندھیری اور بدبودار بارکوں میں میں اور سنیا بڑے آرام سے سوئے۔ صبح اٹھے تو معلوم ہوا کہ ہمارے سوٹ کیس غائب ہیں۔ تن کے میلے کپڑوں کے سوا ہمارے پاس کچھ نہیں رہا۔

حکومت چاہتی تھی کہ اس کان کے کام کو پھیلایا جائے کیونکہ اس کا کوئلہ عمدہ تھا۔ سنیا کو تو فوراً کام پر بھیج دیا گیا۔ میرے بارے میں کچھ سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ پڑھا لکھا آدمی ہے اور پڑھے لکھوں کی یہاں کمی ہے اس لئے مجھے دفتر میں لگا دیا جائے۔

کان میں روس کی ہر قوم اور ہر علاقے کے آدمی تھے۔ تاتاری چینی۔ آذربیجی کوہ قاف اور وسط ایشیا کے رہنے والے وغیرہ وغیرہ۔ کام اگرچہ بہت کٹھن تھا لیکن کم از کم مزدوری تو مل جاتی تھی اور یہی بڑی بات تھی۔ دُور دراز کے لوگ آتے کام کرتے اور جب اُن کے پاس اتنی رقم جمع ہو جاتی جس سے وہ بیلوں کی جوڑی یا گھوڑا خرید سکتے یا رہنے کی کوٹھڑی بنوا سکتے تو چلے جاتے۔ ان میں سے بیشتر اسی جذبے کے ماتحت آتے تھے۔ ان کے چلے جانے سے کام میں بڑی دقت ہو جاتی تھی۔ ظاہر ہے کہ نئے آدمیوں کو کام سکھانے ہی میں کافی وقت صرف ہو جاتا تھا۔

سب سے گہری اور کٹھن کان میں مشرق سے آنے والوں کو بھیجا جاتا تھا۔ روسیوں اور یوکرینیوں کو نسبتاً ہلکا کام دیا جاتا تھا۔ کچھ ایسے بھی تھے جن کو کوئی کام نہیں کرنا پڑتا تھا اور مزدوری زیادہ ملتی تھی۔ یہ افسروں یا زمینداروں اور پادریوں کے بیٹے تھے۔ کچھ مزدور فرصت میں لائبریری میں جاتے اور پڑھتے لکھتے یا پڑھنا لکھنا سیکھتے لائبریری تھی تو مختصر سی لیکن خاصی مفید تھی۔ مزدور مجموعی طور پر خوش تھے۔ آتے تو ہاتھ کے بنے ہوئے کپڑے کے ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہن کر۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں کینچلی اتار دیتے۔ حجامت بنواتے نئے کپڑے پہنتے اور تصویریں کھچوا کر گھر کو بھیجتے۔ دوسروں سے باتیں سنتے اور نئے آنے والوں پر اپنی علمیت اور لیاقت جتاتے۔ ان پر تنقید کرتے کہتے کیسے کورے گنوار ہیں یہ لوگ۔ سیاست پر ایسے تبصرے کرتے جیسے یہ باتیں پشتوں سے ان کی گھٹی میں پڑی ہیں۔

ان دنوں اخبار لکھتے کہ روس اب ترقی کی راہ پر گامزن ہے تمہیں چاہیے کہ زیادہ کوئلہ نکالو۔ زیادہ اناج پیدا کرو۔ میں ایسے مضمون پڑھتا تو محسوس کرتا کہ یہ باتیں مجھے کہی جا رہی ہیں۔ کبھی بڑے بڑے لیڈر یہاں آتے اور تقریریں کرتے۔

مجھ پر سب سے زیادہ اثر کامریڈ لزاریو (Lazarev) کا ہوا۔ وہ مارکس اور لینن کی عبارتیں نہیں سناتے تھے۔ ان کا اپنا دل بولتا تھا۔ ان کے کپڑے صاف ستھرے تھے نکٹائی بھی باندھتے تھے —— مجھے یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ کمیونزم اچھے کپڑے پہننے سے نہیں روکتا!

سب سے پہلے میری ان کی ملاقات لائبریری میں ہوئی۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کیا پڑھ رہے ہو۔ میں نے بتایا۔ پھر فرانسیسی اور روسی مصنفوں پر گفتگو ہوئی جس میں کامریڈ لزاریو نے بڑی دلچسپی لی۔ ان کا خیال تھا کہ میں ایک اچھا کمیونسٹ بن سکتا ہوں۔ قوم کو میری خدمات سے فائدہ پہنچے گا۔ میں بھی ان سے متاثر ہوا۔ میں نے سوچا کہ لزاریو جیسا کمیونسٹ میں بھی بن سکتا ہوں۔ کامریڈ لزاریو نے کسی نرس کی آبرو پر ہاتھ نہیں ڈالا۔

کامریڈ لزاریو چند ہفتے وہاں رہے۔ میرے ان سے تعلقات بہت اچھے ہو گئے۔ جب وہ جانے لگے تو اسٹیشن پر میں انہیں الوداع کہنے کو گیا —— انہوں نے کہا میں نے سنا ہے تم کمسومل ہو گئے ہو۔ مبارک ہو۔ میں نے شکریہ ادا کیا۔ ریل چلی تو انہوں نے مجھے ایک کتاب دی۔ عنوان تھا شیکسپیئر کے تین کھیل۔ میں حیران ہوا کہ یہ مارکس اور لینن کا ماننے والا شیکسپیئر کی کتابیں بھی پڑھتا ہے!

کمسومل کمیونسٹ پارٹی کی رکنیت کی پہلی سیڑھی تھی۔ میں دل میں کہتا تھا کہ اب میں قوم کے خاص خادموں کی صف میں ہوں۔ میں قوم کو اندھیرے سے نکالوں گا۔ انہیں اشتراکیت کے نور سے ہمکنار کروں گا۔ میں زیادہ محنت کروں گا۔ میں نے اپنا آرام اور اپنی تفریح بالائے طاق رکھ دی۔ کان کے کام سے فارغ ہوتا تو لکچر دیتا مزدوروں کے لئے ناٹک کرواتا۔ اور پارٹی کے گہرے معاملات پر غور کرتا —— مجھے یقین تھا کہ کل کے لینن اور سٹالن ہم ہی میں سے پیدا ہوں گے۔

افسروں نے امداد باہمی کی بنیادوں پر پارٹیاں بنا رکھی تھیں جو مل جل کر کام کرتی تھیں۔ غرض یہ تھی کہ

لوگ شوق سے کام کریں اور پیداوار زیادہ ہو۔ یہ طریقہ بڑا مفید اور بابرکت تھا۔ کیسا ہی مشکل اور کٹھن کام ہوتا ہم کہتے ـــ اگر یہ ضروری ہے تو ہو سکتا ہے۔ ضرور ہوگا۔ اور وہ ہو جاتا۔ ہماری انجمن کے ممبر جس مکان میں رہتے تھے اس کی صفائی بھی خود کرتے تھے وہاں پڑھنے کی کتابیں تھیں۔ دیواروں پر روس کے رہنماؤں اور مصنفوں کی بڑی بڑی تصویریں لٹکا کر مکان کو خوب آراستہ کیا گیا تھا۔

ایک کان میں پانی بھر گیا۔ اور کان بیٹھنے لگی۔ لکڑی کے بڑے بڑے ستون اور تختے جوڑ کر ہم نے اسے بمشکل سنبھالا۔ لیکن اب اس میں کام کرنا اور پانی نکالنا بہت خطرناک تھا۔ ڈر کے مارے کوئی مزدور آگے نہیں آتا تھا۔ میں نے یہ سوچا کہ میں کام کروں اور چینی اور تاتاری کانکنوں کے لئے مثال قائم کر دوں۔ میں کام کر رہا تھا کہ چھت بیٹھ گئی اور میں کوئلے کے بھربھرے ڈھیر تلے دب گیا۔ اس کے بعد مجھے کچھ معلوم نہیں۔ جب آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ہسپتال میں ہوں۔ ایک نرس پاس کھڑی مسکرا رہی ہے۔ ڈاکٹر چارپائی کی پٹی پر بیٹھا ہے اور بہت خوش ہے۔ دونوں نے مجھے تسلی دی کہ جلد اچھے ہو جاؤ گے۔ اس کے بعد مزدوروں کا تانتا بندھ گیا۔ کون ہوگا جو مجھے دیکھنے کو نہ آیا ہوگا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مجھے ان لوگوں نے اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔

کچھ دنوں کے بعد سوویٹ کے سب سے بڑے لیڈر کامریڈ لینن کی موت کی خبر پہونچی۔ روس کے تمام مزدوروں نے اس صدمے کو بڑی شدت سے محسوس کیا۔ ہر شخص سمجھتا تھا کہ اس کا کوئی نہایت ہی قریبی عزیز مر گیا ہے۔ اس کا دوست مر گیا ہے۔ اس کا رہنما مر گیا ہے۔ ہر شخص کے دل پر گہری چوٹ لگی۔ اس موقعہ پر لوگ اکٹھے ہوئے تقریریں ہوئیں اور رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔ لیکن ایک بات سے مجھے بہت صدمہ ہوا کہ ان تقریروں میں خلوص نہیں تھا۔ کم از کم میرا یہی خیال ہے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ سرکاری اخباروں ازوستیہ (Izvestia) اور پراودہ (Pravada) سے اقتباسات سنائے جا رہے ہیں ـــــ تقریر کرنے والے کا دل خاموش ہے۔ زبان بول رہی ہے +

میں اس علاقے میں ایک سال سے کچھ اوپر رہا۔ مگر وہاں سے جانا ایسا تھا جیسے زبردستی جدا ہوا۔ وہاں کی یاد آج تک میرے دل میں دھڑکتی ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ محبت حسین اور تابناک چیزوں ہی سے ہو سکتی ہے انہیں کیا معلوم جو ہمارے دل کو گرمائے وہی محبت کے قابل ہے۔ میں زمین کے نیچے کی ان تاریکیوں اور ان تاریکیوں کے باشندوں کو آج تک نہیں بھول سکا۔

میری صحت اچھی نہیں تھی اس لئے ڈاکٹروں نے مجھے کان میں کام کرنے کی ممانعت کر دی۔ مجبوراً میں گھر چلا آیا ـــ میرے آنے کی کسی کو خبر نہیں تھی ـــ میں نے کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا تو مٹی کا دیا ٹمٹما رہا تھا جس کی نیم تاریکی میں اماں بیٹھی کچھ پڑھ رہی تھیں ـــ میں نے آواز بدل کے پوچھا ـــ "کرا اوجنگو یہاں رہتے ہیں؟" اماں نے چونک کر ادھر دیکھا اور "میرے پیارے" "میرے ننھے" کہتی ہوئی باہر نکل آئیں۔

یکاتری نوسلاو کا نام اب نیپروپیٹروسک (Dneipropetrovsk) ہو گیا تھا۔ الی ان میں کاشتکاروں کی جو بستی بسائی گئی تھی ویران پڑی تھی۔ مکان خستہ ہو چکے تھے۔ شہتیر اور کڑیاں ایندھن بن چکی تھیں — آس پاس کے دیہاتی کہتے تھے۔ زمین کا جوتنا کمیونسٹوں کے بس کا روگ نہیں۔ یہ تو ٹیکس لینا جانتے ہیں۔ لوگوں کو گرفتار کرنا ہی اِنہیں آتا ہے۔

میں کارخانے میں گیا۔ مزدوروں نے بھی مجھ سے اسی قسم کی باتیں کیں۔ لیکن ان لوگوں میں بدحالی نسبتاً کم تھی۔ یہاں پر میں نے کئی تقریریں کیں۔ ڈونٹز کی کانوں کی مشکلات بتائیں اور ان کو حل کرنے کے طریقے بھی بتائے جو کچھ دیکھا تھا بلا کم و کاست کہہ دیا۔ چار آدمی وہاں جانے پر رضامند ہو گئے۔ میں نے اُنہیں ٹریڈ یونین افسروں کے نام خط لکھ دیئے۔

میں نے اول تو گھر کے ایک دو دروازوں کی مرمت کی پھر شہر چلا گیا۔ ابا اور یوجین ایک دھات کے کارخانے میں کام کرتے تھے۔ میں بھی وہیں چلا گیا اور کارخانے کے اس حصے میں کام کرنے لگا جس میں مشینوں کو ترقی دینے کا کام ہوتا تھا۔ یہ کارخانہ کئی ایکڑ میں پھیلا ہوا تھا کوئی ڈھائی ہزار مرد و عورت اس میں کام کرتے تھے۔ جنوبی روس میں یہ سب سے بڑا کارخانہ تھا۔ بڑے بڑے کمیونسٹ لیڈر ایک زمانے میں یہاں مزدور رہ چکے تھے۔ انقلاب میں اس کارخانے کا بھی ایک حصہ تھا اور یہ بڑے فخر کی بات تھی۔ یہاں کی کمیونسٹ پارٹی میں کمسومل ملا کے کوئی دو ہزار آدمی ہوں گے۔

ابا میرے کام سے بہت خوش تھے کہ بیٹا ترقی کرے گا۔ مگر انقلاب کے بعد کے حالات سے وہ بہت مایوس تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اونچے افسر تو زارشاہی کی طرح اب بھی مزے میں ہیں۔ مزدوروں کی حالت بری ہے زبان سے تو یہی کہا جاتا ہے کہ سب برابر ہیں لیکن واقعات اس کے خلاف ہیں۔ میں کہتا۔ ابا۔ کچھ وقت دیجئے۔ ابھی تو ابتدا ہے۔ یہ سب وقت گزرنے کی باتیں ہیں — لیکن وہ کہتے بیٹے میں دیکھ رہا ہوں کہ انسانوں کی اونچ نیچ مٹانے کی کوشش نہیں کی جا رہی۔ ان میں فاصلہ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

۱۹۲۷ء کے موسم بہار میں میری ملاقات انا (Anna) سے ہوئی۔ وہ ریل کے ایک انجنیئر کی بیٹی تھی۔ انا کے ماں باپ عجیب ... کھوئے کھوئے سے لوگ تھے۔ باپ تو دبا دبا سا خاموش سا رہتا تھا۔ ماں بولتی تھی تو اس کی ہر بات سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ انقلاب سے پہلے کی عورت ہے۔ مجھے پسند کرتی تھی وہ میرے کمسومل کے کام کو بھی کسی حد تک سراہتی تھی۔ مگر یہ بات چھپا نہیں سکتی تھی کہ محض میری خاطر ملحوظ ہے۔ کبھی کبھی انا سے کہتی۔ کمسومل کی بجائے انجنیئر ہوتا یہ لڑکا تو کتنا اچھا ہوتا۔ وہ محسوس کرتی تھی کہ میں ان کے برابر کی حیثیت کا آدمی نہیں۔

انا مجھے بہت پسند تھی۔ اب تو میں یہی کہہ سکتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ مجھے اس سے محبت تھی۔ اس کی موجودگی میں ایسی کیفیت محسوس کرتا جو اس سے پہلے میں نے کبھی نہ محسوس کی — لیکن میرے اور اس کے درمیان طبقاتی امتیاز کی ایک وسیع خلیج حائل تھی جسے پاٹنا مشکل تھا۔ میں نے انا اور اس کے ماں باپ کو کمیونسٹ بنانے کی کوشش

کی مگر پتھر میں کہیں جونک لگی ہے۔ میں انا سے شادی کرنا چاہتا تھا لیکن ان حالات میں شادی کیسے ہو سکتی تھی میں نے دل پر پتھر رکھ لیا اور خاموش ہو گیا۔ انا سے پھر میری ملاقات چودہ برس کے بعد ماسکو کے ایک ہوائی حملے سے بچاؤ کے مرکز میں ہوئی۔۔۔ خیر یہ قصہ یہیں پر ختم سمجھئے۔

وسط ایشیا کا روسی علاقہ ایران افغانستان اور کشمیر سے ملتا ہے۔ یہ سرحد پندرہ سو میل لمبی ہے۔ اخباروں میں برسوں سے اس قسم کی خبریں آ رہی تھیں کہ سرحد کے لوگ بڑے ظالم ہیں۔ لوٹ مار کرتے ہیں اور روسی باشندوں کو پکڑ کر لے جاتے ہیں اور سخت اذیتیں دیتے ہیں۔ ملّا ان لوگوں کو لوٹ مار پر اکساتے ہیں۔ انگریز انہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں وہ امرا جنہیں سوویٹ حکومت نے مار بھگایا ہے ان لوگوں سے جا ملے ہیں اور فساد برپا کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ لوگ روس میں ناجائز تجارت کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو تباہ کرنے کے لئے سوویٹ حکومت نے فوجیں بھیجیں جن میں میں بھی تھا۔

سفر کے دوران میں دن کے وقت تو ہم ہنستے گاتے اور خوش رہتے۔ رات آتی تو ہمیں سرحدی لٹیروں کے مظالم اور بے رحمی کے قصے یاد آ جاتے۔ راستے میں پہلا بڑا شہر باکو تھا۔ یہ عجیب شہر تھا جسے مشرق اور مغرب کا سنگم کہنا چاہیئے۔ ایک طرف تو مغربی طرز کی مشینیں اور کلیں تھیں دوسری طرف اونچی اونچی سموری ٹوپیوں والے کاسک اور مغل۔ عورتیں برقعے پہنتی تھیں۔ مرد لمبے لمبے چغے بھی اور پتلون کوٹ بھی شہر بھر میں تیل کی بو پھیلی ہوئی تھی۔

ملک کے دوسرے حصوں میں سینکڑوں رنگروٹ یہاں ہم سے ملے۔ ہم نے ایک چھوٹے سے جہاز میں بیٹھ کر سمندر پار کیا۔ بندرگاہ پر خربوزوں کے خوبصورت ڈھیر لگے تھے جنہیں ترکمان اچھال اچھال کر اور گا گا کر بیچ رہے تھے۔ سٹالن آباد میں ہمارا بڑی شان سے استقبال ہوا۔ روئی کی ملوں کے مزدور منہ اٹھائے کھڑے تھے۔ میں دل ہی دل میں کہتا تھا کہ ان مقامی آدمیوں کو فوج میں بھرتی کیوں نہیں کیا جاتا۔ سوچا تو معلوم ہوا کہ ملک پر قبضہ تو روسی فوج ہی سے ہو سکتا ہے۔

ایران کی شمالی سرحد کے قریب ہمیں ٹھہرایا گیا یہاں ہمیں آخری ہدایات ملیں اور کہا گیا کہ مارو یا مر جاؤ۔ یہ علاقہ پہاڑی ہے۔ کھلے میدان نہیں ہیں اس لئے یہاں لڑائی بھی جنگ چپاول سے ملتی جلتی ہو گی جس کے لئے ہر لحظہ بے حد چوکس رہنا پڑتا ہے۔

اسی رات ہماری ڈیوٹیاں تقسیم کر دی گئیں۔ مجھے ناجائز تجارت کرنے والے کاروان روکنے پر لگا دیا گیا سرحد کے دونوں طرف جاسوس تھے۔ جو ایرانی اور افغانی قہوہ خانوں میں بیٹھتے اور خبریں لاتے کہ فلاں مال فلاں جگہ جا رہا ہے یا سرحدی قبائل روس کے فلاں گاؤں پر چھاپہ مارنے والے ہیں اور ہم اس کا پہلے ہی سے بندوبست کر لیتے۔ کئی دفعہ ہمارا انتظام بالکل بے کار ہوتا کبھی ہم انہیں گھیر بھی لیتے۔ ایک دفعہ جب رات بالکل اندھیری تھی اور بارش بڑے زور کی ہو رہی تھی حملہ ہو گیا۔ اندھیرے میں کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ بڑی گھبراہٹ کا عالم تھا۔ گولیاں

چلتی رہیں۔ لیکن ہمیں ٹھکانے سے کوئی نشانہ نہیں ملتا تھا چنانچہ ہم نے راکٹ چلائے۔ راکٹ کی روشنی میں میں نے اچانک دیکھا کہ ایک قبائلی میری طرف بندوق تان رہا ہے میں نے گولی پہلے داغ دی وہ لڑکھڑایا اور گر پڑا دیکھا تو ایک بوڑھا آدمی تھا۔ اس کی سفید داڑھی خون سے تر ہو چکی تھی۔

ایک دفعہ رات کو کھٹکا ہوا۔ میں گھوڑے پر سوار تھا۔ اودھر کو لپکا۔ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور میں اوندھے منہ گر پڑا۔ مجھے کافی چوٹیں آئیں۔ اس لئے ہسپتال چلا گیا۔ یہاں دو نرسوں نے جی لگا کر میری خدمت کی مجھے معلوم ہوا کہ ان میں ایک شہزادی ہے اور دوسری ایک بڑے سردار کی بیٹی۔

سفر کے قابل ہوا تو مجھے کیفو (Kiev) بھیج دیا گیا۔ ایک مہینہ یہاں رہا۔ پھر فوج سے چھٹی دے دی گئی اور میں واپس نیپرو پٹروسک پہنچ گیا۔ یہ ۱۹۲۰ کے موسم گرما کی بات ہے۔ ان دنوں میری عمر ۲۳ برس کی تھی۔

کارخانے میں

۱۹۲۹ کے شروع میں سوویت حکومت میں دو پارٹیاں بن گئی تھیں۔ کامریڈ اسٹالین اور ان کی پارٹی برسر اقتدار تھی۔ لیکن مخالفین بھی کچھ ایسے گئے گذرے نہ تھے۔ دونوں پارٹیوں میں ٹھن گئی۔ کامریڈ اسٹالین یہ چاہتے تھے، کہ سرمایہ اور سرمایہ داری کی ذہنیت کو ختم کر دیا جائے۔ ملک کی صنعت اور کھیتی حکومت کے ہاتھ میں ہو اور اشتراکیت کی بنیادوں پر سارا کام کیا جائے۔ دوسری پارٹی کسی حد تک نجی کاروبار کو برقرار رکھنا چاہتی تھی۔

اس کشمکش، ہچکچاہٹ اور بے یقینی کو ختم کرنا ضروری تھا ورنہ انقلاب انقلاب نہ رہتا۔ اس میں عوام کی رائے یا آرزو کو دخل انداز ہونے کی اجازت نہیں دی جا سکتی تھی۔ کیونکہ پارٹی کا مقصد عوام کی خوشحالی کی تدبیر کرنا اور انہیں تربیت دینا تھا۔ ان کی آرزوؤں کو پورا کرنا نہیں تھا۔ چنانچہ لاکھوں آدمیوں کو نئے انداز سے کام پر لگا دیا گیا۔ اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جنہیں نہ پیٹ بھر کر روٹی ملتی تھی نہ تن پر ڈھنگ کے کپڑے ہوتے تھے۔ میں دل سے یقین رکھتا تھا کہ اس نئے انداز میں روس کی بھلائی ہے کیونکہ ایک تو میری عمر ہی کیا تھی۔ دوسرے میں کمسومل کے ماحول میں پلا تھا۔

بعد میں تجربے نے ثابت کیا کہ اس نئی پالیسی میں بہت سے نقائص تھے۔ لیکن ہم تو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ آج کا دکھ کل کے سکھ کا پیش خیمہ ہے۔ وقتی تکلیفات کو ہم نے آئندہ آرام کا پہلا باب جانا تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہو جاؤں۔ میں کچھ پڑھا لکھا تھا۔ دل سے اشتراکیت کا حامی تھا۔ افسروں سے میرا میل جول تھا۔ مزدور مجھ سے محبت کرتے تھے۔ کارخانے کے اخبار کے اڈیٹروں میں بھی مجھے شامل کر لیا گیا تھا۔ ممبر ہونے کے لئے میرے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ ان دنوں اخبار اور ریڈیو چلا چلا کر کہتے —— سرمایہ دار ملکوں سے آگے نکل جاؤ۔ جاگیرداروں کو ختم کر دو۔ صنعتوں کو ترقی دو۔ قدم قدم بڑھے چلو۔

نئی پالیسی کے سلسلے میں ماسکو سے جو احکام آتے تھے اٹل ہوتے۔ ان کے آگے اپنی کہنا بے معنی تھا۔

اتنا ضرور تھا کہ حکم نافذ کرتے وقت ہمیں ان کی غرض وغایت بھی سمجھا دی جاتی تھی۔ انہی دنوں کامریڈ اسٹالین کی مخالف پارٹی کا ایک لیڈر ہمارے کارخانے میں آیا اور اس نے تقریر کی۔ جن لوگوں نے اس سے اتفاق کیا خفیہ پولیس نے اگلے دن ان کو ڈرایا دھمکایا۔

میں کامریڈ اسٹالین کی پالیسی سے پوری طرح متفق تھا اور کمیونسٹ پارٹی میں میرا انتخاب یقینی تھا۔ صنعتی اخباروں میں میرا نام اور تصویریں نکلنے لگی تھیں۔ اور میری شخصیت کافی اہم سمجھی جاتی تھی۔ ادھر ابا عام طور پر پارٹی کے حلقوں اور خصوصاً افسروں کی نظروں میں کھٹکنے لگے۔ وہ ان کے کام کو کچا اور ادھورا کہتے تھے۔ افسران کو بوڑھا کھوسٹ سمجھتے تھے۔ لیکن ان کی باتوں کو بھولتے نہیں تھے۔ ان کے دلوں میں گرہ سی تھی۔

پارٹی کی طرف سے جو پابندیاں تھیں ان کے باوجود مجھے کارخانے کے اخبار میں لکھنے کی کافی آزادی تھی۔ اڈیٹروں میں سے ایک میں اور دوسرے بلاسکوف (Blaskov) دو ایسے آدمی تھے جو پارٹی کے ممبر نہیں تھے۔ ماسکو میں بھی کافی کاپیاں جاتی تھیں۔ اس اخبار میں کوئی ایسی بات تو نہیں چھپ سکتی تھی جو صنعتی توسیع یا پارٹی کی پالیسی کے خلاف ہو پر کارخانے اور ٹریڈ یونین کے عہدے داروں، پارٹی کے ممبروں، پیداوار یا نظم وضبط میں کوئی قصور ہوتا تو اس کے بارے میں اخبار میں لکھنے پر کوئی پابندی نہ تھی۔

اس وقت کارخانوں کا انتظام تین طرح کے لوگ مل کر کرتے تھے۔ ایک مالکوں کے نمایندے تھے۔ دوسرے بڑی پارٹی کے آدمی، تیسرے مزدوروں کی جماعت کے ممبر۔ یہ تین طبقے ایک دوسرے سے خائف رہتے تھے۔ میرے ہاتھ میں قلم تھا اور وہ بھی تیز۔ سب مجھ سے دوستی گانٹھنے کی فکر میں رہتے تھے۔

اب سنئے کہ میں کیا لکھتا تھا۔ بے ایمانی سے سامان کا ضائع ہونا۔ اوزاروں اور مشینوں کے ساتھ لاپروائی۔ پیداوار پر بھاری لاگت اور امریکہ اور سویڈن کی لاگت سے اس کا مقابلہ۔ پیداوار کی خرابی۔ تضیع اوقات۔ مزدوروں سے بدسلوکی میرے عام موضوع تھے۔ میں اپنے مضامین میں لکھتا مزدوروں کے رہنے کے مکان کیسے برے ہیں۔ کارخانے میں کھانے پینے کی اشیا کیسی خراب ہیں اور ان کے دام کتنے زیادہ ہیں۔ جن نئے مکانوں کا وعدہ کیا گیا ہے وہ کب تیار ہوں گے۔ افسروں سے ترجیحی سلوک کیوں کیا جاتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ان مضمونوں نے میرے لئے کافی دوست اور کافی دشمن پیدا کئے۔

اب میں چوبیس برس کا ہونے کو تھا۔ کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہونے کو مجھ سے پہلے ہی کہا جا رہا تھا۔ میری خواہش بھی یہی تھی۔ ابا سے بات کی تو وہ زیادہ خوش نہ ہوئے کیونکہ ان کے خیالات کچھ اور قسم کے تھے۔ لیڈروں نے اب تک جو کچھ کیا ان کی امیدوں سے بہت کم تھا۔ لیکن انہوں نے مجھے روکا نہیں۔ چنانچہ ۱۹۲۹ کے وسط میں میں کمیونسٹ پارٹی کا باقاعدہ ممبر بن گیا۔ یہ میرے لئے بڑی عزت اور بڑے فخر کی بات تھی۔ مگر اس کے ساتھ ہی میرے دل میں یہ بات بھی کھٹکتی تھی کہ پارٹی کے فیصلے کو ماننا میرے لئے ایسا ہی ضروری ہے جیسے فوج میں سپاہی کے لئے ہوتا ہے۔ کچھ عرصے کے بعد کارخانے کے افسروں نے مجھے

دوسرے کارخانوں کے حالات دیکھنے کے لئے بھیجا۔ میں نے حالات دیکھے اور رپورٹ لکھی جسے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے چاہا ایک رقم مجھے انعام میں دیں لیکن میں نہ مانا۔ کہا مجھے روپے کی ضرورت نہیں، رہنے کو مکان چاہیئے۔ دو چار ہی دن گذرے تھے کہ ہمیں مکان مل گیا۔ ہم سب کے سب اس میں اُٹھ آئے۔

۱۹۲۸ میں کوئلے کی کانوں کے کچھ انجینئروں پر ماسکو میں ملکی اور غیر ملکی نامہ نگاروں اور نیوز ریل کیمروں کی موجودگی میں مقدمہ چلایا گیا۔ اس مقدمے میں ملزموں نے خاموشی سے اقرار کر لیا کہ ہم ریاست کے خلاف جرائم کے مرتکب ہوئے ہیں۔ دو سال کے بعد اسی قسم کے اور مقدمے چلے، جن میں ملزموں پر موجودہ اشتراکی حکومت کا تختہ الٹنے اور سرمایہ دارانہ نظام کی حمایت کرنے کے الزامات تھے۔ الزامات اور مقدموں میں بہت سی بے ضابطگیاں تھیں۔ لیکن روس کے تمام نوجوانوں نے جن میں میں بھی شامل تھا انہیں صحیح تسلیم کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ انقلاب سے پہلے کے انجینئر اور دوسرے کارکن مخلص نہیں۔ ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جن کے دل میں زار کی حکومت کی محبت باقی ہے۔ یہ سرمایہ دار ملکوں کے ایجنٹ ہیں۔ جان بوجھ کر پیداوار گھٹاتے ہیں روس کی صنعتی ترقی کے دشمن ہیں۔

ان کی جگہ نئے انجینئروں کی ضرورت تھی جو نئے نظام کے وفادار ہوں۔

۱۹۳۰ میں کمیونسٹ پارٹی کا مرکزی کنٹرول کمیشن ہمارے کارخانے کا معائنہ کرنے کے لئے آیا۔ کمیشن کے سیکرٹری کامریڈ آرکدی روزن گولٹز (Arkady Rosengolts) نے مجھے دفتر میں طلب کیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو انہوں نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوئیں، پھر انہوں نے بتایا کہ کمیونسٹ پارٹی نے مجھے انجینئر بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ میں فوراً رضامند ہو گیا۔ دوسرے دن کمیشن کے صدر سرگو ارزونی کڈ (Sergo Ordzhonikidze) کارخانے میں آئے۔ اس وقت کام ہو رہا تھا۔ کارخانے کے ڈائرکٹر نے میرا تعارف کرایا۔ کامریڈ سرگو نے مجھ سے پوچھا "کام کا کیا حال ہے؟"

"اچھا ہے، لیکن اصلاح کی گنجائش ضرور ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیسے؟"

"میں نے انقلاب سے پہلے کے حالات کا مطالعہ کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ افسرانِ انتظام کی تعداد میں ۵۰ فیصد اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ افسر ایک دوسرے کے کام میں مداخلت کرتے ہیں اور کام نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ انقلاب سے پہلے یہ کارخانہ منافع دیا کرتا تھا۔ اب گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔ اس کے علاوہ ہم خرچ بہت زیادہ کرتے ہیں۔"

ہمارے افسر اس سے بڑے پریشان ہوئے۔ ڈائرکٹر کھانسنے لگا۔ پارٹی اور ٹریڈ یونین کے نمائندے بھی کچھ بے چین معلوم ہوتے تھے۔ مزدوروں نے کام کرنا بند کر دیا اور میری بات سننے لگے۔ دوسرے ایک

آواز آئی "سچ کہا۔ ٹھیک کہا"

میں نے پھر کہا "نظم و ضبط بہت خراب ہے کیونکہ اس کے ذمہ دار بہت سے آدمی ہیں۔ اگر کام کا ذمہ دار ایک آدمی ہو اور کوئی کسی کے کام میں مداخلت نہ کرے تو نتائج بہتر ہوں گے"

کامریڈ سرگو میری بات سن کر بہت خوش ہوئے۔ جاتے ہوئے مڑ کر میری طرف دیکھا اور کہا ۔۔۔

"اگر کبھی تمہیں میری ضرورت پڑے تو خط لکھ دینا"

میری گفتگو کا مزدوروں پر اچھا اثر ہوا، بہتوں نے آ کر میری پیٹھ ٹھونکی۔ لیکن اگلے دن مجھے کمیونسٹ پارٹی کے دفتر میں طلب کیا گیا۔ پارٹی کے سیکرٹری کانسٹائن (Constantine) اور ڈائرکٹر آئون چینکو (Ivanchenko) دفتر میں بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی بولے:

"تمہیں کیا ہو گیا کراوچینکو۔ پاگل ہوتے ہو کیا، تمہیں معلوم ہے سرگو نے ہماری کیسی بے عزتی کی ہے۔ تم سے ملنے سے پہلے وہ ہم پر کیسا مہربان تھا۔ ادھر تم ملے ادھر وہ ہمیں آرام طلب اور نمک حرام سمجھنے لگا"

میں نے کہا "میں نے سچ کہا، کیا لینن نے خود نہیں کہا کہ صنعتی ترقی کے لئے واحد ذمہ داری بہتر ہے"۔

پارٹی کا سیکرٹری بے بس تھا۔ کارخانے کے ڈائرکٹر آئون چینکو میرے ہم خیال تھے مگر بول نہیں سکتے تھے۔ نرم سی مسکراہٹ لحظہ بھر کے لئے ان کے ہونٹوں پر کھیل گئی۔

خارکوف

۱۹۳۱ء میں میں خارکوف پہنچ گیا۔ میری عمر اب ۲۵ برس کی تھی۔ کارخانے سے جو وظیفہ ملتا تھا وہ میرے اخراجات کے لئے کافی تھا۔ صنعتی کالج ایک پرانی وضع کی عمارت میں تھا جس میں پہلے اچھے خاندانوں کے لڑکے پڑھتے تھے، مگر اب اس میں اس قدر شور و غوغا تھا کہ ڈھلائی کا کوئی بہت بڑا کارخانہ معلوم ہوتا تھا۔ مختلف قوموں اور علاقوں کے لڑکے اور لڑکیاں یہاں موجود تھے جو اپنی اپنی زبانیں بولتے اور اپنے اپنے لباس پہنتے بہت بھلے معلوم ہوتے تھے۔ یہاں ان بھٹیوں میں جدید خیال کے انجینئر ڈھالے جاتے تھے۔

طالب علم بڑے ذوق و شوق سے کام کرتے تھے جیسے وہ کوئی قلعہ فتح کر رہے ہیں۔ اس کا ماحول عالمانہ ہرگز نہیں تھا۔ جسمانی مشقت اور مردانہ پن کی فضا چاروں طرف تھی۔

میں پشکن ایونیو کے ایک عقبی کمرے میں رہتا تھا جس کا نام جائنٹ (Giant) تھا۔ ہم چار لڑکے اس کمرے میں رہتے تھے۔ عورتیں الگ رہتی تھیں۔ ہمیں ان سے ملنے کی کھلی چھٹی تھی۔ بلکہ اگر ہم چاہتے تو ان کے کمروں میں بھی پڑھ سکتے تھے۔ ہمارے اخلاق بہت عمدہ تھے۔ ایک دوسرے کی دل سے عزت کرتے اور دھیمے لہجے میں بات کرتے تھے۔

میرے چاروں ساتھی کمیونسٹ پارٹی کے ممبر تھے۔ ان میں الکسی (Alexy) بڑا آدمی تھا۔ وہ کمسومل کی مرکزی کمیٹی کا رکن تھا۔ لیکن پارٹی کا اندھا مقلد نہیں تھا۔ اس پر تنقید بھی کر لیا کرتا۔ یہ بات میں نے اور کسی میں نہیں دیکھی۔ زبان کا میٹھا دیکھنے میں خوبصورت۔ میری اس سے دوستی ہوگئی۔ جارج وگورا (George Vigura) مختلف قسم کا کمیونسٹ تھا۔ اس کے نزدیک پارٹی کی ہدایات پر تنقید کرنا یا ان کے بارے میں کچھ سوچنا جرم تھا۔ پخول کن (Pakholkin) بھی پارٹی کا شدت سے وفادار تھا۔ مگر

اس کے چہرے پر ہر وقت حسرت برستی تھی ہمارے گروپ کا سب سے بڑا مسئلہ وینا اودواشنکو (Vanya Avdashchenko) تھا۔ وہ ہم سب سے بڑا تھا۔ نیک دل، لذت پرست اور سست۔ خانہ جنگی کے زمانے میں اس نے سپاہگری کے جو کرتب دکھائے تھے اب انہی کی یاد اس کی زندگی تھی۔ کام میں اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ہم ہزار سمجھاتے وہ ہزار وعدے کرتا لیکن جب دیکھو چارپائی پر لیٹا گھٹیا قسم کے ناول پڑھ رہا ہے۔ ہاں اس میں ایک کمال ضرور تھا۔ یعنی وہ لوگوں کو بڑی آسانی سے گانٹھ لیا کرتا تھا۔ اور باتوں ہی باتوں میں بڑی بڑی کمیٹیوں کا ممبر منتخب ہو جاتا۔ لیکن ان کے کام سے ایسا بے تعلق رہتا کہ اس سے کوئی غلطی بھی سرزد نہ ہوتی۔ باورچیوں سے بھی اس کے تعلقات تھے چنانچہ جب دیکھو شیر مال اڑا رہا ہے۔ ویسے اس مال غنیمت میں ہمیں بھی حصہ ملا کرتا تھا۔ سال ختم ہونے سے پہلے اسے کالج سے نکال دیا گیا۔ کئی سال بعد وہ جب ماسکو میں مجھے ملا تو ایک بہت بڑے دفتر کا ناظمِ اعلیٰ تھا۔۔۔ لیکن مجھے اس پر کوئی حیرت نہ ہوئی۔

ہماری صنعتی تعلیم کے ساتھ ساتھ سیاسی تعلیم بھی جاری تھی۔ حکومت کو محض انجینئروں کی ضرورت نہیں تھی اسے اشتراکیت پرست انجینئروں کی ضرورت تھی۔ یہاں ایک اخبار بھی تھا جس کا مجھے نائب مدیر مقرر کر دیا گیا۔ اس اخبار میں ادارے کے نظم و نسق اور دوسرے موضوعات پر کالم کے کالم لکھے جاتے۔ کھانے کی شکایت ہوتی۔ کپڑوں کی دھلائی کا ذکر ہوتا اور خدا جانے کیا کیا ہوتا۔

بد انتظامی کی شکایات بہت بڑھ گئیں تو ہم نے ایک جلسہ کیا جس میں میں نے تجویز پیش کی کہ نظم و نسق ہمارے سپرد کیا جائے۔ الکسی نے میرا نام انتخاب کے لئے پیش کر دیا۔ ایک خوبصورت لڑکی نے میری تائید کر دی۔ میں نے اس لڑکی کو پہلے نہیں دیکھا تھا۔ وہ خوبصورت یقینی طور پر تھی۔ اس کے بال بھورے تھے کالی آنکھیں، اکہرا جسم مگر گٹھا ہوا۔ صحت اس کے رخساروں سے پھوٹی پڑتی تھی۔

اس نے کہا "میں کامریڈ کراوچنکو کو آٹھ سال سے جانتی ہوں ۔۔۔"

جلسے کے دوران میں میں یہی سوچتا رہا کہ الٰہی یہ کون ہے جو مجھے آٹھ سال سے جانتی ہے۔

جلسے کے بعد میں اسے ایک طرف لے گیا۔ وہ مسکرا کر کہنے لگی "وکٹر کیا حال ہے تمہارا؟ تم مجھے بھول گئے ہو مگر خیر میں تو تمہیں نہیں بھولی"۔

میں نے معذرت کی۔

وہ کہنے لگی "میں پاشا (Pasha) ہوں"۔

میں اب بھی نہ سمجھا۔

"پاشا جو ڈونٹز کی کان میں کوئلہ ڈھوتی تھی ۔۔۔"

میری مسرت کی کوئی حد نہ رہی اسے سینے سے بھینچ لیا۔ الکسی ادھر سے گذر رہا تھا میں نے اس سے کہا "یہ پاشا ہے۔ کوئلے کی کانوں میں کام کرتی تھی ۔۔۔"

"ــــــ اور ان پڑھ تھی" پاشا بولی

"ہاں - یہ خوبصورت رخسار کوئلے کی کلونس میں دبے ہوئے کبھی دکھائی ہی نہ دیتے تھے - کوئلے کی کان میں ہیرا پڑا تھا۔" میں نے کہا۔

"یہ تو انقلاب کی فتح ہے۔" الکسی بولا

ہم نے نظم ونسق کو بہت بہتر بنالیا - لیکن شہر کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی - زمینداریوں کو بالجبر توڑنے اور اجتماعی کھیتی پر کسانوں کو مجبور کرنے میں بڑی دشواریاں پیش آرہی تھیں - ادھر حکومت اس معاملے میں ہر طرح کی سختی کرنے پر تلی ہوئی تھی - کسان اپنے گھر بار جلا کے مویشی مار کے حکومت کے مقابلے میں سر دھڑ کی بازی لگا رہے تھے -

ادھر اخبارات ڈھنڈورا پیٹتے کہ ترکستان اور سائبیریا ریلوے مکمل ہو گئی - یورال میں کارخانے کھل گئے - فلاں صوبے میں زمینداری سو فیصدی ختم ہو گئی -

امریکہ اور آسٹریلیا سے لوگ روسی حکومت کے نئے تجربات کو دیکھنے آئے - انہوں نے بھی تعریفوں کے پل باندھ دیئے - ہم روسیوں کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی تھی کہ وہ تصویر کا دوسرا رُخ کیوں نہیں دیکھتے - دیہات کے ہزاروں بچوں کا بھوک سے مرجانا حقیقت ہے یا صنعتی ترقی کے اعداد وشمار؟ ایسے سوالات حرف میں اور الکسی آپس میں کیا کرتے تھے -

انہی دنوں ماسکو سے حکم آگیا کہ آئندہ ذریعہ تعلیم و امتحانات روسی زبان کے بجائے یوکرائنی زبان ہوگی - اس حکم سے ہلچل مچ گئی - کیونکہ یوکرائنی زبان بہت پس ماندہ تھی - اس میں سائنسی علوم کی ضروریات پوری کرنے کی صلاحیت ہی نہ تھی - نہ پروفیسر پڑھا سکتے تھے نہ طلبا پڑھ سکتے تھے - ہم میں سے اکثریت ایسے لڑکوں کی تھی جن کی مادری زبان یوکرائنی تھی، لیکن وہ بے بس تھے -

اس قانون کا مقصد تو یہ تھا کہ قوم پرستی کے جذبات کو تسکین ہو لیکن عملی دشواریوں کی وجہ سے ہم قوم پرستی کا مذاق اڑانے لگے -

اسی مسئلے پر کامریڈ سکرپ نک (Skripnik) نے ایک تقریر کی جسے سننے کو سب لوگ گئے - واپس آکر ہم اس کی تقریر پر تنقید کرنے لگے -

دنیا کہنے لگا "ممکن ہے وہ جو کہتا ہے سچ ہو - لیکن میں یوکرائنی میں کچھ نہیں سیکھ سکتا ــــــ"

وگورا جھلا گیا اور کہنے لگا "تمہیں ایسی بات کہنے کا کوئی حق نہیں - پارٹی نے فیصلہ کر دیا ہے، ہمارا کام صرف یہ ہے کہ ہم اس پر عمل کریں"

الکسی بولا "یہ دیمی وفاداری کس کام کی - کریملن میں جو اندازے لگائے جاتے ہیں ہم ان کے بارے میں بہتر سمجھتے ہیں - کیونکہ ہم کو ان تجربات میں سے گزرنا پڑتا ہے"

میں بھی اُس کا ہم خیال تھا۔

وگورا غصّے سے بھرا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

دوسرے دن شام کے وقت کمیونسٹ پارٹی کے دفتر سے میرے اور الکسی کے نام حاضری کا پروانہ آگیا ہم دونوں وہاں پہنچے تو ہم پر یہ الزام لگایا گیا کہ ہم پارٹی کے خلاف غلط فہمیاں پھیلاتے ہیں۔ ہم سمجھ گئے کہ یہ وگورا کی شرارت ہے۔

غیر روسی سوویت جمہوریتوں کو صرف ایک ہی آزادی دی گئی ہے اور وہ یہ کہ وہ چاہیں تو اپنی مادری زبان کو ذریعۂ تعلیم بنالیں۔ لیکن اس زبان میں بھی ایسی کوئی بات نہیں لکھی جاسکتی جو "پارٹی لائن" کے خلاف ہو۔ زبان کی آزادی جو قومی خود اعتمادی کی ابتدا بن سکتی ہے یہاں اس کا خاتمہ کرنے کا ذریعہ بنی ہے۔

یہ خیال کہ روسی جمہوریتیں آزاد ہیں، حتیٰ کہ چاہیں تو الگ ہوسکتی ہیں دوسرے ملکوں میں جڑ پکڑ گیا ہے۔ لیکن روس کے اندر تو کسی کے وہم میں بھی یہ بات نہیں آتی۔

کچھ دنوں کے بعد پارٹی نے یک دم فیصلہ کردیا کہ مجھے ہوائی جہاز بنانے کی بجائے دھات کی ڈھلائی میں مہارت حاصل کرنی چاہیئے۔ یہ فیصلہ میرے لئے بہت انوکھا تھا، اور پارٹی کے جنرل سیکرٹری سے میں نے احتجاج بھی کیا لیکن اس کے جواب میں اس نے کہا کہ تمہاری خواہش درست سہی لیکن تمہاری خواہش آخر انفرادی خواہش ہی تو ہے۔ پارٹی نے جو فیصلہ کیا ہے بہتر کیا ہے۔

چنانچہ میں خارکوف سے الکسی سے، پاشا سے، اچانک جدا ہوکر اپنے شہر نیپرو پیٹرووسک پہنچ گیا جہاں دھاتوں کی ڈھلائی کا سب سے بڑا کارخانہ تھا۔ اور جہاں امی میرا انتظار کررہی تھی۔

واپسی

نیپرو پیٹروسک پہنچ کر میں بڑے زور شور سے کام میں مصروف ہو گیا۔ کارخانے سے آتا تو پڑھنا شروع کر دیتا اپنی آمدنی بڑھانے کے لئے میں نے ایک پرائیویٹ ٹیوشن لے لی۔ جس سے میری مصروفیت اور بھی بڑھ گئی۔ کارخانے میں میرے بہت سے پرانے دوست ابھی موجود تھے۔ اب میں کارخانے کے سرکاری حلقوں کا آدمی تھا اس لئے سرکاری معاملات میں بھی میرا عمل دخل تھا۔ اس وقت کارخانے میں ۳۵ ہزار مزدور کام کرتے تھے پانچ سالہ منصوبے میں اس کارخانے کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔

یہاں میرا گھر بار تھا۔ ماں باپ تھے۔ میرا جی خوب لگ گیا۔ اور میں کسانوں پر مظالم کی درد ناک داستانیں تقریباً بھول گیا۔ ہم لوگ جو پارٹی کے ممبر تھے کبھی کبھی ان کا ذکر کرتے بھی تو اس انداز سے جیسے درد کی کمی یا کسی ایسی ہی غیر اہم چیز کا ذکر کر رہے ہیں جس میں احساسات کو زیادہ دخل نہیں ہوتا۔ مزدوروں کا معاملہ مختلف تھا۔ ان میں سے اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو مزدوری سے پہلے کسان تھے۔ اور ان کے رشتہ دار ابھی کھیتی کا کام کرتے تھے۔ ان کے لئے ممکن نہیں تھا کہ وہ اجتماعی کھیتی کے معاملے کو "سائنٹفک" نقطہ نظر سے دیکھیں۔ وہ کھلے بندوں مظالم کی داستان سناتے۔ بھوک بیماری اور سختی کا ذکر تے اور ان کی تفصیلات بیان کرتے۔

پارٹی نے ان واقعات کو دبانے کے لئے جو طریقے اختیار کر رکھے تھے وہ شبہات میں اضافے کا باعث بنتے تھے۔ مثلاً پارٹی کے جن ممبروں کو دیہات میں کسی کام کے سلسلے میں بھیجا جاتا انہیں اجازت نہیں تھی کہ وہ اپنے مشاہدات کسی سے بیان کریں۔ لیکن بعض ممبروں نے اخفائے راز کے وعدے پر مجھے جو باتیں بتائیں ان سے میرے رونگٹے کھڑے ہو ہو جاتے تھے۔

افواہیں پھیلانے کے الزامات میں گرفتاریاں عام تھیں۔ طلبا کا جتنا وقت سیاسی تعلیم میں صرف ہوتا تھا

تکنیکی تعلیم پر ہرگز نہیں ہوتا تھا۔ کارخانے میں ایک خاص محکمہ تھا جو مرکزی خفیہ پولیس کی ایک برانچ کے فرائض انجام دیتا تھا۔ اس محکمے کے دفتر میں کسی کو داخلے کی اجازت نہ تھی۔

ہر ممبر کے نام کی خفیہ فائلیں اس دفتر نے کھول رکھی تھیں جنہیں کارخانے کا ڈائرکٹر بھی نہیں دیکھ سکتا تھا اس محکمے نے ہر شعبہ میں اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے جو پل پل کی خبریں پہنچاتے اور دوسروں کے لئے مصیبت کا باعث بنتے تھے۔ اس برانچ سے بالا بالا بھی مرکزی خفیہ پولیس نے اپنے ایجنٹ مقرر کر رکھے تھے جو براہِ راست خبریں بھیجتے تھے۔ جاسوسی کے اس پیچیدہ جال کے ذریعہ ہر جگہ سے ہر خبر مارشل سٹالین (*Stalin*) تک پہنچ سکتی تھی۔ ہم ایک ایسی دنیا میں رہتے تھے جس میں چاروں طرف خفیہ آنکھیں اور کان ہماری طرف متوجہ رہتے۔ ہر آدمی ہر لحظہ زیر نگرانی تھا۔

جون ۱۹۳۱ء میں کامریڈ سٹالین نے ماہرین اقتصادیات کی ایک کانفرنس میں تقریر کی جس میں انہوں نے کام میں مستعدی پیدا کرنے کے مشہور "چھ نکات" بیان کئے۔ ان میں اہم ترین یہ تھے۔ لاگت کا تفصیلی حساب نقصان اور ناکامی کی ذمہ داری کا تعین۔ آمدنیوں میں تفریق۔ انہوں نے کہا تھا: "ہمارے کارخانوں کی آمد و خرچ کا کوئی باقاعدہ حساب نہیں۔ کوئی کسی بات کی ذمہ داری نہیں لیتا۔ لیڈر گونگے ہو گئے ہیں۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ سچ بولنے سے ڈرتے ہیں"۔

مجھے کامریڈ سٹالین کی تقریر بہت پسند آئی کیوں کہ یہ قریب قریب میرے ہی خیالات تھے۔ مجھے ابا کے سے آدمیوں کی پیشگوئیاں درست نظر آ رہی تھیں۔

اس کے بعد آمدنی کی مساوات جو اشتراکیت کا بہت بڑا اصول تھا یک دم جرم ہو گئی۔ چھوٹا موٹا کام کرنے کی اجازت مل گئی۔ کارخانوں کا انتظام ایک آدمی کے سپرد کر دیا گیا۔ اور اسے نیک و بد کا ذمہ دار بنایا گیا۔ نئے اصول تو بن گئے لیکن ان پر عمل کرنے کی راہ ہموار نہ تھی۔ خفیہ پولیس نے ہر آدمی کو گھیر رکھا تھا۔ اسی لئے لیڈر سچ بولنا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ مجھے ایک دن گالوبنکو (*Golobenko*) نے کہا

"اب ہمیں کہا گیا ہے کہ لاگت گھٹائیں اور حساب کتاب باقاعدہ رکھیں۔ بات تو اچھی ہے۔ لیکن ہم کوئی ایسی بات کرتے ہیں تو جان خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ بہترین صورت یہی ہے کہ ہم کچھ بھی نہ کریں اور چپکے بیٹھے رہیں"۔

ایک دن صبح ہی صبح پارٹی کے سیکرٹری کا پروانہ آیا۔ میں دفتر پہنچا تو کارخانے کا ڈائرکٹر بھی وہیں تھا اور ہمارا ایک اور ساتھی سپلیاکوف (*Tsiplykov*) بھی۔ جب ہم اندر داخل ہوئے دروازے بند کر لئے گئے۔ پارٹی کا سیکرٹری کہنے لگا: "میں آپ لوگوں کو نکوپول (*Nikopol*) بھیجنا چاہتا ہوں۔ وہاں ڈھلائی کا ایک بہت بڑا کارخانہ مدتوں سے چل رہا ہے۔ لاکھوں روبل خرچ ہو چکے ہیں لیکن صرف بنیادیں ہی بنی ہیں۔ آپ لوگ وہاں جائیں اور تحقیقات کر کے رپورٹ لکھیں۔ آخر وہاں ہو کیا رہا ہے"؟

نکوپول پہنچ کر ہمیں معلوم ہوا کہ عمارت شہر سے چھ میل ۔ اور ریلوے اسٹیشن سے کئی میل دور ایک نشیبی مقام پر شروع کی گئی ہے اور تین برس سے بن رہی ہے ۔ کارخانے کی جگہ کا انتخاب شہر سے اتنی دور کیوں کیا گیا کسی کو معلوم نہیں ۔ اس کام کے افسر اعلےٰ پیٹر بریکو (Peter Bracko) نئے آئے تھے ۔ انہوں نے ہم سے کوئی بات نہ چھپائی اور سب کچھ صاف صاف بتا دیا ۔ انہوں نے کہا کہ یہاں افراتفری اور شور کے سوا کچھ نہیں ۔ کام کا کوئی باقاعدہ منصوبہ نہیں ۔ ڈھلائی کے کارخانے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اُن میں سے یہاں ایک بھی نہیں ۔ پھر ہم ایک کام شروع کرتے ہیں تو اوپر سے حکم آ جاتا ہے کہ اسے چھوڑ دو اور فلاں کام کرو ۔ منصوبہ بدل گیا ہے ۔ مزدور بددل ہو چکے ہیں ۔ وہ سوچتے ہیں کہ حکومت سنجیدگی سے کام کرنا نہیں چاہتی تو ہم سنجیدگی سے کام کیوں کریں ۔

ہم نے مزدوروں اور انجینئروں سے بھی باتیں کیں اور ہمیں معلوم ہو گیا کہ روپیہ اور وقت ضائع ہونے کی دو وجوہ ہیں ۔ ایک تو یہ کہ اوپر سے مداخلت بہت ہوتی ہے ۔ دوسری یہ کہ مشینوں پر تو کروڑوں روبل خرچ کر دیئے جاتے ہیں — لیکن مزدوروں کی آسائش کا کوئی انتظام نہیں ۔ ان کے رہنے کے گھر فقط کاغذوں میں ہیں ۔ فی الحال لکڑی کے تختوں سے زمین کے وسیع قطعے گھیر کر طویلے سے بنا لئے گئے ہیں جن میں وہ جانوروں کی طرح پڑے رہتے ہیں ۔ آگ جلتی ہے تو دھواں ستاتا ہے ۔ ہوا چلتی ہے تو سردی لگتی ہے ۔ بارش ہوتی ہے تو چھت ٹپکتی ہے اور وہ بیمار ہوتے ہیں تو علاج کوئی نہیں کرتا ۔ حکومت کی ساری توجہ کام پر مرکوز رہتی ہے ۔ کام کرنے والوں کا کسی کو خیال نہیں آتا ۔

دوسرے دن عمارت کے افسر کو ساتھ لے کر میں مزدوروں کے رہنے کی بارکیں دیکھنے کے لئے نکلا ۔ مقامی پارٹی کا سیکرٹری بھی میرے ہمراہ تھا ۔ گھٹنوں گھٹنوں کیچڑ سے نکل کر ہم نیچی چھت کی ایک طویل بارک کے پاس پہنچے ۔ جس کے اندر سٹی کے تیل کے دیئے جل رہے تھے ۔ نکوپول میں بجلی تھی لیکن مزدوروں کی بارکیں اس سے محروم رکھی گئی تھیں ۔ ایک کمرہ بالکل تاریک تھا ۔ میں نے دستک دی تو ایک ڈاڑھی والے بزرگ آدمی نے دروازہ کھولا ۔

"ہم اندر آ سکتے ہیں کامریڈ ؟"

"ہم کون ؟"

"میں — میں یہاں کی پارٹی کا سیکرٹری ہوں ۔ اور یہ مرکز سے آئے ہیں ۔" سیکرٹری نے کہا ۔

"بہت خوب" مزدور نے طنزاً کہا ۔ "ہمارے محل میں تشریف لایئے جو بے دیکھے گویا آپ کھٹملوں کو پسند کرتے ہیں ۔ بدبو تو خیر ہے ہی ۔"

بارک میں چھوٹے چھوٹے دیئے جل رہے تھے لیکن اُن کی روشنی ایک محدود سے دائرے سے باہر نہیں تھی ۔ چھوٹی چھوٹی کئی چارپائیاں پڑی تھیں جن پر کچھ مزدور بیٹھے پڑھ رہے تھے ۔ ایک تختے پر ایک

منڈلی تماشہ کھیل رہی تھی۔ کچھ لوگ اٹھ کر ہمارے گرد جمع ہو گئے۔ ایک چوہا میرے پیر پر سے گذر گیا۔ لیکن مزدوروں کی اکثریت ہم سے بالکل بے نیاز رہی۔

" آپ اسے بستر کہتے ہیں؟ یہ تکیے ہیں یہ دھجیاں" ؟ ایک مزدور نے کہا۔

" تمہاری چادریں کب بدلی جاتی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

" مہینے میں ایک بار اگر قسمت اچھی ہوئی تو ـــــــ ورنہ دو مہینوں میں ایک بار تین مہینوں میں ایک بار"

چوہے اور کھٹمل تو بے انتہا ہیں۔ آیئے میں آپ کو دکھاؤں۔ اس نے اپنی چارپائی کو زمین سے اٹھا کر جھٹکا دیا۔ زمین کھٹملوں سے سُرخ ہو گئی۔

" تم خاموش کیوں ہو؟ شکایت کیوں نہیں کرتے" میں نے کہا۔

" شکایت ؟" اس نے جھلا کر کہا " جیسے بھلا ہی تو ہوتا ہے اس سے۔ تمہاری طرح ہمارے پاس کمیشن آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ ہم کام کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اس کی اہمیت کو سمجھتے ہیں ـــــ لیکن ہم پتھر کے بنے ہوئے بت تو نہیں جیتے جاگتے انسان ہیں ـــــ ساتھ کی بارک والوں نے ایک دفعہ یہ معاملہ ہاتھ میں لیا تھا۔ انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ جب تک ہمارے کوارٹر صاف نہیں کئے جاتے ہم کام پر نہیں جائیں گے ـــــ پھر جانتے ہو کیا ہوا؟"

" کیا ہوا؟"

کسی نے جواب نہ دیا۔

میں نے پھر پوچھا " کیا ہوا۔ آخر بتاؤ نا ڈرتے کیوں ہو؟"

" لیڈروں کو خفیہ پولیس والوں نے بلوالیا ـــــ اور وہ ابھی تک واپس نہیں آئے"

" شاید وہ سائبیریا میں چھٹی منا رہے ہیں" ڈاڑھی والا مزدور ایک تلخ قہقہے کے ساتھ بولا۔

میں نے یہ حالات اپنے ساتھیوں کو بتائے۔ اُن کے مشاہدات بھی یہی تھے۔ رات بھر مجھے نیند نہ آسکی۔ واپس پہنچ کر میں نے اپنی مفصل رپورٹ پیش کر دی جس میں کھٹملوں اور چوہوں کا ذکر بھی کیا۔ میری رپورٹ ماسکو بھیج دی گئی۔

اس تجربے کے بعد میرا ماسکو جانے کا ارادہ جو پہلے ہی سے میرے دل میں تھا مضبوط ہو گیا۔ میں چاہتا تھا کہ کامریڈ ارزونی کڈزے سے ملوں اور اس سے دل کھول کر باتیں کروں۔ اُسے مرکز کی کمزوریاں اور غلطیاں بتاؤں۔ اُسے اُن واقعات سے آگاہ کروں جو میرے مشاہدے میں آئے تھے اور جو ہر ایک کی زندگی میں آ رہے تھے لیکن منہ سے کوئی ان کے بارے میں کچھ کہتا نہیں تھا۔

کارخانے سے میں نے چھٹی لی اور ماسکو روانہ ہوا۔ ریلوے اسٹیشن سے میں سیدھا بھاری صنعتوں

کے دفتر کی طرف گیا۔ ماسکو آنے کا یہ میرا تیسرا موقعہ تھا۔

میں نے اپنا کارڈ اندر بھیجا۔ تھوڑی دیر میں کامریڈ ارزونی نے مجھے بلا بھیجا۔ میں مسرت اور اضطراب کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ کامریڈ ارزونی کے بال پہلے سے زیادہ سفید ہو چکے تھے لیکن اس کے چہرے پر وہی معصوم مسکراہٹ کھیل رہی تھی جو میں نے ڈونٹز کی کانوں میں اُسے رُخصت کرتے وقت دیکھی تھی۔ کامریڈ بخارین (Bukharin) بھی وہیں بیٹھے تھے۔

"کہو بھئی کیسے ہو۔ تمہاری پڑھائی کا کیا حال ہے؟" کامریڈ ارزونی نے مشفقانہ انداز میں کہا۔

"شکریہ۔ میں آپ سے کارخانے کے بارے میں کچھ کہنے آیا ہوں۔ میرے خیال میں اگر ہم اس پر چند لاکھ روبل خرچ کریں تو اس سے اتنا فائدہ اٹھا سکتے ہیں جتنا کئی کارخانے قائم کرنے سے نہ ہوگا۔"

"تمہاری سکیم کیا ہے؟"

میں اس مسئلے پر پہلے ہی غور کر چکا تھا اس لئے بات کرنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ میں نے کہا۔ اِس کارخانے میں توسیع کی ضرورت ہے۔ آپ نئے کارخانے کھولنے کی فکر میں ہیں اور پُرانے کارخانوں کو نظرانداز کر رہے ہیں۔ پھر میں نے اعداد و شمار پیش کئے جو میں نے یہاں آنے سے پہلے مرتب کر رکھے تھے — کامریڈ ارزونی ذاتی طور پر اندھا دھند کارخانے کھولنے کے مخالف تھے۔ میری بات سے انہوں نے اتفاق کیا انہوں نے ایک کاغذ پر یادداشت کے طور پر کچھ لکھا۔ اور پھر کہنے لگے۔

"اس معاملے پر ذرا اطمینان سے غور کیا جائے گا۔ مجموعی طور پر میں تم سے متفق ہوں۔ لیکن غور کے بغیر فی الحال کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ کامریڈ کراونچنکو۔ میں نے تمہاری نکوپول کی رپورٹ پڑھی تھی۔ اس کے بارے میں کچھ اور بتاؤ۔"

میں نے نکوپول کے حالات بتائے۔ جب میں نے مزدوروں کی حالت بتائی تو میری آواز جوش اور غصے سے بھر گئی۔ میں نے انہیں بتایا کہ اگر ہم مزدوروں کی حالت سدھارنے پر چند لاکھ روبل خرچ کر سکیں تو اس سے کام میں کئی لاکھ روبل کی بچت ہو جائے گی۔ مزدوروں سے بے نیازی اس منصوبے کو تباہ کر رہی ہے سب سے بڑا مسئلہ مزدوری کا ہے۔ اس کے بعد ضروریاتِ زندگی کی بہم رسانی کا۔ اگر ہم ان کے لئے کھانے پینے کی عمدہ اشیا مہیا کر سکیں تو اس سے اُن کے کام کرنے کی قوت بڑھ جائے گی۔ جب میں آپ سے پہلے ملا تھا تو آپ سے مداخلتِ بے جا کی شکایت کی تھی۔ اس وقت صورت یہ ہے کہ مزدوروں سے زبان چھین لی گئی ہے۔ بات کرتے ہیں تو خفیہ پولیس والے انہیں پریشان کرتے ہیں۔ اُن سے جانوروں کا سا سلوک کیا جاتا ہے — مجھے افسوس ہے کہ میں اس لہجے میں بات کرنے پر مجبور ہوں۔"

"نہیں نہیں کامریڈ کراونچنکو۔ تم جو کچھ کہتے ہو دل سے کہتے۔ ہمیں یہ حالات پہلے ہی سے معلوم ہیں لیکن تمہاری زبانی سننے میں لطف آ رہا ہے۔ کامریڈ سٹالین اجرت کے معاملے میں بڑی دلچسپی لیتے

ہیں اور مزدوروں کے حالات ہیں بھی" کامریڈ ارزونی نے کہا۔

یہ ملاقات تقریباً ایک گھنٹہ رہی۔ میں نے تمام واقعات نہایت تفصیل سے سنائے کامریڈ ارزونی اور کامریڈ بخارین بڑے اشتیاق سے سنتے رہے۔ آخر میں کامریڈ ارزونی نے کہا۔

"کبھی کسی اور ملک میں بھی گئے ہو؟"

"جی نہیں۔ لیکن میں نے سویڈن امریکہ اور جرمنی کے صنعتی رسالے پڑھے ہیں۔ ہم ان سے بہت پیچھے ہیں"

"تم اپنی تعلیم ختم کر لو۔ ممکن ہے ہم تمہیں امریکہ بھیجیں۔ تم نے ماسکو کے تھیٹر دیکھے ہیں؟"

میں نے دیکھے تو نہیں تھے۔ دیکھنے کا ارادہ تھا" کامریڈ ارزونی نے مجھے ایک ہزار روبل خرچ کے لئے دیئے اور کہا کہ ماسکو کی خوب سیر کرو۔ تمہیں پانچ دن کی چھٹی ہے۔ پھر انہوں نے اپنے سیکرٹری کو بلایا اور میرے متعلق ہدایات دے کر رخصت کر دیا۔

میں نے ان پانچ دنوں میں ماسکو کی سیر کی اور اپنے پرانے دوستوں سے بھی ملا۔

ماسکو سے لوٹنے کے چند مہینوں کے بعد ننھی کٹیا (*Katyia*) ہمارے خاندان میں شامل ہو گئی۔ میری چچازاد بہن نتاشا (*Natasha*) پارٹی کی ممبر تھی اور بڑے ذوق شوق سے کام کرنے والی لڑکی تھی۔ وہ باہر سے آ رہی تھی کہ ایک لڑکی نے جس کی عمر کوئی دس برس تھی اس سے بھیک مانگی۔ رات کا وقت تھا۔ بلا کی سردی پڑ رہی تھی۔ یہ کوئی انوکھا واقعہ نہیں تھا لیکن بھکاری لڑکی کی آنکھوں میں ایسی التجا تھی کہ نتاشا اسے ساتھ لے آئی۔ امی نے اسے مستقل طور پر گھر میں رکھنا منظور کر لیا۔

رات کو جو ہم کھانے کے کمرے میں آئے تو کٹیا فرش پر بیٹھی تھی اور خاموش اور سہمی ہوئی نگاہوں سے ادھر اُدھر گھور رہی تھی۔ میں نے اُسے پیار سے پاس بلایا۔ وہ سمٹ کر میری طرف بڑھی۔ میں نے اُسے کرسی پر بٹھا دیا۔ کھانے کے شروع میں وہ جھجکتی رہی لیکن پھر بھوک نے اُس پر غلبہ کیا اور وہ بیتابی کے ساتھ کھانے لگی۔

کھانے کے بعد وہ امی کے ساتھ باورچی خانے میں چلی گئی۔

ہم ابھی وہیں بیٹھے تھے کہ وہ سسکیاں لینے لگی۔ امی کمرے سے چلی آئی کہ رو لے تو اس کا دل ہلکا ہو جائے لیکن اس کے رونے کی آواز بلند ہوتی گئی۔ اس کی ہچکیاں ہمارے لئے ناقابل برداشت ہو گئیں۔ میں اسے اٹھا کر کھانے کے کمرے میں لے آیا۔ لیکن وہ زار زار روئے جا رہی تھی اور ہچکیاں لے لے کر کہتی تھی ــ میری پیاری اماں کہاں گئی۔ میرے پیارے ابا کہاں ہو۔ میرا بھیا ولیا (*Valya*) کہاں ہے۔

ہم نے اُسے بہت پیار کیا مگر اُس کے آنسو تھمتے ہی نہ تھے۔ ہچکیاں لے لے کر کٹیا نے اپنی

داستان سُنانی شروع کر دی -

اُس نے کہا۔ میرا باپ کسان تھا۔ ہمارے پاس ایک گھوڑا تھا ایک گائے اور پانچ بکریاں - وہ ہم سے زمین چھینتے تھے۔ ابا مانتے نہیں تھے۔ ہر رات کو سپاہی آتا اور ابا کو پکڑ کر تھانے لے جاتا انہیں مارتا اور جگائے رکھتا اور اُن سے کہتا کہ اپنی زمین اور اناج دے دو۔ لیکن ہمارے پاس ایک دانہ بھی نہیں تھا جب ہم بھوکوں مرنے لگے تو ابا نے ایک بکری ذبح کی۔ پھر اُنہیں پکڑ کر لے گئے کہ بکری کو ذبح کیوں کرتے ہو۔ یہ تو جرم ہے -

ایک دن خفیہ پولیس کے افسر آئے اور ہمارے گھر کا سب سامان لے لیا۔ ہم سب نے ہاتھ جوڑے اُن کی منتیں کیں لیکن وہ نہ مانے۔ اور ہمیں گھر سے نکال کر ایک پرانے گرجے میں لے گئے۔ وہاں اور بہت سے خاندان تھے۔ پھر ہمیں جانوروں کی گاڑی میں لاد دیا۔ بھیڑ اس قدر تھی کہ دم لینا دشوار ہو رہا تھا۔ ہم میں سے کسی کو معلوم نہ تھا کہ ہم کدھر جا رہے ہیں۔ بعض کا خیال تھا کہ ہم سائبیریا جا رہے ہیں۔ بعض کہتے تھے ہم صحراؤں میں جا رہے ہیں۔ ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ میرا چھوٹا بھائی سخت بیمار تھا۔ راستے میں ایک جگہ گاڑی ٹھیری تو امی نے مجھے اور میری بڑی بہن کو بھیجا کہ چھوٹے بھیّا کے لئے دودھ لے آئیں۔ اسٹیشن کے ساتھ ہی کچھ کسان رہتے تھے۔ ہم نے انہیں اپنی کہانی سنائی۔ انہوں نے ہمیں کھانے کو روٹی دی ایک بوتل میں دودھ ڈال دیا اور پیسے بھی ہمیں دئے۔ ہم واپس پہنچے تو گاڑی جا چکی تھی -

میں اور میری بہن رہ گئیں اور ہم دونوں بھیک مانگنے لگیں۔ پھر میری بہن بھی مجھ سے بچھڑ گئی اب میں اکیلی ہوں۔ خدا جانے بہن کہاں ہے۔ ایک سال ہمیں بچھڑے ہوتے ہو گیا ہے — میرے ابا کہاں ہیں۔ ہائے میری امی کہاں ہے۔ میرا بھیّا ولیا —"

روتے روتے اس کی گھگھی بندھ گئی -

ہم سب سسکیاں بھر رہے تھے -

خون بہہ رہا تھا!

گلیا کے آنے سے میرے عقیدوں کی بنیادیں ہل گئیں۔ ایسے واقعات میں مدت سے سنتا چلا آرہا تھا۔ لیکن ان سے آنکھیں بند کر لیتا اور انہیں بھولنے کی کوشش کرتا تھا۔ میں دیہات میں جانے سے گریز کرتا تھا۔ گیلیا نے روس کے تمام کسانوں کے دردناک حالات کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے کھینچ دیا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب اپنی آنکھوں سے اجتماعی کھیتی کا مشاہدہ کروں گا۔ اور یہ موقعہ مجھے امید سے بہت پہلے مل گیا۔ پارٹی کی طرف سے مجھے حکم ملا کہ دیہات میں کام کرنے کے لئے رضاکاروں کی پارٹیوں کی تنظیم کروں۔

یہ کل اسی آدمی تھے۔ سب کے سب خاموش اور سہمے ہوئے تھے۔ ہمیں دیہات میں جاکر اناج اکٹھا کرنا تھا۔ لیکن ہم سب اس قدر پریشان تھے جیسے ہمیں اندھیرے میں ان دیکھے دشمن سے جنگ کرنی ہے۔

مرکزی کمیٹی کے ممبر کامریڈ ہتیا وچ (Hatayevich) نے تقریر کی اور کہا کہ ہمارا علاقہ سب سے پس ماندہ ہے۔ ہمیں موسم بہار تک اناج اکٹھا کر لینا چاہیئے تھا۔ اب موسم ختم ہو رہا ہے اور ہم نے کام شروع ہی نہیں کیا۔ دیہات کے افسروں میں "صحیح بالشویک عزم" کی کمی ہے۔ اور یہ کمی ہمیں پوری کرنی ہے۔ آپ کو کام کرتے وقت انتہائی ذمہ داری کا ثبوت دینا چاہیئے۔ اس سلسلے میں کبھی نرمی اور کسی فضول رعایت کا خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ اپنی بورژوائی رحمدلی کو چھوڑو اور کامریڈ سٹالین کے شایان شان بالشویک بن کے دکھاؤ۔ یہ کھلی جنگ ہے۔ یا تو جاگیرداروں کے ایجنٹ اس دنیا میں باقی رہیں گے یا ہم رہیں گے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے ان آخری علمبرداروں کو ہر قیمت پر تباہ کر دو۔

اس کے علاوہ ساتھیو ہمیں حکومت کے فیصلے کے مطابق اناج اکٹھا کرنا ہے۔ بعض زمیندار اور معمولی کسان اناج دینے سے انکار کر رہے ہیں۔ یہ لوگ پارٹی کی پالیسی کو ناکام بنا رہے ہیں۔ مقامی افسران سے رعایت کرتے ہیں۔ تمہارا فرض ہے کہ ہر صورت اناج برآمد کرو۔ تمہارے ذریعے دیہات کو بالشویک عزم کا

سبق سیکھنا ہے اور اِس مقصد کے لئے انتہائی سختی سے بھی دریغ نہ کرو۔ پارٹی تمہاری پشت پر ہے۔ کامریڈ سٹالین یہی چاہتے ہیں۔ نرمی کرنے سے بہتر ہے کہ زیادتی کرو۔ کسی کو کوئی بات پوچھنی ہے؟"

کسی کو کوئی سوال کرنا نہیں تھا۔ سب نے ڈر کے مارے تالیاں بجائیں۔

اِس کے بعد کامریڈ ہنتیاوچ نے کہا۔ آپ لوگ یہیں انتظار کریں۔ کامریڈ براڈسکی (Brodsky) آپ سے بات کریں گے۔

میں نے دِل میں سوچا —— ہمیں انہی ہدایات کی ضرورت تھی! کیا یہ ممکن ہے کہ کچھ طلبا اور افسر محض "بالشویک عزم" کے ذریعے روس کے دیہات کا مسئلہ حل کر لیں۔ کیا کروڑوں کسانوں کی قسمتیں ایسے ناتجربہ کار نوجوانوں کو سونپی جا سکتی ہیں جنہیں کھیتی کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں؟

میرے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک طالب علم نے آہستہ سے کہا" کامریڈ کراوچنکو میرے خیال میں ہمیں "عملی ہدایات" دی جائیں گی۔ میں کبھی گاؤں میں نہیں رہا کامریڈ نہ مجھے کوئی اندازہ ہے کہ پارٹی کی پالیسی کو کس طرح جامۂ عمل پہنایا جا سکتا ہے —— یہ تو واضح ہے کہ اگر ہم ناکام ہوئے تو ہمیں پارٹی سے نکال دیا جائے گا۔ ممکن ہے کہ ہم جان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھیں"

"لیکن تمہیں سوال کرنے کا وقت ملا تھا"

"ملا تو تھا۔ لیکن دوسرے تالیاں پیٹنے لگے تو مجھ میں سوال کرنے کی ہمت ہی نہ ہوئی"

تھوڑی دیر میں مجھے طلب کیا گیا۔ کامریڈ براڈسکی کرسی پر بیٹھے تھے۔ کہنے لگے" کامریڈ کراوچنکو تمہیں دیہات کا کچھ تجربہ ہے؟"

"خانہ جنگی کا زمانہ میں نے ایک دیہاتی کمیون میں گذارا تھا" میں نے کہا۔

"خوب۔ یہاں بہت کم لوگ ایسے ہیں جو گندم اور گنے میں تمیز کر سکتے ہیں"

اس کے بعد انہوں نے گھنٹی بجائی اور دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ ایک تو وہی طالب علم تھا — سویٹ کوف (Tsvetkov) جس نے مجھ سے باتیں کی تھیں۔ دوسرا ایک چالیس سالہ آدمی تھا جسے میں جانتا نہیں تھا۔

"تم تینوں اکٹھے کام کرو گے" کامریڈ براڈسکی نے کہا۔ تمہیں پاڈگارڈنائی (Podgorodnoye) کے گاؤں میں جانا ہو گا۔ اناج اکٹھا کرنے کے بعد تمہیں کسانوں کے اوزار اور مشینیں بھی درست کرنی ہوں گی —— سمجھ گئے؟

اب تم سامنے کے کمرے میں جاؤ اور اپنے کاغذات لے لو"

باہر نکلے تو ہمارے تیسرے ساتھی آرشنوف (Arshinov) نے ہمیں مشورہ دیا کہ اپنے گرم کپڑے اور ریوالور ساتھ لے لو۔ وہ عجیب قسم کا آدمی تھا۔ اس کا چہرہ پتھر کی ایک سلیٹ کی مانند

تھا۔ آنکھیں جاندار سرد۔ ماتھا نہایت چھوٹا۔ بھویں گاڑھی اور جھکی ہوئیں۔ بے رحمی اور بے حسی اُسکے چہرے کی ہر لکیر سے واضح ہو رہی تھی۔

ہم نے ریلوے اسٹیشن پر ملنے کا وقت مقرر کیا اور جدا ہو گئے۔ سوبٹ کوف میرے ساتھ تھا۔ جیسے ہی ہم آرشنوف سے جدا ہوئے وہ بولا

"کامریڈ وکٹر۔ سچی بات یہ ہے کہ مجھے یہ آدمی ایک آنکھ نہیں بھایا۔ اس کے ساتھ کام کرتے ہیں ہمیں بڑی دقت ہوگی۔"

"تمہیں فضول باتیں کیوں سوجھتی ہیں؟ پارٹی کو اس پر پورا اعتماد ہے۔ کیا جانیئے وہ نہایت اچھا ساتھی ثابت ہو؟" میں نے کہا۔

لیکن خود میرے اپنے خیالات سوبت کوف سے مختلف نہیں تھے۔ میں نے اُسے تو خاموش کرا دیا لیکن اُن لفظوں پر یقین کرنے کی کوشش خود بھی کر رہا تھا جو میں نے اُسے کہے تھے۔

سوبت کوف کہنے لگا "آخر ان ریوالوروں کی کیا ضرورت ہے؟ ہم کسانوں پر گولیاں چلائیں گے؟ کامریڈ سٹالین نے یا۔ ہا کہا ہے کہ اجتماعی کھیتی رضا کارانہ انجمن ہے۔ اس میں جبر کو دخل نہیں۔ پھر یہ ریوالور کس لئے بھرے جا رہے ہیں؟"

میں لاجواب تھا۔

رات کو میں بستر پر لیٹا تھا کہ امی اندر آئیں اور چارپائی کی پٹی پر بیٹھ کر کہنے لگیں "صبح ممکن ہے تم سے بات نہ کر سکوں وکٹر۔ میں جانتی ہوں کہ کسانوں کے دکھ کو تم بہت محسوس کر رہے ہو۔ لیکن تمہیں خاموش رہنا چاہیئے۔ اور پھر ایک علاقے کی حالت سے سارے روس کی حالت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ وکٹر پیارے بیٹے گھبرانا نہیں۔ اور کوشش کرنا کہ کسانوں کا دکھ کم ہو سکے۔"

اگلے دن سہ پہر کے قریب ہم پاڈگارڈنائی پہنچ گئے۔ ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی لیکن سردی کافی تھی۔ ریل سے ہمارے ساتھ کئی کسان بھی اترے لیکن کسی نے ہماری طرف توجہ نہ کی۔ آرشنوف کا ریوالور اس کی کمر کے ساتھ لٹک رہا تھا۔ اس کی طرف بہت سی نظریں اٹھ رہی تھیں۔ میں نے آرشنوف سے کہا۔

"کامریڈ اگر تم اپنا ریوالور کوٹ کے نیچے چھپا لو تو بہت اچھا ہو۔ ان بیچاروں کو فضول ڈرانے سے کیا حاصل؟"

"تمہیں کیا" آرشنوف نے خشکی سے جواب دیا۔

"کامریڈ کراوچنکو کی بات ٹھیک ہے" سوبت کوف بولا "لوگوں کو بے کار ڈرانے سے کیا فائدہ۔ میرے پاس بھی تو پستول ہے لیکن میں نے تو اسے چھپا کر رکھا ہے۔"

"اس کے علاوہ چونکہ ہم اکٹھے ہیں اس لیئے اس کا تعلق ہم سب سے ہے۔ پارٹی سے ہے۔ اگر

تم ریوالور نہیں چھپاتے تو میں تمہارے ساتھ گاؤں کے اندر نہیں جاتا" میں نے کہا۔

کامریڈ آرشنوف نے بادلِ ناخواستہ ریوالور کو کوٹ کے اندر چھپالیا۔ باقی راستہ ہم میں سے کسی نے بات نہیں کی۔ خاموشی سے چلتے رہے۔ ہمیں گاؤں کی سوویٹ میں ٹھہرنا تھا۔ یہ لکڑی کا بہت بڑا مکان تھا جس میں مٹی کے تیل کا معمولی دیا ٹمٹما رہا تھا۔ اندر کوئی بیس کسان ہمارے انتظار میں بیٹھے تھے سب کے چہرے اترے ہوئے اور آنکھیں مرجھائی ہوئی تھیں۔ جاتے ہی آرشنوف رعب جتانے کے لئے گرجا

"سوویٹ کا چیرمین کہاں ہے؟"

"دفتر میں" ایک کسان نے کہا۔

"اور تم یہاں کیا کر رہے ہیں۔ مکھیاں مارنے کے سوا تمہیں کوئی کام نہیں؟"

"کام ہے" ایک کسان نے حقارت سے کہا۔ ہمیں یہاں بلایا گیا ہے۔ مجھ سے اناج مانگا جا رہا ہے اور حالت یہ ہے کہ میں خود بھیک مانگ رہا ہوں"

"آرشنوف بولا" جانتا ہوں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ تم لوگ اناج کیسے دیتے ہو"

ہم چیرمین کے دفتر میں پہنچے۔ وہ ایک دبلا پتلا نوجوان آدمی تھا۔ ایک بوڑھے کسان سے باتیں کر رہا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی آرشنوف نے کہا۔

"ہم پارٹی کے رضاکار ہیں۔ یہاں کام کے لئے آئے ہیں"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر" چیرمین نے کہا۔ لیکن اس کی مصنوعی مسکراہٹ سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔

"یہ کسان یہاں کیوں جمع ہیں؟" آرشنوف نے نہایت درشتی سے پوچھا۔

"انہیں میں نے بلایا ہے۔ چیرمین نے کہا" اب کے فصلیں بہت خراب ہوئی ہیں۔ سردیاں آ رہی ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اناج کھانے کو نہیں دیں کہاں سے۔ اِن سے اناج حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ اور اجتماعی کھیتی کے رواج کو یہ لوگ پسند نہیں کرتے۔ انہیں مار ڈالو لیکن یہ اجتماعی کھیتی کا طریقہ اختیار نہیں کریں گے"

"ہوں" آرشنوف نے بڑے رعب سے کہا" دیکھا جائے گا۔ اب تم نے انہیں بلایا ہے تو نمٹ لو۔ ہم کل سے کام شروع کریں گے"

ہمیں گاؤں کے سب سے عمدہ مکان میں ٹھہرایا گیا۔ اس میں ایک چھوٹا سا باغیچہ بھی تھا۔ اس گھر کا مالک سٹوپنکو (Stupenko) ایک بوڑھا کسان تھا جس نے حال ہی میں اجتماعی کھیتی میں شمولیت کی تھی۔ وہ ہمیں دروازے پر ملا۔ پروقار اور وضعدار آدمی تھا۔ جب ہم نہا دھو لئے تو کھانے کی میز

پر آ بیٹھے۔ گھر کے سب لوگ ہمارے منتظر تھے۔ ایک لڑکی تھی کوئی اٹھارہ برس کی جس کی آنکھیں موٹی اور ہونٹ رسیلے تھے۔ اس کی ماں ایک صاف ستھری عورت تھی۔ اس کی عمر ڈھل چکی تھی لیکن چہرے اور ہاتھوں پر جفاکشی کی علامتیں ابھی تازہ تھیں۔ ایک کونے میں ایک آٹھ سالہ لڑکا خاموشی سے بیٹھا تھا۔

سٹوپنکو کی بیوی نے خالی شوربہ اور بھنے ہوئے آلو ہمارے سامنے رکھے۔ روٹی کے پتلے پتلے ٹکڑے صفائی سے کٹے ہوئے تھے۔

کھانا دیکھتے ہی مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ مصیبت میں ہیں۔ میں اپنے کمرے میں گیا اور کھانے پینے کی اشیا نکال لایا جو ہم اپنے ساتھ لاتے تھے۔ تمام خاندان ہمیں بنڈل کھولتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ سٹوپنکو کی بیوی شرما رہی تھی۔ وہ خود معذرت کر رہا تھا۔ اور لڑکی بار بار شکریہ ادا کر رہی تھی۔ لڑکا خاموش تھا۔

ہمارے ساتھ خشک مچھلی اور مرغ کا گوشت تھا۔ وہ ہم نے میز پر بچھا دیا۔

کھانے کے دوران میں ایک چیز میرے ذہن میں کھٹکتی رہی کہ بچہ کیوں خاموش ہے۔ جیسے ہی دسترخوان تہہ کیا گیا میں نے سٹوپنکو سے پوچھا "آپ کا بیٹا اس قدر خاموش کیوں ہے؟"

سٹوپنکو بالکل خاموش ہو گیا۔ لڑکے نے میری طرف دیکھا اٹھا اور باہر چلا گیا۔ میں بہت پریشان ہوا اور اپنا سوال دہرایا۔

سٹوپنکو نے مجھے بتایا کہ وہ میرا بچہ نہیں۔ وہ اجتماعی کھیتی کا بچہ ہے۔ اس کا نام وسیا (Vasyia) ہے۔ یہاں سے دسواں گھر ان کا تھا۔ اس کا باپ وروان (Vorran) اور اس کی ماں اور یہ خود تینوں اس گھر میں خوش و خرم رہتے تھے۔ ان کے پاس دو گھوڑے تھے ایک گائے ایک سور اور کچھ مرغیاں تھیں جیسے اور سب لوگوں کے پاس بھی تھیں —— وروان کو "انہوں" نے لاکھ سمجھایا کہ تم مل جل کے کھیتی کرو لیکن وہ نہ مانا۔ "انہوں" نے اس سے تمام اناج چھین لیا۔ اور اُسے دھمکیاں دیں۔ مگر وہ کہتا تھا۔ یہ زمین میری ہے یہ گھوڑے میرے ہیں۔ یہ گائے میری ہے۔ میں حکومت کو کیوں دُوں۔ پھر کچھ شہر والے آئے۔ وہی جو لوگوں کو گھروں سے نکالتے پھرتے ہیں۔ اُنہوں نے اُس کی تمام جائداد ضبط کر لی اور اُسے گرفتار کر لیا۔ اس کی بیوی اور یہ بچہ زار زار رونے لگے۔ وروان نے گھر سے نکلنے سے انکار کر دیا جس پر اُسے بہت بے رحمی سے پیٹا گیا اس کے منہ سے خون بہنے لگا لیکن انہوں نے کچھ پروا نہ کی اور اُسے مسلسل گھسیٹتے ہوئے لے گئے ——
—— اُس کی بیوی روتی ہوئی اس سے چمٹ گئی لیکن خفیہ پولیس کے ایک آدمی نے اُسے زور سے دھکا دیا وہ کیچڑ میں اوندھے منہ جا گری۔ اور دوسرے دن وہ اپنے گھر کی چھت سے لٹک رہی تھی۔ اس کی گردن لمبی ہو گئی تھی آنکھیں باہر کو نکل رہی تھیں۔ جسم سرد ہو چکا تھا۔ میری بیوی وسیا کو اپنے گھر لے آئی ——
اب وہ سارا دن کھویا کھویا سا رہتا ہے۔ بار بار اپنے گھر جاتا ہے اور وہاں بیٹھ کے روتا ہے۔ پھر یہاں آ جاتا ہے اور خاموشی سے سو جاتا ہے۔ بات تک نہیں کرتا۔ یہ نظارہ دیکھ کے میری بیوی نے بھی فیصلہ کر لیا

کو ہمیں کھیتی حکومت کے حوالے کر دینی چاہیئے۔"

ہم کچھ دیر خاموشی سے وہاں بیٹھے رہے۔ پھر سویت کوف نے کہا: "آپ کا بہت بہت شکریہ۔ یقین مانئے سب کمیونسٹ ایسے نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ ایسے ہتھکنڈوں کے سخت مخالف ہیں۔ خود پارٹی ان کی مخالف ہے۔"

میں نے بھی اُن کا شکریہ ادا کیا اور کہا "ہم یہاں ایک مہینہ رہیں گے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ پر بوجھ نہ پڑے۔ یہ پیسے لیجئے اور انہیں خرچ کیجئے۔"

سٹولنیکوف نے کہا "ہمیں پیسے لینے کی ممانعت کی گئی ہے۔"

"نہیں۔ آپ پیسے لیجئے۔ ہمیں اسی لئے دیئے گئے ہیں کہ ہم آپ کو دے دیں۔"

صبح جب ہم پارٹی کے دفتر میں پہنچے تو آرشنوف پہلے ہی سے وہاں بیٹھا تھا اور سخت جلا بُھنا بیٹھا تھا۔ اس کو اس بات پر طیش آرہا تھا کہ جس گھر میں اُسے مہمان رکھا گیا ہے اُس گھر میں کھانے کی بہت قلت ہے۔ ہم نے اس کے غصے کی طرف توجہ نہ دی اور کام میں مصروف ہو گئے۔ ہم نے گاؤں کو مختلف حصوں میں تقسیم کر لیا اور سوچ لیا کہ کس حصے میں کون سا کسان اناج جمع کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ پھر آرشنوف اور سویت کوف گاؤں کا معائنہ کرنے چلے گئے اور میں اجتماعی کھیتی کی طرف روانہ ہوا۔

ایک پرانی حویلی کے صحن میں کٹی ہوئی گندم کے پُولے رکھے تھے۔ ڈھیر کافی اُونچا اور بڑا تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ پُولے نہایت احتیاط سے رکھے ہیں۔ اگر جی لگا کے کام کیا جائے تو دو ہفتوں کے اندر اندر پولے سے دانے الگ کئے جا سکتے ہیں لیکن صورت حالات صرف یہیں تک اطمینان بخش تھی۔ اس کے علاوہ حالات بہت خراب تھے۔ بے شمار ہل کسیاں اور گدالیں ابتر حالت میں بکھری پڑی تھیں۔ گھوڑے اور گائیں آوارہ پھر رہی تھیں۔ مرغیاں اور بطخیں ادھر اُدھر گھوم رہی تھیں۔ زمین جگہ جگہ سے کھدی ہوئی تھی۔

میں نے سب کو بلوایا۔ وہ سہمے ہوئے آئے جیسے کسی بہت بڑی مصیبت کے منتظر ہوں۔

میں نے اُن سے بے تکلفی کی کوشش میں کہا "کیا حال ہے؟"

"ابھی زندہ ہیں" ایک بوڑھا مرجھائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ہم سب برابر ہیں۔ کوئی امیر ہے نہ غریب۔ سب بھوکوں مر رہے ہیں" ایک اور بولا۔

میری آنکھوں میں بڑے بڑے آنسو تیرنے لگے۔ لیکن میں نے ضبط کر کے کہا "تم پیدائشی کسان ہو ذرا اِدھر دیکھو۔ گندے اور بیمار جانور۔ ٹوٹا ہوا سامان تمہارے لئے شرم کی بات نہیں؟ کیا تم اپنے صدر کو جیل بھجوانا چاہتے ہو؟ ویسے میں اس کام کے لئے تو نہیں آیا۔ میں تو تمہاری خدمت کرنے آیا ہوں۔ جیل بھجوانے سے اناج میں اضافہ نہیں ہوتا ویسے تم یوں کس کی عزت افزائی کر رہے ہو۔ میری یا اپنی۔ میں خود دیہات میں رہا ہوں۔ ایسی بُری حالت میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ میں تمہارے جذبات سے واقف ہوں لیکن گھوڑوں اور گایوں کو سزا دینے سے فائدہ؟"

"یہ کامریڈ عقل کی بات کہتا ہے" ایک کسان نے کہا۔

"تو پھر کام کرو۔ کامریڈ صدر آپ میٹنگ کریں اور ہر ایک ممبر کے ذمہ کام لگائیں"

کچھ دیر میں ہم نے ڈیوٹیاں تقسیم کر دیں۔ بعض کے ذمہ مکان کی صفائی کر دی۔ بعض کو گائیں اور گھوڑے سپرد کر دیئے۔ باقی جتنے رہ گئے انہیں اناج اُگانے پر لگا دیا۔ کسان مجھ سے بہت خوش تھے کہ میں انہیں ڈراتا دھمکاتا نہیں۔ گالیاں نہیں دیتا۔

رات کے کھانے کے بعد میں نے سوویت کوف سے الگ جا کر بات کی۔ وہ بہت غمگین تھا۔ اُس نے کہا: "میں آرشنوف کی ہدایات کے مطابق کام کر رہا ہوں مگر کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ کوئی کام ہی نہیں کرتا"

"تمہیں ابھی اناج کی بارہ بوریاں اور جمع کرنا ہے" میں نے کہا

"ہاں۔ لیکن کہاں سے کروں۔ میں کسانوں سے کہتا ہوں کہ حکومت کو اناج کی ضرورت ہے ــــ وہ کہتے ہیں۔ ٹھیک ہے حکومت کو اناج کی ضرورت ہے۔ اور ہمارے بال بچوں کو تو کوئی ضرورت نہیں ــــ دنیا جانتی ہے اب کی فصلیں جیسی ہیں۔ ہمارے بال بچے کیا بھوکے مریں گے؟ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آرشنوف کو کیسے سمجھاؤں یہ باتیں" سوویت کوف نے اُکتا کر کہا۔

اگلے دن میں آرشنوف سے ملا۔ اُس نے پہلے تو سوویت کوف کو گالیاں دیں۔ اور کہا: "یہ حضرت اپنی نرم دلی میں لوگوں سے کچھ کہتے ہی نہیں۔ جن لوگوں کو یہ صاف چھوڑ آئے تھے میں نے اُن کے گھروں کی تلاشی لی تو کافی اناج نکلا۔ میں نے ایک ایک دانہ ضبط کر لیا ہے۔ حرامی! پارٹی کو دھوکا دیتے ہیں۔ میں نے ان کا انتظام کر لیا ہے۔ منگل کو دیکھنا"

"کیا دیکھنا؟"

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو"

رات کو مجھے سوویت کوف نے بتایا کہ آرشنوف آدھی رات کے وقت کسانوں کے گھروں پر چھاپہ مارتا ہے۔ انہیں بُری طرح پیٹتا ہے اور گولی مار دینے کی دھمکیاں دیتا ہے۔ ہر روز سوویٹ کے دفتر میں یہی ڈرامہ کھیلا جاتا ہے۔

مگر ہماری طرف کام بڑی تیزی اور عمدگی سے ہو رہا تھا۔ گھوڑوں اور گایوں کی حالت بہت اچھی تھی۔ مرغیوں اور بطخوں کے لئے بڑے عمدہ ڈربے بنا دیئے گئے تھے۔ اوزار صاف کر دیئے گئے تھے۔ اور اُن کی مرمت وغیرہ ہو رہی تھی۔

لودڈ نے میری تجویز پر اناج اُگانے کی خوشی میں ایک ضیافت کا اہتمام کیا۔ بدھ کے دن ضیافت تھی۔ منگل کے دن سب نے دن رات کام کیا تاکہ ضیافت کے حق دار بن سکیں۔ منگل کی شام کو میں کھیتوں میں گیا۔ عورتیں گندم کی بالیں کھلیان میں ڈال رہی تھیں۔ میں بھی اُن کے ساتھ شامل ہو گیا۔ نوجوان لڑکیاں زور زور سے گیت

گا رہی تھیں۔ میں نے بھی گانا شروع کر دیا۔ جسمانی کام سے میری طبیعت کو بہت فرحت ہوئی۔ کسان مجھے کام کرتے دیکھ کر بہت خوش ہو رہے تھے اور اگرچہ میں محض اناڑی تھا لیکن اُن کے لئے یہی خیال کافی خوشی کا باعث تھا کہ "حکومت" اُن کا ہاتھ بٹا رہی ہے۔

جب ہم واپس آئے تو چراغ جل رہے تھے۔ گاؤں کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں کا ہجوم ہے۔ میں نے بھیڑ کو ہٹا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ دفتر میں پولیس بیٹھی ہے۔ اور کسانوں کا "حساب کتاب" ہو رہا ہے۔

اور آگے بڑھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آرشنوف خفیہ پولیس کے ایک افسر سے مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہا ہے۔ سپاہی ریوالور تانے کھڑے ہیں۔ اُن کے سامنے بیس کسان ہیں جن کی پیٹھ پر چھوٹی چھوٹی گٹھڑیاں ہیں۔ کچھ رو رہے ہیں اور کچھ خاموش اور مایوس ہیں۔

ان پر جاگیرداروں کے ایجنٹ ہونے کے الزامات تھے اور انہیں کسی دُور دراز ملک میں جلا وطن کیا جا رہا تھا۔

مجھے غصہ تو بہت آیا مگر کچھ کر نہ سکتا تھا۔ مجھے زیادہ سے زیادہ کمیونسٹ پارٹی کی ضلع کمیٹی سے امید ہو رہی تھی مگر اُس کے نمائندے بھی یہاں موجود تھے۔ ایک عورت نے زور سے چیخ ماری۔ سب نے اس کی طرف دیکھا۔ اُس کے ہاتھ میں گندم کی کچھ جلتی ہوئی بالیں تھیں۔ پیشتر اس کے کوئی اُس عورت کے پاس پہنچ سکے اُس نے چھپر میں آگ لگا دی اور زور زور سے چیخنے لگی "مردارو۔ کتیا کے بچو خدا کرے تم سب کے سب مر جاؤ۔ ہمارا گھر کیوں تباہ کرتے ہو۔ میں لو اپنے ہاتھ سے اپنا گھر تباہ کرتی ہوں ——

مجھے اپنے حواس پر قابو نہ رہا اور جی چاہا کہ کسی کو گولی مار دوں۔ میرا ہاتھ میرے ریوالور کو ٹٹول رہا تھا کہ کسی نے میرا بازو زور سے پکڑ لیا۔ دیکھا تو سٹوسنکو تھا۔ وہ گڑگڑایا کہ خدا کے لئے کچھ نہ کرو۔ تم کچھ نہیں کر سکو گے بیں یوں بچا نہیں سکو گے۔ خدا کے لئے کچھ نہ کرو۔ چلو گھر چلیں۔ میں بوڑھا آدمی ہوں تمہاری منت کرتا ہوں۔ تم گھر چلو۔ یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں۔ یہ تو روزمرہ کی بات ہے تم پچھلے سال دیکھتے —— چلو گھر چلو" اور وہ مجھے بازو سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا گھر لے گیا۔ میری حالت اس وقت ایک پاگل کی سی تھی۔

رات کے وقت یکدم میری آنکھیں جو کھلیں تو کیا دیکھتا ہوں کہ سوبیت کوف کا بستر خالی ہے۔ میں گھبرا کر باہر نکلا۔ باغیچے میں سائے سے گڈمڈ ہو رہے تھے۔ چاند کی پیلی روشنی میں میں نے دیکھا کہ آلوچے کے ایک درخت کے نیچے سوبیت کوف پستول ہاتھ میں لئے بیٹھا ہے۔

میں نے اُسے آواز نہیں دی۔ چھلانگ مار کر اُس کے اُوپر جا گرا ریوالور اُس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ اُس نے دونو ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا لیا۔ وہ سسکیاں بھر رہا تھا۔ "سوبیت کوف تم بہت کمزور آدمی ہو۔ اگر ہم نے اپنے آپ کو یوں ختم کر دیا تو روسی عوام کے دل کا بوجھ کون ہلکا کرے گا۔ پھر تو آرشنوف ہی باقی رہ جائیں گے"

اُس نے میری طرف دیکھا اور کہنے لگا۔ وکٹر میں نے ہر چیز اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے اور ہر چیز کو سمجھتا بھی ہوں۔ میں تو اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس ظلم کی ذمہ دار پارٹی ہی ہے۔"

میں اُسے کمرے میں لے آیا۔ ہم دونو بستروں پر پڑے رہے مگر نیند نہیں آتی تھی۔

اگلے دن ضیافت ہوئی کسان چپ چاپ کھانا کھاتے رہے۔ لیکن محفل میں خوشی اور زندگی مفقود تھی۔ ساری فضا خاموش اور اُداس تھی۔

میرے اور آرشنوف کے تعلقات دفتری نوعیت کے ہو گئے تھے۔ میں نے اس کے طرزِ عمل پر ایک لمبی رپورٹ لکھ کر علاقائی کمیٹی کو بھیج دی۔

کچھ لوگ ابھی اجتماعی کھیتی کے سسٹم کے خلاف تھے۔ اندھا دھند گرفتاریوں اور "حساب کتاب" کا منظر دیکھا تو "رضا کارانہ" طور پر شامل ہو گئے اور "رضا کارانہ" طور پر انہوں نے اپنا اناج بھی حکومت کے حوالے کر دیا۔

مقامی گرجے میں غلے کا ذخیرہ کیا گیا۔ گرجے کے وسیع ہال کو اناج سے بھرا ہوا دیکھ کر آرشنوف خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ اپنی کامیابی کی ڈینگیں مارتا اور سویت کوف سے کہتا ــــ مصیبت یہ ہے کہ تم "بالشویک عزم" کے مالک نہیں ہو۔

کام ختم ہو گیا اور ہماری رخصت کا دن آگیا تو آرشنوف کہنے لگا کہ میں پانچ دن کے بعد آؤں گا۔ مجھے کچھ کام کرنا ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ سویت کوف کے خلاف شہادتیں پیدا کرنے کی کوشش کرے گا۔ میں نے آخری دن فارم میں گذارا۔ کسانوں نے اِدھر اُدھر کی باتیں کیں۔

"اب آپ کو اپنے اپنے حصوں کا اندازہ ہو گیا ہوگا؟" میں نے کہا۔

"جی ہاں ہم نے حساب لگا لیا ہے۔" صدر نے غمگین اور اُداس لہجے میں کہا۔ "ہم میں سے ہر ایک کو ۲۰۰ گرام (تقریباً سوا سیر) غلہ روزانہ کے حساب سے ملے گا۔ ہم نے بہت تھوڑے دن کام کیا ہے۔ ان بہت تھوڑے دنوں کی مزدوری سے پورا سال کیسے گذر سکتا ہے خدا ہی جانتا ہے ــــ یا شاید آپ کی پارٹی حساب لگا سکتی ہے۔"

ــــ اور اُس کے اندیشے بالکل صحیح تھے۔ آئندہ سرما میں پورے کا پورا گاؤں فاقے کرتے مر گیا۔ جو تھوڑا بہت اناج گاؤں والوں کو حصے میں دیا گیا تھا اُس میں سے بھی بہت سا حکومت نے "خاص ضروریات" کے لئے لے لیا اور پورے گاؤں میں سے ایک بھی زندہ نہ بچا!

ہیڈ کوارٹر پہنچ کر میں نے پارٹی سیکرٹری کو آرشنوف کی بدسلوکی کی ساری کہانی سُنائی۔ لیکن اس نے کوئی پروا نہ کی۔ وہ میرے کام سے خوش تھا ورنہ شاید بات بھی نہ سُنتا۔ میں نے ایک خط پراودہ میں چھپنے کے لئے بھیجا لیکن اُس کی رسید بھی نہیں ملی۔

جنوری ۱۹۳۳ میں کامریڈ سٹالین نے اعلان کیا کہ روس میں اجتماعی کھیتی کو رائج کرنے کا کام بڑی کامیابی سے ختم کر لیا گیا ہے۔ "دیہات میں غربت اور افلاس ختم ہو گیا ہے۔ کروڑوں کسان خوشحال ہو گئے ہیں۔ انقلاب سے پہلے کسان جاگیرداروں اور سٹے بازوں کے لئے محنت کرتے تھے۔ اب وہ اپنی خوش حالی کے لئے محنت کرتے ہیں۔"

میں نے جب یہ اعلان اخبار میں پڑھا تو پاڈگاڈ ناٹی کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ اس کے غریب اور مظلوم باشندے۔ آرشنوف کی بے رحمی۔ وہ پاگل عورت جس نے اپنا گھر جلا دیا تھا۔ ایک ایک کر کے مجھے یاد آئے۔ عین اس وقت جب کامریڈ سٹالین خوشی اور خوش حالی کی باتیں کر رہے تھے ہمارا علاقہ ایک خوفناک قحط کی آغوش میں تھا ——— سٹالین کے الفاظ سے مجھے کوئی تسکین نہ ہوئی۔ میں نے "زرعی فتوحات" سے آنکھیں بند کر لیں۔ صنعتی کارناموں پر غور کیا۔ اور اُن سرمایہ دار ملکوں کا بھی خیال کیا جہاں انقلابی تحریکیں زور پکڑ رہی تھیں۔

سوویت کونسل بہت بے چین ہو رہا تھا۔ اُسے بھی میں نے کہا ——— ہم نے نئے کارخانے کھولے ہیں۔ کانیں کھد رہی ہیں۔ نہریں نکل رہی ہیں بند باندھے جا رہے ہیں۔ سوویت کونسل ہماری صنعتی ترقی کافی حوصلہ افزا ہے۔ امریکہ میں انجینئر بوٹ پالش بیچتے پھرتے ہیں ہم ابھی اور انجینئر پیدا کر رہے ہیں۔ وہاں آدمی ہیں کام نہیں یہاں کام ہے آدمی نہیں۔ وہاں بے کاری ہے۔ یہاں ہر ایک کے لئے کام ہے۔ یہ کیا کم ہے؟"

"لیکن وکٹر کراوچنکو میں مظلوم کسانوں کی دردناک حالت کو نہیں بھول سکتا۔ ہمارا ملک کچھ ہی ہو گا۔ مگر اس میں پاڈگاڈ ناٹی جیسے دیہات بھی تو ہیں۔"

پارٹی کے ممبروں نے سٹالین کی تقریر کا خوب پروپیگنڈا کیا۔ اُن کے لئے سرمایہ داری کی شکست بڑی تسکین کا موجب بن رہی تھی۔ لیکن حالت یہ تھی کہ ہمارا راشن روز بروز گھٹایا جا رہا تھا۔ دیہات میں قحط پڑ رہا تھا۔ جیل اور کیمپ "عوام کے دشمنوں" سے بھرے پڑے تھے۔ ہزارہا سرکاری افسر انجینئر حتٰے کہ وفادار کمیونسٹ جاسوسی کے الزام میں دھر لئے جا چکے تھے۔ ادھر سٹالین کا دعوے تھا کہ ہمارے پانچ سالہ منصوبے کی تکمیل تمام دنیا کے مزدوروں میں بغاوت کی تحریک کو ابھارے گی ——— لیکن حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ سٹالین کی تقریر کے پورے ۲۳ دن بعد جرمنی میں ہٹلر برسرِ اقتدار آ گیا۔ ہٹلر کا اقتدار کامریڈ سٹالین کے بین الاقوامی دعووں پر بڑی شاندار تنقید تھی۔

سال ہا سال سے روس کی حکومت اس بات کا پروپیگنڈا کر رہی تھی کہ جرمنی وہ عظیم ملک ہے جو سب سے پہلے روس کی تقلید کرے گا۔ لیکن واقعات نے ایسی کروٹ لی کہ ہم سکتے میں آ گئے۔ کئی دن اسی سوچ میں گذر گئے کہ کیا کیا جائے۔ لیکن آخر پروپیگنڈے کی کل حرکت میں آئی اور ماسکو سے ہدایات آنی شروع ہوئیں ہمیں بتایا گیا کہ جرمنی میں فسطائیت کی فتح دراصل عالمی انقلاب کی مسخ شدہ صورت ہے۔ یہ سرمایہ داری کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کا آخری سنبھالا ہے۔ سرمایہ داری کے پاس عوام کے لئے کچھ نہیں۔ یہ انہیں کچھ نہیں دے سکتی۔ انہیں قابو میں لانے کے لئے وہ فسطائیت کے ذریعہ طرح طرح کے ظلم ڈھائے گی۔ ایک مقرر نے

تشریح کرتے ہوئے کہا۔ سرمایہ داری نے بہروپ بھرنا چھوڑ دیا ہے۔ وہ اصلی صورت میں ہمارے سامنے آگئی ہے۔ دُنیا کے مزدوروں کے سامنے اب دو چیزیں ہیں۔ فسطائیت اور اشتراکیت۔ اور ہمیں ہرگز شبہ نہیں کہ وہ ان میں کون سی چیز انتخاب کریں گے۔ سوویٹ یونین پرولتاریوں کا محافظ ہے۔ اور دنیا کے تمام پرولتاری ہمارے ساتھی ہیں۔ اٹلی میں مسولینی اور جرمنی میں ہٹلر گردش فلک کو پیچھے کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ وہ انقلاب کے دشمن ہیں ـــــ انہوں نے سرمایہ داری کا چہرہ بے نقاب کر کے ہمیں حقیقت کو سمجھنے کا موقعہ دیا ہے۔ اب ہمارے نعرے زیادہ وزن دار ہیں۔ سانیتو۔

روسی حکومت نے جرمنی میں کمیونسٹوں کی شکست اور ہٹلر کی فتح کو بھی ایک طرح سے اپنے پانچ سالہ منصوبے کی کامیابی کی دلیل بنالیا۔ جرمنی میں کمیونسٹوں کے ساتھ سوشل ڈیموکریٹ لبرل اور رجعت پسند ٹریڈ یونینسٹ بھی توپس رہے تھے۔ لیکن ہم نے اِن لوگوں سے لڑنے میں عمر گذار دی۔ اگر پارٹی کو صحیح ہدایات ملتیں تو کم ازکم نازیوں کو عروج تو نہ پکڑنے دیا جاتا۔

ہٹلر کی کامیابی کی جو سرکاری دلیل دی گئی تھی بہت سے کمیونسٹوں کے دِل کو نہ لگی۔ اس سے مایوسی پھیل گئی چنانچہ پارٹی کے اندر شکست خوردہ ذہنیتوں کو ختم کرنے کے مشورے ہونے لگے۔ یہ بات ظاہر تھی کہ جو لوگ پارٹی پالیسی کے بارے میں کبھی سوچتے ہیں یا اُن کے دلوں میں شکوک ہیں وہ شکست خوردہ ہیں اور انہیں نکال دیا جائے گا۔ چنانچہ اس کی تیاریاں اندر ہی اندر شروع ہوگئیں۔

جہنم

کمیونسٹوں کے لئے ملکی اور غیر ملکی واقعات میں کوئی فرق نہیں تھا۔ سیاسی تبدیلیاں ہماری روزمرہ زندگی کو متاثر کرتی تھیں۔ ہٹلر کی فتح، گندم کی فصل اور پراودہ کا اداریہ میری ذاتی زندگی کے بڑے اہم واقعات تھے جس کا نقش میرے ذہن پر زینا کے ساتھ شادی کرنے سے زیادہ ہے۔

میں گاؤں جانے سے تقریباً دو مہینے پہلے زینا سے ملا تھا۔ وہ پھول کی طرح معصوم اور خوبصورت تھی۔ اس سے مل کر ترمی ٹھنڈک اور سکوں کا احساس ہوتا تھا۔ وہ دبلی پتلی اور جذباتی لڑکی تھی۔ لیکن دوسری لڑکیوں کی طرح وہ اپنے آپ سے بے نیاز نہیں تھی۔ اس کی توساری توجہ اپنے آپ پر مرکوز تھی۔ اور یہی اس میں سب سے بڑا عیب تھا۔ پارٹی کی اصطلاح میں وہ "بورژوا" قسم کی لڑکی تھی۔ اسے اس بات پر بھی بہت غصہ آتا تھا کہ میں پارٹی کا اتنا کام کرتا ہوں۔ اور وہ عام طور پر شکایت کے لہجے میں کہا کرتی ــ "میرے لئے تو وقت تمہارے پاس ہے ہی نہیں"۔ ایسی لڑکی کے ساتھ نباہ نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ شادی سے چند ہفتوں کے بعد طلاق ہو گئی جو اس کی آرزو کے عین مطابق تھی۔ اس کا دلفریب حسن مدت تک مجھے تڑپاتا رہا۔ کبھی کبھی ہماری مڈبھیڑ بھی ہو جاتی تھی۔ لیکن ہم ایسے ملتے جیسے کبھی ایک دوسرے کو دور سے دیکھا ہے اور بس۔ رفتہ رفتہ میں اس سے بے نیاز ہو گیا۔

اجتماعی کھیتی کا سب سے پہلا نتیجہ موت تھا۔ جو ہزاروں روسیوں کو یک دم آئی ــ جنوبی روس اور وسطی ایشیا خوفناک قحط کے شکار ہو گئے۔ اخبارات میں اس خوفناک قحط کی کوئی خبر نہیں چھپی۔ لیکن سب جانتے تھے کہ علاقے میں کیا گذر رہی ہے۔ پولیس کی کوششوں کے باوجود قحط زدہ کسانوں کے گروہ نیپردپیٹروسک میں گھس آئے۔ مسلسل فاقوں سے ان کی صورتیں مردوں کی طرح مسخ ہو چکی تھیں۔ اور کمزوری اور ناتوانی سے یہ عالم تھا کہ ان میں سے اکثر ریلوے اسٹیشن کے پاس چپڑے پھیکی پھیکی آنکھوں سے گھورتے

رہتے - ان میں بولنے کی بھی ہمت نہ تھی - بچوں کی طرف تو دیکھا نہیں جاتا تھا۔ تپلی تپلی بے جان ٹانگیں اور پھولے ہوئے پیٹ جن سے گھن آئے۔ پہلے زمانے میں دیہات والے شہریوں کو کھانے کی چیزیں دیا کرتے تھے۔ اب دیہات والے شہریوں کے محتاج تھے۔ لیکن ہمارا اپنا راشن اتنا تھوڑا تھا کہ اس میں سے کچھ دینا ممکن نہیں تھا۔

مصیبت یہ ہوئی کہ قحط اس وقت پڑا جب منصوبے کا چوتھا سال پورا ہو رہا تھا۔ حکومت چلا چلا کر "شاندار مستقبل" کی رٹ لگا رہی تھی - اور اس کے بلند بانگ دعووں سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی - اس ہنگامے میں مرنے والوں کی کراہیں کون سنتا تھا؟ مجھے حکومت کی سرد مہری قحط سے بھی زیادہ خوفناک معلوم ہوتی تھی۔

اب تمام امیدیں اگلی فصل پر تھیں۔ لیکن ان لوگوں سے جن میں زندگی باقی ہی نہیں رہی تھی کام کی امید کیا کی جا سکتی تھی۔ بالفرض وہ کام کر بھی سکتے تو اس بات کی کیا ضمانت تھی کہ وہ کچی کونپلوں کو نہ کھا جائیں گے۔ چنانچہ کمیونسٹ پارٹی کے دس ہزار آزمودہ رضاکاروں کو جمع کیا گیا، جن کے ذمہ یہ کام لگایا گیا کہ وہ ان کسانوں سے کام لیں گے۔ اور انہیں کونپلیں کھا جانے کا موقعہ نہ دیں گے —— ان دس ہزار آزمودہ رضاکاروں میں ایک میں بھی تھا! ہمارے ساتھ پولیس اور خفیہ پولیس کے سینکڑوں آدمی تھے۔

علاقائی کمیٹی کے سیکرٹری کامریڈ ہنیا دیچ نے ہمیں ہدایات دیتے ہوئے ان مشکلات کا بھی ذکر کیا جن پر ہمیں قابو پانا تھا —— اس نے اپنی تقریر میں بار بار "چھانٹی" کا ذکر کیا جو سال کے آخر میں ہونے والی تھی۔ اس کا مطلب صاف تھا اور وہ یہ کہ ہماری سیاسی زندگی اس مشن کی کامیابی یا ناکامی پر منحصر ہے۔ اگر ہم ناکام ہوئے تو ہمیں پارٹی سے علیحدہ کر دیا جائے گا۔

اس نے کہا "پارٹی اور کامریڈ سٹالین سے تمہاری وفاداری کا اندازہ تمہارے کام سے کیا جائے گا۔ کمزوری کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ تمہارے حوصلے قوی اور دل مضبوط ہونے چاہئیں"

ریجنل کمیٹی کے دفتر سے پروانہ لے کر میں اپنے ایک دوست اور ہم جماعت یوری (Yuri) کے ساتھ پیاتی خاسکی (Piatikhatski) کے علاقے کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں ہم سب سے پہلے مقامی افسروں سے ملے اور ان سے فصل کے بارے میں باتیں کیں۔ وہ تقریباً حواس باختہ تھے۔ ہمارے تمام سوالوں کے جواب میں انہوں نے بھوک اور قحط کا ذکر کیا - وہ اس بات سے تو متفق تھے کہ ہمیں فصل کاٹنے اور اناج گاہنے کی تیاری کرنی چاہئے - لیکن اس سے آگے ان کے ذہن مفلوج تھے - حوالات اور جیل خانے مظلوم کسانوں سے بھرے پڑے تھے۔ ان پر سرکاری جائداد کو نقصان پہنچانے اور سازش کرنے کے الزامات لگائے گئے تھے کیونکہ انہوں نے سرکاری اجازت کے بغیر فصل کاٹ لی تھی۔

شام کے قریب ہم پیٹرووو (Petrovo) کے گاؤں میں پہنچے۔ یہاں موت کی سی خاموشی تھی۔

کتے تک کے بھونکنے کی آواز بھی نہیں آتی تھی۔ کیونکہ بھو کے کسان گاؤں کے کتوں کو چٹ کر گئے تھے۔ ہمیں پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ تک جاتے ہوئے راستے میں کوئی آدمی نہ ملا۔ حالانکہ شام کے وقت کسان کھیتوں سے آتے ہیں یا ادھر ادھر گھومتے ہیں۔ ایک کسان نے جو ہماری راہنمائی کر رہا تھا ہمیں بتایا کہ یہاں کے لوگوں نے چلنا پھرنا چھوڑ دیا ہے کیونکہ ان میں طاقت ہی نہیں۔

ہمیں ایک کسان کے جھونپڑے میں ٹھہرایا گیا۔ گھر میں صرف ایک جوان عورت تھی جس کے چہرے کے خطوط سے موت کی سی بھیانک، اوداسی جھلکتی تھی۔ ایک کونے میں دو لڑکے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے ہمیں دیکھ رہے تھے۔ یوری نے انتہائی ندامت کے لہجے میں کہا ——" ہم اس تکلیف کی معافی چاہتے ہیں۔ ہم آپ کو کوئی تکلیف نہیں دیں گے۔"

"جی نہیں"۔ عورت بولی۔" افسوس ہے کہ میں آپ کی کوئی خدمت نہیں کر سکتی۔ ہفتوں سے ہمارے ہاں روٹی کا ایک ٹکڑا بھی نہیں۔ افسوس ——"

"تمہارا خاوند کہاں ہے؟" یوری نے کہا۔

"معلوم نہیں وہ کہاں ہے؟ اسے پکڑ کر لے گئے تھے۔ میرے بھائی کو اور باپ کو بھی لے گئے تھے۔ معلوم نہیں وہ سب کہاں ہیں۔ ہمیں چھوڑ دیا گیا ہے، تاکہ ہم بھوک سے مر جائیں۔"

یوری سگریٹ پینے کے بہانے باہر چلا گیا۔ میں نے عورت کو تسلی دینے کی کوشش کی۔ پھر اس کے بچوں کو بلایا اور انہیں پیار کیا۔

ہم نے اپنے کھانے کے بنڈل کھولے اور دستر خوان بچھا دیا۔ میں اور یوری ایک طرف تھے اور وہ عورت اور دونوں بچے دوسری طرف بیٹھ گئے۔ ہم نے گوشت، مچھلی اور توس بچوں کے آگے رکھ دئیے۔ وہ دیکھتے ہی ان پر ٹوٹ پڑے، جیسے ڈرتے ہوں کہ ابھی ختم ہو جائیں گے۔ میں اور یوری آہستہ آہستہ کھاتے رہے تاکہ ان کو زیادہ کھانے کا موقعہ مل جائے۔

جب بچے سو گئے تو عورت نے باتیں کرنا شروع کر دیں۔

"میں آپ سے مُردوں کی باتیں نہیں کرتی۔ غالباً آپ کو پہلے ہی معلوم ہیں۔ لیکن جو لوگ ابھی نیم مردہ ہیں یا تقریباً مردہ ہیں ان کی حالت بہت خراب ہے۔ اس گاؤں میں سینکڑوں آدمی بھوک سے مر رہے ہیں۔ خدا جانے روز کتنے مرتے ہیں، اور جو زندہ ہیں وہ اتنے کمزور ہیں کہ لاشوں کو ٹھکانے نہیں لگا سکتے۔ ہر روز ایک چھکڑا گلی گلی جاتا ہے اور لاشیں اکٹھی کر لاتا ہے —— ہم پرندے، کتے، بلیاں، چوہے درختوں کی چھال اور جنگلی چوہے تک کھا گئے ہیں۔ صبح ہو گی تو دیکھ لیجئے گا۔ درختوں کے تنے تک ننگے ہو گئے ہیں۔ ہم گھوڑے کی لید تک کھا چکے ہیں، اور اس پر لڑتے ہیں کیونکہ کبھی کبھی اس میں اناج کے دانے سالم ہوتے ہیں۔"

ہم نے اس کی داستان ادھوری رہنے دی اور سونے کے بہانے وہاں سے اٹھ گئے۔

ہماری آنکھ کھلی تو پو پھٹ رہی تھی۔ افق پر پرانے خون کے دھبے سے نظر آ رہے تھے۔ ہم پولٹیکل ڈیپارٹمنٹ کے دفتر گئے۔ ایک تانگہ لیا اور اگلے گاؤں روانہ ہو گئے۔ راستہ کافی لمبا اور تکلیف دہ تھا۔ جب ہم منزل مقصود پر پہنچے تو دن ڈھل چکا تھا۔ ہم سیدھے پارٹی کے دفتر کی طرف گئے۔

پولٹیکل ڈیپارٹمنٹ کے دفتر کا افسر اعلٰے ایک سابق فوجی افسر تھا۔ چوڑا ماتھا۔ موٹی اور چمکتی ہوئی آنکھیں، شفیق چہرہ۔ مجھے یہ آدمی پسند آیا۔ اس کے علاوہ دفتر میں ایک خفیہ پولیس کا افسر تھا۔ کھانے سے فارغ ہوئے ہم نے ایک کانفرنس کی۔ مجھے اور یوُری کو پروگرام اور ان لوگوں کے بارے میں کچھ بتایا گیا جن سے ہمیں واسطہ پڑنے والا تھا۔ اس علاقے میں فصلیں نسبتاً اچھی تھیں۔ ہمارا کام ان کی حفاظت کرنا تھا تاکہ حکومت کو اس کا پورا حصہ مل سکے۔ ہمارے حلقے الگ الگ تھے لیکن سب کی ایک مجموعی ذمہ داری بھی تھی۔ یہاں سے ہمیں اجتماعی کھیتی پر جانا تھا۔ یوُری اور میں اگلے روز صبح ہی صبح روانہ ہو گئے۔ یوُری کے حصے کے گاؤں میرے دیہات سے آٹھ میل دور تھے۔ میں تو لوگینہ (Logina) پہنچ کر رک گیا۔ کیونکہ یہ میرا ہیڈ کوارٹر تھا۔ یوُری آگے روانہ ہو گیا۔

سوویت کا دفتر صاف ستھرا تھا۔ جب میں اندر داخل ہوُا تو ایک جلسہ ہو رہا تھا۔ میں نے سوویت کے صدر سے اپنا تعارف کرایا۔ اس نے مجھے اس جلسے کی صدارت سونپنی چاہی۔ لیکن میں نے کہہ دیا کہ اس کی ضرورت نہیں۔ میں فی الحال بیٹھ کے سنوں گا۔ اس جلسے میں مختلف پارٹیوں کے صدر شمولیت کر رہے تھے۔ ایک نے کہا۔ کامریڈ صدر۔ فصل تیار ہے لیکن اسے کاٹے گا کون۔ لوگ بھوک سے لاچار پڑے ہیں اور مر رہے ہیں۔ اگر انہیں کچھ کھانے کو نہ دیا گیا تو وہ کام کیسے کریں گے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ جو لوگ گھروں میں بیمار پڑے ہیں اور مر رہے ہیں۔ وہ بھی کام کے آدمی ہیں۔ کیونکہ کچھ کھا کر جب ان کا جسم تندرست ہو جائے گا تو وہ بھی فصل کاٹیں گے۔ سب سے پہلی ضرورت تو روٹی کی ہے۔

سوویت کے صدر نے اس کے جواب میں پارٹی کی پالیسی کے اقتباسات سنا دیئے۔

جلسے کے بعد صدر کامریڈ بیلوسوف (Belousov) نے مجھے اپنے گھر ٹھہرنے کی دعوت دی۔ ایک کسان بولا آپ میرے گھر ٹھہریئے۔ ہمارا خاندان نہایت مختصر ہے اور آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔

میں نے اس کا مہمان رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ رخصت ہونے سے پہلے سب سے ہاتھ ملائے۔ پھر چوائی کے ساتھ روانہ ہوُا۔ وہ درمیانی عمر کا سادا مزاج کسان تھا۔ ہم گھر پہنچے تو اس کی بیوی نے مسکرا کر مجھے خوش آمدید کہا۔ کپڑے وغیرہ بدل کر میں اور کسان آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ میں نے اسے کہا

۔ میں تم سے سرکاری طور پر نہیں برادرانہ طور پر پوچھتا ہوں۔ مجھے ٹھیک ٹھیک بتاؤ لوگوں کا کیا حال ہے۔ اور تمہاری کٹائی کا پروگرام کیا ہے۔ کوئی بات چھپانے کی کوشش نہ کرو۔ صاف صاف کہو۔"

کسان نے کہا: "سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں سے شروع کروں۔ یوں تو ہماری فصلیں بھی اچھی ہیں اور مشینیں بھی لیکن نہ آدمی ہیں نہ گھوڑے۔ کھانے کو کچھ ملتا ہی نہیں۔ نئی فصل ہے تو لیکن اس میں سے کچھ کھانے کی اجازت نہیں ـــــ فصل کاٹنے کی سکیم کیا بتاؤں؟"

"اجازت ہے یا نہیں ہے۔ اگر ہم نے ضروری سمجھا تو ہم نئی فصل سے غلہ لیں گے" میں نے کہا۔

"لیکن کامریڈ بیلوسوت؟"

"تم فکر مت کرو۔"

"کامریڈ کراوچنکو لوگوں کی حالت بڑی خراب ہے۔ مکھیوں کی طرح مر رہے ہیں۔ میں نے سوویت سے التجا کی کہ کچھ غلہ ادھار دے دیا جائے لیکن سنتا ہی کون ہے۔ سچ یہ ہے کامریڈ میں فوج میں تھا۔ میں نے خون بھی دیکھا اور موت بھی۔ لیکن اتنی دہشت میں نے محسوس نہیں کی ـــ"

پھر اس کی آنکھوں میں چمک آگئی اور وہ بولا: "کامریڈ کراوچنکو اگر آپ فصل کو بچانا چاہتے ہیں تو آپ کو پہلے لوگوں کو بچانا ہوگا۔ میں لوگوں کو یوں مرتے اب نہیں دیکھ سکتا۔ مجھ میں ہمت نہیں۔"

صحیح واقعات مجھے معلوم ہو چکے تھے۔ صورت حالات ایسی خراب تھی کہ معمولی انتظامات قطعی طور پر بے سود تھے۔ قانون کو نظر انداز کئے بغیر چارہ کار نہیں تھا خواہ اس کے نتائج میرے لئے کیسے ہی خطرناک کیوں نہ ہوتے اگر کسانوں کی تندرستی بحال نہ کی جاتی تو سب کچھ تباہ ہو جاتا۔ میں نے پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کے افسر اعلیٰ کامریڈ سوماناف کو خط لکھ دیا جس کا جواب شام سے پہلے آگیا۔ اس نے جواب میں لکھا کہ میں بھی حالات سے واقف ہوں۔ لیکن تم سے درخواست کرتا ہوں کہ معاملے پر اچھی طرح سوچ بچار کر لو۔ تم جو کچھ کرنے کا ارادہ رکھتے ہو قانون کی واضح خلاف ورزی ہے۔ لیکن اگر مجبوری ہے تو پھر جو مناسب سمجھتے ہو کرو۔

میرا ارادہ یہ تھا کہ گھوڑوں کے لئے کچھ جو کٹوالوں اور کسانوں کے لئے تھوڑا سا گیہوں "ازویستیہ" میرے سامنے کھلا پڑا تھا۔ اس میں لکھا تھا ـــــ "فصل کی کٹائی حکومت کی ملکیت کی چوری" ہے۔ "ایسے جرائم" کے لئے کسانوں کو سائبیریا بھیجا جا رہا ہے۔

دوسری اجتماعی کھیتی پر بھی حالات ایسے ہی تھے۔ کچھ کسانوں کے پاس اب بھی گائیں تھیں، لیکن ان کا دودھ سرکاری ڈیری والے لے جاتے اور اس سے مکھن نکال کر باہر بھیج دیتے تھے۔

ہم نے مقامی سکول ماسٹروں، ڈاکٹروں اور کچھ سمجھدار کسانوں کو بلوایا۔ جب وہ لوگ آگئے تو میں نے انہیں کہا "مجھے آپ لوگوں کے مشوروں کی ضرورت ہے۔ بچوں کی حالت بہت خطرناک ہے۔ اور جب گھر میں بچے مر رہے ہوں تو لوگ باہر کام کیسے کر سکتے ہیں۔ میری تجویز یہ ہے کہ آپ لوگ گاؤں کے خالی مکانوں کو صاف کریں اور بچوں کو وہاں رکھیں۔ بچوں کے بال کٹوائیں اور انہیں نہلائیں دھلائیں۔ اس کے ساتھ ہی آپ میں سے کچھ آدمی چولہے بنائیں اور برتن صاف کریں۔ کیا آپ میرا ساتھ دیں گے؟

"ضرور: لیکن کھائیں گے کیا؟" ایک عورت بولی۔

"یہ تمہیں میں بعد میں بتاؤں گا۔ تم یہ بتاؤ کہ بچوں کی دیکھ بھال کسے سونپی جائے؟"

سب نے سکول ماسٹر کا نام لیا۔ وہ ایک بوڑھا اور شفیق آدمی تھا۔ میں نے اسے کہا "کامریڈ پیٹرووچ (Petrovich) لوگوں کو آپ پر اعتماد ہے۔ مجھے بھی ہے۔ آپ بچوں کے انچارج ہیں۔ آپ جو مناسب سمجھتے ہیں کریں۔ میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ اگر کوئی آپ کے کام میں دخل دے تو مجھے کہئے۔"

"میں بچوں کو سنبھالوں گا۔ اور کیوں نہ سنبھالوں، یہ میری اپنی اولاد ہیں۔ آپ کھانے کا انتظام کر دیں باقی میں سمجھ لوں گا۔"

انہیں رخصت کر کے میں نے افسروں کی ایک کانفرنس بلائی اور انہیں حکم دیا کہ وہ پکی ہوئی فصل کٹوائیں۔ جانور ذبح کریں۔ ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ لیکن میں نے کوئی پرواہ کی اور صاف صاف کہہ دیا کہ اگر کسی نے میرے حکم کی تعمیل میں کوتاہی کی تو اسے پارٹی سے نکال دیا جائے گا۔

میں باہر نکلا تو جس کسان کے ہاں میں ٹھہرا ہوا تھا اس نے انتہائی ممنونیت کے عالم میں میرا بازو دبایا۔ "آپ کی خاطر میں جان تک دے سکتا ہوں کامریڈ کراوچینکو۔" اس نے کہا۔ میں نے اس کی آنکھوں کی طرف دیکھا۔ آنسوؤں سے ڈبڈبا رہی تھیں۔ میں ڈیری فارم کی طرف گیا۔ کسان میرے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ ڈیری فارم کا منیجر پارٹی کا ممبر تھا۔ اس کے چہرے پر اداسی تھی۔ ماتھے پر شکنیں پڑی تھیں۔

"مجھے معلوم ہے کہ کسان بھوکوں مر رہے ہیں۔ اور جب میں یہاں سے غیر ملکوں کے توانا باشندوں کے لئے مکھن بھیجتا ہوں تو میرے کلیجے پر چھریاں سی چل جاتی ہیں۔ لیکن کیا کروں پارٹی کا حکم ہے۔ پہلے ہی افسر مجھ پر ناراض ہیں۔ اور سزا ملنے والی ہے۔ کسان بھوکے ہیں وہ دودھ چرا لیتے ہیں۔" منیجر نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"لیکن لسی کہاں جاتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہ کہنا تو آسان ہے لیکن مجھے مرکز کے علاوہ مقامی افسروں کو بھی تو خوش رکھنا پڑھتا ہے۔ دودھ مکھن اور لسی ان لوگوں کے ہاں بھی جاتی ہے۔"

"آج کے بعد تمام لسی بچوں کو ملے گی۔" میں نے کہا۔

"ہاں میں پوچھ لوں" مری ہوئی آواز سے بولا۔ پھر اس کی آنکھوں میں چمک آگئی اور وہ چیخ کر بولا "نہیں میں نہیں پوچھوں گا۔ ہرگز نہیں پوچھوں گا۔ میرے بھی بچے ہیں ....."

رات کے کھانے کے وقت ایک کسان نے اطلاع دی کہ ایک بیمار گھوڑا مر گیا ہے۔ اگر اسے دفن کر دیا گیا تو لوگ اس کا بیمار گوشت کھا لیں گے۔ میں نے ہدایت کی کہ اس کی کھال اتار کر اس پر مٹی کا تیل اور چونا چھڑک دیا جائے۔ ایک گھنٹے کے بعد مجھے بتایا گیا کہ گھوڑے کو مٹی کا تیل اور چونا چھڑک کر دفن کر دیا گیا ہے۔

میں مطمئن ہوگیا۔

صبح اٹھا تو معلوم ہُوا کہ گھوڑے کی قبر خالی ہے .....

فصلیں ابھی اچھی طرح پکی نہ تھیں۔ چند دنوں میں پک جانے والی تھیں۔ کسانوں کو تھوڑا سا گندم کاٹنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ اس سے گاؤں کی حالت بدل گئی۔ ایک دن شام کو میں نے کسانوں کا ایک جلسہ بلایا اور فصل کی کٹائی کے بارے میں کچھ ہدایات دیں۔ جلسہ برخاست ہوگیا تو میں ان سے ہنسی مذاق کی باتیں کرنے لگا۔ ایک کسان اپنا باجہ اٹھا لایا۔ دو ایک نوجوان جن کی آوازیں میٹھی تھیں گانے لگے ـــــ اور ایک مدت کے بعد میں نے یوکرائن کے گیت سنے۔

اس عالم میں ایک کسان میرے پاس آیا اور اس نے رک رک کے کہا "کامریڈ کراچنکو ـــــ سوویت کے دفتر میں کوئی آپ کو بلا رہا ہے ـــــ شاید خفیہ پولیس کا افسر ہے۔"

گانا یک لخت بند ہوگیا۔ کسانوں پر مُردنی چھا گئی۔ انہیں معلوم تھا کہ عوام کو روٹی دینے کے جُرم میں سزا دی جائے گی۔

سوویت کے دفتر میں وہی خوبصورت نوجوان افسر بیٹھا تھا جسے میں نے پہلے دن دیکھا تھا۔ اُس نے مجھے کہا۔

"کامریڈ کراچنکو ہمیں اطلاعات پہنچی ہیں کہ آپ قانون شکنی کر رہے ہیں اور پارٹی کے مقصد کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔"

"ہمیں" سے آپ کی مراد کسے ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس کو چھوڑیئے۔" اس نے کہا

"نہیں۔ یہی اصلی نکتہ ہے۔ کیا آپ کو میری نگرانی پر مقرر کیا گیا ہے؟"

"نہیں میں تو دوستانہ بات کر رہا ہوں۔" اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"تو کامریڈ، سنئے۔ میں جو درست سمجھتا ہوں کر رہا ہوں، اور آپ کے سامنے صفائی پیش کرنے پر تیار نہیں۔"

"اگلے دن میں کامریڈ سوموتوف کے پاس گیا۔ اس کو سب حالات معلوم ہی تھے۔ اس نے کہا، "تم نے اچھا کیا کہ سکوپن (Skopina) کو جھڑک دیا۔ گاؤں کے کچھ غنڈے تمہاری شکایات کر رہے ہیں تاکہ تم پر مصیبت آئے تو وہ شہادت دے سکیں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم نے بڑی جرأت کی ہے۔ ممکن ہے تمہیں اس کی سزا بھگتنی پڑے۔ اور شاید مجھے بھی۔ لیکن اگر ہم نے کٹائی وقت پر کرلی اور حکومت کو اس کا حصہ پہنچ گیا تو بچنے کی امید ہوسکتی ہے۔ اگر ہم ناکام ہوئے تو ہماری جانوں کی خیر نہیں۔"

میں نے کہا: "یہ اقدام میں نے اپنی ذمہ داری پر کیا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچے ——— یہ لیجئے اپنا خط جو آپ نے مجھے لکھا تھا۔"

کامریڈ سومانوف نے خط جیب میں ڈال لیا۔ پھر میری فائل منگوائی اور کہا کہ "میں اسے تلف کر دوں گا۔ اور ہاں تم مقامی افسروں کو دبائے رکھو۔ میں کل لوئیبنہ آؤں گا اور ان لوگوں کی مرمت کروں گا۔ جنہوں نے تمہاری شکایت کی ہے۔"

واپسی سے پہلے میں نے سرکاری جاسوسوں کے نام بھی نوٹ کر لئے تھے۔ میں نے ان کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ نہایت ہوشیاری سے منتخب کئے گئے ہیں۔ ایک اجتماعی کھیتی کے دفتر میں تھا دوسرا ڈیری میں تیسرا ٹریکٹر سٹیشن میں۔ خفیہ پولیس ہر شعبے کی نگرانی کر رہی تھی۔ جاسوسی کا جال اس خوبی سے پھیلایا گیا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائی۔ حتیٰ کہ ایک جاسوس کو دوسرے جاسوس کا پتہ نہیں تھا۔

شام کو میں گاؤں میں سے گزرا تو بچے کھیل رہے تھے۔ جیسے ان کا بچپن لوٹ آیا ہو۔ مجھے کامریڈ میٹر ووچ راستے میں مل گئے۔ انہوں نے بتایا کہ گاؤں والوں کے دلوں پر خفیہ پولیس کی دہشت اور خوف چھایا ہوا ہے۔

میں نے ان سے کہا "آپ بے فکر رہیں۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ اب کٹائی شروع ہونے والی ہے۔ آپ میری طرف سے کسانوں سے التجا کیجئے کہ اگر تمہیں کامریڈ کراد چنکو کی جان عزیز ہے تو ان تھک ہو کر کام کرو۔

اگلے دن کامریڈ سومانوف بھی آ گئے۔ انہوں نے آتے ہی سرکاری افسروں کو سخت ڈانٹ ڈپٹ کی اور اعلان کر دیا کہ کامریڈ کراد چنکو ہمارے انچارج ہیں۔ ان کا حکم قانون ہے۔ پھر وہ مجھے ساتھ لے کر باہر نکل گئے۔ باہر دفتر سے نکلتے ہی انہوں نے مجھے کہا

"کامریڈ کراد چنکو میں خود کسان کا بیٹا ہوں۔ ان کا دکھ مجھے اپنا دکھ محسوس ہوتا ہے۔ آنسو، آہیں، خون، موت، جلاوطنی ——— آخر یہ سب کس لئے؟ ہمارے ملک کی زمین زرخیز ہے۔ لوگ جفاکش ہیں۔ پھر ہم انہیں بھوک سے کیوں فنا کر رہے ہیں۔ جیسے جیسے میں سوچتا ہوں اور الجھتا جاتا ہوں ——— آپ نے جو کچھ کیا ہے خصوصاً بچوں کے لئے جو کچھ کیا ہے وہ تعریف سے بالا ہے۔ کامریڈ کراد چنکو ہم دونوں کمیونسٹ ہیں لیکن ہم دونوں انسان بھی ہیں۔ آپ نے جو کچھ کیا ہے اس کا نتیجہ بھگتنے کے لئے میں بھی تیار ہوں ——— میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔"

دو دن کے بعد تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ صبح ہی صبح جب میں کھیتوں میں پہنچا کسان عورتیں اور مرد وہاں پہلے ہی موجود تھے۔ مرد فصل کا کچھ حصہ کاٹ چکے تھے۔ عورتیں پولے باندھ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر میں سرکاری عہدیدار بھی وہاں پہنچ گئے اور کام میں ہاتھ بٹانے لگے۔ جیسے کار کے انجن کی آواز سن کر ڈرائیور سمجھ جاتا ہے کہ یہ ضرور چلے گا۔ اسی طرح میں نے چند لمحوں میں محسوس کر لیا کہ کام چل کے رہے گا۔

چاروں طرف مصروفیت کی فضا تھی۔

اسی رات کھیتوں میں بچوں کے لئے خیمے گاڑے گئے۔ اور پانی اور کھانے کا انتظام کر دیا گیا۔ تاکہ کٹائی کے دوران میں کسانوں کو گھر جانے کی ضرورت نہ پڑے۔ میں نے رات کے کھانے کے لئے کچھ جانور ذبح کروا دیئے تھے۔ ان کے پکنے کی گرم گرم خوشبو دور دور تک پھیل رہی تھی۔ کسانوں کے لئے یہ خوشبو بڑی حیات بخش تھی اور وہ اگرچہ کمزور اور نیم گرسنہ تھے لیکن ان کی ہمتیں بہار پہ تھیں۔ وہ جوش وخروش سے فصل کاٹتے اور ساتھ ساتھ گاتے بھی جاتے تھے۔

ایک دن میں نے دیکھا کہ ایک ٹریکٹر رک گیا ہے۔ وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ اس کا ڈرائیور تکان کی وجہ سے بے ہوش ہو گیا ہے۔ اسے تو میں نے گاؤں میں بھجوا دیا اور خود ٹریکٹر چلانا شروع کر دیا۔ کسان مجھے ٹریکٹر چلاتے ہوئے دیکھ کر جامے میں پھولے نہیں سماتے تھے۔

انہیں دنوں جب کٹائی خوب جوبن پر تھی ایک خوفناک حادثہ ہوا۔ پارٹی کی طرف سے حکم آیا کہ غلّہ گاؤں کے گرجے میں جمع کیا جائے گا۔ یہ بہت خطرناک حکم تھا۔ کیونکہ اس سے کسانوں کے جذبات کو ٹھیس لگتی تھی۔ یہ حکم بہت بے ہودہ اور شرمناک تھا لیکن میں بے بس تھا۔

کسانوں نے جب دیکھا کہ گرجے سے سامان نکالا جا رہا ہے۔ تو انہیں اپنے آپ پر قابو نہ رہا۔ وہ روئے پیٹے چلائے اور کام چھوڑ کر بیٹھ گئے۔ میں نے ان کے بھڑکے ہوئے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کی پوری کوشش کی، جس سے وہ کام تو کرنے لگے لیکن مطمئن نہ ہوئے۔ اگلے دن ایک ایسا واقعہ ہو گیا جس سے یہ آگ بھڑک اٹھی۔ بات یہ ہوئی کہ مقامی کمسومل کا صدر چیزر (Chizh) اپنی محبوبہ کو ساتھ لئے باجا بجاتا اور ایسے گیت جن میں مذہب کی ہجو کی گئی تھی گاتا ہوا کھیتوں میں آیا۔ ویسے تو یہ روزمرہ کی بات تھی۔ کسانوں کو جس بات پر غصہ آیا وہ ان دونوں کے کپڑے تھے۔ دونوں نے سُرخ ریشم کے شاندار کرتے پہن رکھے تھے۔ جن کی آستینوں پر سنہری ڈوریاں تھیں۔ کسانوں نے فوراً پہچان لیا کہ یہ مقدس انجیل کا غلاف ہے۔ وہ سب ان کے گرد جمع ہو گئے۔ اور چاہتے تھے کہ اپنی درانتیوں اور کدالوں سے اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں کہ میں آگے بڑھا۔

"چیزر تم نے مقدس انجیل کا غلاف کیوں چرایا؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"چرایا کس نے ہے۔ میں نے کھلم کھلا لیا ہے۔ دوسرے کامریڈوں نے بھی تو چیزیں لی ہیں" چیزر بولا

"تو میں تمہیں اور دوسرے کامریڈوں کو حکم دیتا ہوں کہ گرجے کا تمام سامان فوراً واپس کر دو۔ ورنہ میں سب کو پولیس کے حوالے کر دوں گا۔ اور سنو جب تک میں یہاں ہوں مذہب پر تبرّے بازی نہیں ہوگی۔ سُنا تم نے۔ دفع ہو جاؤ"

کچھ دنوں کے بعد ہم نے ایک بیل ذبح کیا اور اس کے گوشت کو نمک لگا کے برف خانے میں رکھ دیا۔

خیال تھا کہ اسے کسی روز کھائیں گے۔ اگلی صبح چوائی یعنی وہی کسان جس کے ہاں میں ٹھہرا تھا خبر لایا کہ بہت سا گوشت چوری ہو گیا ہے۔

میں نے چوائی اور کامریڈ کراس (Karas) کو ساتھ لیا اور ہم آدھی رات تک اس انتظار میں بیٹھے رہے کہ چوروں کو پکڑیں۔ میرے پاس اپنا ریوالور تھا، اور چوائی اور کراس کے پاس شکاری بندوقیں تھیں۔ یکایک مجھے خیال آیا کہ مجھے پارٹی سیکرٹری کوبزار (Kobzar) کو بھی بتا تو دینا چاہئے کہ اس کے علاقے میں کیا ہو رہا ہے۔ اس کے گھر پہنچ کر ہم نے اسے پکارا لیکن کوئی آواز نہ آئی چنانچہ ہم اندر داخل ہو گئے۔ یکایک اندر سے آوازیں آنی شروع ہو گئیں۔ پھر ایک عورت کی چیخ سنائی دی۔ میں نے بیٹری جلائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک عورت مادر زاد ننگی کھڑی ہے۔ میں نے جلدی سے لیمپ جلایا تو کیا دیکھا کہ کوبزار تقریباً ننگا بستر پر بیٹھا ہے۔ میز پر شراب کی ایک بوتل پڑی ہے۔ دو گلاس پڑے ہیں اور ایک رکابی میں بیل کا بھنا ہوا دل رکھا ہے۔

کوبزار کے حواس قائم نہیں تھے۔ میں نے اس سے پوچھا

"یہ دل تم نے کہاں سے لیا ہے؟"

"کواپریٹو شاپ سے ۔۔۔ تم پوچھ لو اُن سے پوچھ لو۔"

"ضرور پوچھوں گا" میں نے کہا" دوستو چلیں اب یہ بے چارے کھانا تو کھالیں۔"

یہ کہہ کر ہم وہاں سے نکلے اور کواپریٹو شاپ پر پہنچے۔ میں نے دور سے دیکھا کہ اندر روشنی ہو رہی ہے۔ قریب پہنچ کر ایک درز میں سے جھانکا تو دیکھا کہ ایک میز پر گوشت، روٹی اور سبزیوں کے انبار لگے ہیں اور بہت سی بوتلیں پڑی ہیں۔ میز کے ارد گرد گاؤں کا ملّا، دکان کا منیجر اور اسسٹنٹ منیجر تین ننگی عورتوں کو لئے بیٹھے ہیں۔ میں نے چوائی کو پچھلے دروازے پر کھڑا کیا، کراس کو سامنے کے دروازے پر اور اونچی آواز میں کہا

"دروازہ کھولو ورنہ گولی مارتا ہوں۔"

"کون ہے؟" اندر سے سہمی ہوئی آواز میں کسی نے پوچھا۔

"میں، کراوچنکو! فوراً دروازہ کھولو۔"

مجھے دیکھتے ہی عورتیں رونے لگیں۔ ایک نے کہا "میں تو اس لئے یہاں آئی کہ بھوکی تھی۔" دوسری بولی "مجھے تو گھسیٹ کر یہاں لائے ہیں۔" تیسری چپ چاپ روتی رہی۔ میں نے انہیں کپڑے پہنا کر وہاں سے نکال دیا۔ پھر میں نے کھانے کے سامان کا جائزہ لیا۔ اس کے بنڈل بندھوائے اور تینوں کی پیٹھ پر لدوا کر سوویت کے دفتر آ گیا۔ صبح پولیس نے آکر تینوں کا چالان کر دیا۔ اور انہیں حوالات میں بند کر دیا گیا۔

کسانوں کو اس واقعے کی خبر ہوئی تو وہ مجھ سے بہت ناراض ہوئے " آپ نے انہیں عدالت میں کیوں

بھیجا۔ یہ تو ہم ہی جانتے ہیں کہ ان سے انصاف کیسے ہونا چاہیئے۔"

غلّے کا ذخیرہ کرتے ہوئے اچانک مجھے معلوم ہُوا کہ سرکاری دفتروں کے نیچے بڑے بڑے تہ خانے ہیں جن میں غلّے کی ان گنت بوریاں حکومت کی طرف سے محفوظ کی گئی ہیں۔ لاکھوں انسان ایک ایک دانے کو ترستے ہوئے مر گئے لیکن حکومت غلّہ محفوظ کرتی رہی۔ بعد میں مجھے معلوم ہُوا کہ حکومت نے اس قحط زدہ علاقے میں جگہ جگہ خفیہ گودام غلّے سے بھر رکھے ہیں۔ اس کی ضرورت میری سمجھ میں آج تک نہیں آسکی۔ اس کی وجہ سٹالین کے پولٹ بیورو کو معلوم ہوگی۔ وہی بتا سکتا تھا۔ لیکن اس نے نہیں بتائی۔

کٹائی ختم کرنے کے بعد ایک شام کو جب سورج ڈوب رہا تھا، اور میں کسان عورتوں اور مردوں کے رسیلے گیتوں کی میٹھی آواز سن رہا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ یوکرائن زندہ ہے۔ بھوک اسے کھا نہیں سکی۔ موت اُسے ختم نہیں کر سکی۔ بھوک اور موت کے باوجود یوکرائن گا رہا ہے۔

میں نے جلد ہی محسوس کیا کہ کسان جلوس کی شکل میں میری طرف آرہے ہیں۔ آگے آگے بوڑھا سکول ماسٹر پیٹرو وچ ہے۔ عورتوں نے اپنے بہترین جوڑے پہن رکھے ہیں ہاتھوں میں پھولوں کی ڈالیاں لئے مردوں کے ساتھ ساتھ آرہی ہیں۔ مردوں کے چہرے خوشی سے کھلے ہوئے ہیں۔ بڑا حیات آفریں منظر تھا!

یہ جلوس میرے پاس آکر ٹھہر گیا

"ڈکٹر کراوچنکو" پیٹرووچ نے آگے آکر بلند آواز میں کہا تاکہ سب سن سکیں۔ "ہم نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔ کٹائی مقررہ تاریخ سے دس روز قبل ختم ہوگئی ہے۔ ہم میں سے اکثر بھوک سے نیم مردہ تھے۔ ہمارے ہاتھ پاؤں ناتواں تھے۔ لیکن ہم نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔"

اس کے بعد انہوں نے چھوٹے چھوٹے ڈھولک اور باجے نکال لئے اور ناچنا اور گانا شروع کر دیا۔ رات کو بڑے ٹھاٹھ کی ضیافت ہوئی جس میں خوشی کے فوارے اُبل رہے تھے۔ گھر آکر میں نے پولٹیکل ڈیپارٹمنٹ کو اپنی آخری رپورٹ بھیجی جس میں بتایا کہ ہم نے مقررہ تاریخ سے پہلے کام ختم کر دیا ہے۔ میں نے چوروں کا بھی ذکر کیا اور سفارش کی کہ کوبزار، چرا اور کچھ اور آدمیوں کو نکال دیا جائے۔

اگلے دن جب میں کھیتوں سے واپس آرہا تھا میں نے دور سے دیکھا کہ ایک بڑی عمدہ سی کار چلی آرہی ہے۔ میں نے گھوڑا دوڑایا اور کار کے پاس پہنچا۔ کار رک گئی۔ اندر سے پانچ چھ آدمی اُترے جن کے آگے آگے کامریڈ ہنیاوچ تھے۔ میں نے انہیں سلام کیا۔

"کامریڈ کراوچنکو! تم نے کام کب ختم کیا؟" انہوں نے پوچھا

"تین روز ہوئے۔ اب تو بٹائی بھی ہو چکی ہے۔" میں نے کہا

"یہ تو ٹھیک ہے مگر میں نے تمہارے بارے میں بہت سی باتیں سنی ہیں۔ تم نے کس کی اجازت سے جَو کاٹنے کی اجازت دی اور کسانوں کو کھڑی فصل کیوں کھلا دی؟ تم وفادار کمیونسٹ بھی ہو یا کوئی انارکسٹ ہو؟"

میں نے نہایت سکون سے جواب دیا "کامریڈ ہتیاوچ! اس کے سوا چارہ ہی نہیں تھا۔ بچے مر رہے تھے۔ گھوڑے مر رہے تھے۔ کسانوں میں اتنی سکت باقی نہ رہی تھی کہ وہ فصل کاٹ سکیں۔ اب حکومت کو اس کا پورا حصّہ مل گیا ہے، اگر میں کسانوں کو کھڑی فصل نہ کھلاتا تو حکومت کو بہت بھاری نقصان ہوتا۔"

انہوں نے مجھے بازو سے پکڑا اور ایک طرف لے گئے جہاں ان کے ساتھی ہماری باتیں نہیں سن سکتے تھے۔ پھر انہوں نے نہایت شفقت اور نرمی سے باتیں کیں۔ غالباً شروع میں انہوں نے جو لہجہ اختیار کیا وہ "دفتری کارروائی" کا جزو تھا۔ انہوں نے کہا

"تمہیں معلوم نہیں کہ حالات کیا ہیں۔ ہماری حکومت اور کسانوں کے درمیان موت اور حیات کی کشمکش جاری ہے۔ ہزارہا کسان مر گئے ہیں اور ان کی موت ہمارے دامن پر ایک بہت بدنما دھبہ ہے —— لیکن نظریاتی طور پر ہماری فتح ہوئی ہے۔ اجتماعی کھیتی کا طریقہ کامیاب رہا ہے۔

کامریڈ کراوچنکو تم نے جو کچھ کیا ہے میں اس کا دل سے مداح ہوں۔ تمہارے سامنے میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ کسانوں کی حالت پر میرا دل خون کے آنسو روتا ہے، لیکن پارٹی پالیسی کی خلاف ورزی بھی تو نہیں کی جا سکتی —— تاہم میں نے تمہیں جو بُرا بھلا کہا ہے اُسے یاد رکھنا —— اور اگر کوئی تم سے پوچھے تو یہ کہہ دینا کہ میں نے تم کو سمجھایا ضرور تھا ......"

مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ ہتیاوچ جیسا زبردست آدمی بھی اس بات سے ڈرتا ہے کہ اسے پارٹی سے نکال دیا جائے گا +

پہلی جواب طلبی

قحط زدہ علاقوں سے لوٹ کر نیپرو پیٹروسک کی عام زندگی اختیار کر لینا ممکن نہیں تھا۔ کارخانہ جلسے اور گھر کی زندگی میری گھناؤنی یادوں کے سامنے ہیچ تھے۔ میں مضطرب اور بے چین تھا۔ ابّا نے مجھ سے پوچھ گچھ کی لیکن میں انہیں کچھ بتا نہ سکا کمیونسٹ آہستہ آہستہ اخبارات اور سیاسی جلسوں کے عادی ہو جاتے ہیں لیکن مجھے ان سے خوف سا آتا تھا۔

میرا خیال ہے کہ ان دنوں میرے لاشعور میں پارٹی سے علیحدہ ہونے کا جذبہ پیدا ہو چکا تھا۔ دیہات کے دورے نے میرے دل میں جو گھاؤ ڈال دیئے مندمل ہونے والے نہ تھے۔ لیکن میں بظاہر اپنے آپ کو سمجھاتا رہا اور اپنی روح کو سمجھوتوں پر مجبور کرتا رہا۔ "پارٹی کو یکدم "چھوڑا" بھی تو نہیں جا سکتا" میں سوچا کرتا "دلچسپی بھی نہیں چھوڑی جا سکتی ورنہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا عقیدہ آہستہ آہستہ دم توڑ رہا ہے۔ پارٹی میں شامل ہونے کے بعد تو آدمی ہمیشہ کے لئے اسی کا ہو رہتا ہے۔ اسے نکالا تو جا سکتا ہے جس کا مطلب تباہی ہے ——— لیکن آدمی خود تو نہیں چھوڑ سکتا۔

اگر میں اپنے شکوک کا اظہار کر دیتا تو مجھے کارخانے سے نکال دیا جاتا۔ ذلیل کیا جاتا مجھ پر مقدمہ چلایا جاتا۔ مجھے جلا وطن کر دیا جاتا یا شاید مار ڈالا جاتا۔ اس لئے مجھے اپنے صحیح جذبات کو اپنے ان جان میں دفن کر دینا تھا۔ میں نے پارٹی سے اپنی وفاداری کے جذبات کو تازہ کرنے کی کوشش شروع کر دی اور چونکہ پارٹی سے چھانٹی کی جانے والی تھی اس لئے یہ کوشش اور بھی ضروری تھی۔

چھانٹی کرنے کے لئے کمشن بن رہے تھے جنہیں دفتروں اداروں سکولوں اور کارخانوں میں تحقیقات کرنی تھی مجھے نامعلوم آنکھوں اور کانوں کی موجودگی کا بھی شدت سے احساس تھا۔ ان بھاری فائلوں کی بھی خبر تھی جن میں گناہوں کا حساب رکھا جاتا تھا۔ اور ان ذاتی دشمنوں کے خطرے کی آگاہی بھی تھی جو مجھے نقصان پہنچا لے

کے درپے تھے۔

میرے ذہن میں ایک سوال گونجتا تھا — کیا میں بچ سکوں گا؟ اور یہ سوال ہر کمیونسٹ کے دل میں تھا۔ ہماری ہر حرکت میں اس کی مضطربانہ گونج تھی۔ ہماری ہر بات میں اس کا اثر تھا۔ ہم نے مستقبل کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا کیونکہ اس مشکل کو حل کئے بغیر کوئی مستقبل ہی نہیں تھا۔

کارخانے کے باہر ایک صندوق لگا دیا گیا تاکہ کمیونسٹوں کے خلاف گمنام اور واضح شکایات اس میں ڈالی جائیں۔ خفیہ پولیس والے آہنی دروازوں کے پیچھے ان شکایات کو پڑھتے۔ ضروری کاغذات اور حوالے جمع کرتے اور فائلیں بناتے تھے۔ یہ ذاتی انتقام لینے کا بہترین موقعہ تھا۔ حاسدوں اور دشمنوں کے لئے بدلے لینے کا زریں وقت تھا۔

چھانٹی کرنے والا کمشن تین ممبروں اور ایک چیرمین پر مشتمل تھا۔ یہ ایک قسم کی عدالت تھی جو مقدمہ بھی چلاتی اور فیصلہ بھی کرتی تھی۔ ہمارے کارخانے میں جو کمشن بیٹھا اس کا چیرمین کامریڈ گیلیمبو (Galembo) تھا جسے بعد میں لوہے کی صنعت کا بہت بڑا افسر بنا دیا گیا۔

جو لوگ کمشن کے سامنے حاضر ہوتے ان سے پارٹی کا کارڈ چھین لیا جاتا اور انہیں سابق ممبر بنا دیا جاتا۔ سابق ممبر اور عام لوگوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ سابق ممبر اس شخص کو کہتے ہیں جسے ممبر بننے کے قابل نہیں سمجھا گیا۔ اس پر ہمیشہ شبہ کیا جاتا ہے۔ اسے ترقی نہیں دی جاتی اور کسی ہنگامے کے زمانے میں اسے عوام کا دشمن قرار دے کر پکڑ لیا جاتا ہے لیکن پارٹی ممبر کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ اسے نکال دیا جائے۔ کیونکہ پھر اسے سیاسی کوڑھی سمجھا جاتا ہے۔ اس کے پرانے دوست ملنے سے کتراتے ہیں۔ رشتہ دار اسے ٹھکراتے ہیں۔ اس سے بات کرنا بھی گناہ ہے۔

اسی لئے ۱۹۳۳ میں جب پارٹی سے لوگوں کو نکالنے کے لئے چھان بین شروع ہوئی تو ہم سب ڈر رہے تھے۔ یہ خوف مالیخولیا کی حد تک پہنچ گیا۔ اخبارات میں ہر روز ان لوگوں کے نام چھپ رہے تھے جنہیں نکالا گیا تھا۔

ممبر رہنے کی سب سے پہلی شرط پارٹی کی مکمل غلامی اور خصوصاً سٹالین کی ذاتی وفاداری تھی۔ ملزم کی ذاتی زندگی اور اس کے نجی خیالات ہدف ملامت بن سکتے تھے۔ مقدمے کی کارروائی کیا تھی۔ گھٹیا قسم کی جواب طلبی دھمکیاں اور لالچ۔ ملزم کے لئے یہ انتہائی خوفناک وقت تھا اور عام لوگوں کے لئے سرکس کا تماشہ۔ پارٹی کے تمام ممبروں کو پوری کارروائی سننے کی ہدایت تھی۔ کسی کو یہ نہیں بتایا جاتا تھا کہ اس پر کیا الزام ہے۔ اور یہی اس ڈرامے کا سب سے مایوس کن منظر تھا۔ ہر ممبر اندھیرے میں تھا اور جب یکدم اس کے الزامات کا اعلان کیا جاتا تو وہ بوکھلا جاتا اور صفائی پیش نہ کر سکتا۔

اگر آپ نے آج سے تین سال پہلے کبھی دوستوں کے مجمعے میں کھل کر بات کی تھی تو یقین مانئے کہ وہ بات کمشن تک پہنچ چکی ہے۔ آپ کا کوئی چچا زاد کے زمانے میں افسر تھا۔ مان لیا کہ آپ اس سے کبھی نہیں ملے

لیکن اگر کوئی آپ پر یہ الزام لگا دے کہ آپ اسے چھپائے بیٹھے ہیں؟ تو آپ کیا کریں گے۔ ایک عورت جس سے کبھی آپ کے دوستانہ تعلقات تھے اب کسی شبہہ میں پکڑی گئی ہے۔ اگر آپ سے اس "عوام دشمن" عورت سے تعلقات رکھنے کی بنا پر باز پرس کی جائے تو؟ پاولوف (Pavlov) میرا دوست ہے لیکن اسے پارٹی سے نکالا جا رہا ہے۔ میں اس سے اپنے تعلقات کو کیسے چھپاؤں؟ کمشن کے سامنے عام طور پر پارٹی کے ممبروں کو ان سب مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

ہمارے کارخانے میں کمشن کی عدالت کا افتتاح کامریڈ گیلیمبو کی ایک لمبی اور اکتا دینے والی تقریر سے ہوا۔ انہوں نے کہا کہ ہماری پیاری پارٹی میں دشمن عناصر نے جگہ حاصل کر لی ہے۔ ان کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جو زار شاہی کے حامی ہیں اور دوسرے وہ جو عوام کے دشمن ہیں۔ ہمارا مقصد ان لوگوں کو بے نقاب کرنا اور انہیں باہر نکالنا ہے۔ پارٹی نے اجتماعی کھیتی کے رواج کی تکمیل کر لی ہے۔ جاگیرداروں کے طبقے کو تباہ کر دیا گیا ہے پانچ سالہ منصوبہ بھی پروان چڑھ چکا ہے۔ اور ہم نے نئے منصوبہ پر عمل کرنا شروع کر دیا ہے۔ ہم سوشلزم اور خوشحالی کی راہ پر چل رہے ہیں۔ لیکن جن لوگوں کو اس بات میں شبہ ہے۔ غنڈے ہیں۔ عوام کے دشمن ہیں۔ ان کے وجود سے پارٹی کو پاک کرنا ہے پارٹی کی صحت اور اس کے عظیم قائد اور ہمارے باپ ہمارے محبوب کامریڈ سٹالین کی خاطر ہمیں عوام دشمنوں کو عوام کے سامنے مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کرنا ہے۔

"عظیم قائد" "ہمارے باپ ہمارے محبوب کامریڈ سٹالین" کے نام پر بڑے زور شور سے تالیاں پیٹی گئیں جن میں کامریڈ گیلیمبو کی تقریر کے آخری فقرے ڈوب گئے۔ پھر کمشن کے ممبر ایک چبوترے پر بیٹھ گئے۔ پاس ہی کامریڈ سٹالین کا ایک مجسمہ رکھا تھا جس کو پھولوں سے لاد دیا گیا تھا۔ دیواروں پر پولٹ بیورو کے ممبروں کی بڑی بڑی تصویریں لٹک رہی تھیں۔

ایک کمیونسٹ طلب کیا گیا۔ اس نے اپنا پارٹی کارڈ میز پر رکھ دیا اور اپنی زندگی کے واقعات سنانے شروع کر دیئے۔ اس نے اپنے خاندان کے حالات بیان کئے۔ اور اپنے گناہوں اور غلطیوں کا اقرار کیا۔

ملزموں کے لئے بہترین بات یہی تھی کہ وہ اپنے ان گناہوں اور غلطیوں کا خود ہی اقرار کر لیں جو پارٹی کو معلوم ہیں۔ "اخفا" کو بہت بڑا جرم سمجھا جاتا تھا۔

اقرار کے بعد کمیشن کے ممبر سوال کرنے شروع کر دیتے ہیں۔ اس کو ایسی باتیں یاد دلائی جاتی ہیں جو وہ چھوڑ گیا ہے۔ چنانچہ وہ تردید میں چکر میں پڑ جاتا ہے۔ کامریڈ اس کی حمایت یا مخالفت میں گواہیاں دیتے ہیں اگر کمشن کا رویہ دوستانہ ہوا تو یہ سارا ڈرامہ جلد ختم ہو گیا۔ لیکن اگر صورت دوسری ہوئی تو ہجوم نے چلا چلا کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔ ان غوغا آرائی میں ملزم کے دوست رشتہ دار اور بہن بھائی سب سے آگے ہوتے ہیں تاکہ وہ اس کے ساتھ ہی نہ ہو جائیں۔ ملزم جواب دیتا ہے۔ اپنی بے گناہی کے ثبوت پیش کرتا ہے روتا ہے —— باحواس کھو کر خاموش ہے۔

جو لوگ اس مرحلے سے گزر جاتے ہیں انہیں پارٹی کارڈ واپس مل جاتے ہیں۔ دوست مبارکباد دیتے ہیں جن کو پارٹی سے نکال دیا جاتا ہے وہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور لوگ ان بدنصیبوں کی نظروں سے اوجھل ہو جانا چاہتے ہیں کوئی ان سے بات نہیں کرتا کوئی ان کے پاس نہیں پھٹکتا ــ چنانچہ کئی ممبر پارٹی سے نکلنے کے بعد خودکشی کر لیتے ہیں۔ روس کی وسیع سرزمین میں ایسی ہی عدالتیں لگی تھیں اخبارات اور ریڈیو ان کی خبریں نشر کرتے نہ تھکتے تھے۔ تخفیف کے اس طریقے کو "پارٹی ڈیموکریسی" کہا جاتا ہے۔

عدالت میں بیٹھے ہوئے مجھے محسوس ہوا کہ اس عظیم ناٹک کا واحد تماشائی میں ہوں ہزار ہا مرد و عورت جس کے ایکٹر ہیں اور روس کی وسیع زمین جس کی سٹیج ہے۔ میں نہایت بے چینی سے اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا۔

چیرمین گیلیمبو نے آواز دی "کامریڈ سانن" (Ganin)

ایک ۳۵ سالہ آدمی جس کے بال بھورے تھے پھرتی سے سٹیج پر چڑھا اور اپنا کارڈ میز پر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ لمبے قد کا دبلا آدمی تھا۔ آنکھوں پر چشمہ لگائے تھا ہم سب اسے جانتے تھے۔ وہ حساب کا لیکچرار تھا۔ ہم سب اسے پسند کرتے تھے کیونکہ وہ ہمیں بڑی محبت سے پڑھاتا تھا اور کسی پر سختی نہیں کرتا تھا۔ اس نے اپنی کہانی سنائی وہ کسان کا بیٹا تھا۔ پارٹی ممبر بننے سے پہلے کمسومل بنا۔ کارخانے میں کام کیا۔ تعلیم حاصل کی۔ پھر پروفیسر بن گیا۔

کمشن کے ایک ممبر نے گلا صاف کیا اور کہا "کامریڈ سانن کیا تم نے اپنی تعلیم کے دوران میں کچھ اور طلبا کے ساتھ ٹراٹسکی کے کسی معاہدے پر دستخط کئے تھے؟"

لوگوں میں کانا پھوسی شروع ہو گئی۔

کامریڈ سانن نے کہا "ہاں۔ لیکن میں نے اس کی تردید کر دی تھی۔ اس بات کو مدت ہو چلی ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ میں نے اس کی تردید کر دی تھی"

"تو تم مانتے ہو کہ تم نے دستخط کئے تھے" ممبر بولا۔

"میں مانتا ہوں۔ میں نے کبھی یہ بات چھپائی نہیں۔ میرے ساتھیوں کو اور پارٹی کو معلوم ہے کہ میں نے یہ غلطی کی تھی اور پھر اس کا اقرار بھی کر لیا تھا" کامریڈ سانن نے کہا۔

"کامریڈ سانن ممکن ہے پارٹی کو "سب کچھ" معلوم ہو" ممبر نے سادہ پرکاری سے کہا "کیا پارٹی کو یہ بھی معلوم ہے کہ تمہارے بعض خیالات پارٹی لائن کے خلاف ہیں"

ہال میں اضطراب بڑھ گیا۔ مجھے کو خون کی بو آ رہی ہے۔ اب سے چند منٹ پہلے کے دوست پریشان ہو رہے ہیں۔ انہوں نے سانن پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی ہے تاکہ وہ پھنس جائے اور وہ بچ جائیں۔ انہیں اس کی خامیوں کا علم ہے اور وہ اس علم کو استعمال کر رہے ہیں۔ سانن گھبرا جاتا ہے۔ اب اس کے منہ سے جو بات نکلتی ہے وہ الجھی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ جال میں پھنستا چلا جاتا ہے۔ پھر کچھ سوچ کر اور گلا کھنکار کر وہ کہتا ہے۔

"مدت ہوئی میں نے اپنی غلطی پر ندامت کا اظہار کیا تھا۔ میں دل سے کبھی ٹراٹسکی کا حامی نہیں رہا۔ میں ان

کی پارٹی میں کبھی شریک نہیں ہوا۔ صرف ایک دفعہ میں نے ایک عہد نامے پر دستخط کیے تھے جن پر میں فوراً نادم ہوا۔ یہ لوگ جو مجھے ملزم گردان رہے ہیں یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں۔ خدا جانے یہ سچ کیوں نہیں بولتے۔۔۔"

چیرمین اس کی بات کاٹتا ہے۔ اس کی آواز اور اس کا لہجہ حقارت میں ڈوبا ہوا ہے ـــ "میں جانتا ہوں تم جیسے ٹراٹسکی کے حامیوں کو۔ مجھے معلوم ہے کہ پارٹی کے دشمن کیسے چولا بدل لیتے ہیں۔ ہمارے پاس کافی شہادتیں موجود ہیں جو یہ ثابت کر دیں گی کہ تم دل سے نہیں بدلے۔ تمہارے گہرے دوستوں کو تم پہ یونہی تو شک نہیں" پھر اس نے مجمع کی طرف رخ کر کے پوچھا "کون بولنا چاہتا ہے؟"

اب کسی کو اس بات میں شبہ نہیں کہ قسمت نے سانن کو تنہا چھوڑ دیا ہے۔ اس کے دوست سامنے آتے ہیں اور اس کو تباہی کے تاریک اور ہولناک سمندر میں دھکیلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ گر چکا ہے۔ جو آتا ہے اس پہ پتھر پھینکتا ہے ایک بھی اس کے خلاف کوئی ٹھوس شہادت پیش نہیں کرتا۔ جو آتا ہے یہ کہہ کر سٹیج سے اتر جاتا ہے کہ سانن جاسوس ہے۔ دھوکہ باز ہے۔ وہ پارٹی کا دشمن ہے۔

ـــ لیکن جب ایک مشہور اور معزز انجینئر نے شہادت دینے کی اجازت مانگی تو اچانک فضا بدل گئی۔

"میں نے تمام الزامات کو غور سے سنا" اس نے باریک مگر صاف آواز میں کہا "ہم ایک پارٹی ممبر کی سیاسی زندگی کا فیصلہ کر رہے ہیں۔ کامریڈ سانن کے خلاف ابھی تک کوئی ٹھوس الزام نہیں لگایا گیا۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان پہ کیا الزام ہے؟"

تمام ہال کو جیسے بجلی کا تار چھو گیا ہو۔ مجمع سن ہو جاتا ہے۔

لیکن پھر لوگ کمشن کے ممبروں کی بدلی ہوئی نگاہیں دیکھ رہے ہیں۔ وہ سانن کے خلاف کوئی ٹھوس شہادت پیش نہیں کرتے۔ وہ الزام لگائے بغیر فیصلے کر رہے ہیں۔ گالیاں دے رہے ہیں۔ گھونسے تان رہے ہیں۔۔۔۔

انجنیئر چپ چاپ اسٹیج سے اتر آتا ہے۔ کامریڈ سانن کو پارٹی سے نکال دیا جاتا ہے۔۔۔۔

اس کے فوراً بعد ہم ایک طالب علم کے گناہوں کا اقرار سن رہے ہیں۔ یہ سانولے رنگ کا گھنگھریالے بالوں والا دبلا پتلا لڑکا ہے۔ پارٹی کا ممبر ہوئے اسے بہت مدت نہیں ہوئی۔ اس کی داستان مختصر ہے۔ چنانچہ اس پر بہت جلد سوالات شروع ہو جاتے ہیں۔

"کامریڈ شلمان (Shulman) انقلاب سے پہلے آپ کے ماں باپ کس درجے کے لوگ تھے؟"

"میرا باپ درزی تھا۔ ماں گھر کا کام کاج کرتی تھی۔"

"بکتا ہے" ہجوم میں سے کوئی چنگھاڑ کر کہتا ہے۔

ہجوم میں بے تابی بڑھ جاتی ہے کہ مقدمہ دلچسپ ہو رہا ہے۔ شلمان کا چہرہ اداس ہے۔ اس کی آنکھیں پھیکی ہیں۔ اس کا کوئی دوست نہیں۔

کمشن گواہ کو اسٹیج پر بلاتا ہے۔

میں اور شلمان چرکسی (Cherkassy) کے رہنے والے ہیں۔ میں نے شلمان کو کئی سال کے بعد آج دیکھا ہے۔ لیکن میں اس کے والدین کے حالات جانتا ہوں۔ اس کا باپ درزی کی دکان تو ضرور کرتا تھا لیکن اس نے کئی اور درزیوں کو ملازم بھی رکھا تھا۔ وہ مزدوروں کو لوٹتا تھا۔ مزدوروں کو لوٹنے والے کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے شلمان کو پارٹی سے نکال دینا چاہیے۔"

"تمہیں کچھ کہنا ہے؟" صدر درشتی سے پوچھتا ہے۔

"میرا باپ مزدوروں کو لوٹتا نہیں تھا۔ اس نے کسی کاریگر کو ملازم نہیں رکھا تھا۔ بلکہ یہ دکان اُن سب کی تھی۔ میرا باپ البتہ کام کا انچارج تھا کیونکہ وہ عمر میں سب سے بڑا اور کام میں سب سے اچھا تھا۔ میں قسم کھاتا ہوں کامریڈ میں نے سچ کہا ہے۔ اس کے علاوہ میرا اُس کی دکان سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ میں ایک اور شہر میں ایک کارخانے میں ملازم تھا۔"

"وہ تمہارا باپ تھا یا نہیں تھا؟"

"تھا۔ تھا۔"

"تو تم نے پارٹی سے یہ بات چھپائی کہ تم مزدوروں کے لوٹنے والے خاندان کے فرد ہو۔"

"میں نے کچھ نہیں چھپایا۔ دکان تو ساجھے کی تھی۔ میں ایک کارخانے میں کام کرتا تھا اور پارٹی ممبر اور طالب علم کی حیثیت سے میرا ریکارڈ صاف ہے۔"

اس کی آواز بھرائی ہوئی ہے۔ اس کے الفاظ واضح نہیں۔ وہ سخت گھبرایا ہوا اور پریشان ہے۔ مجمع اُس پر آوازے کس رہا ہے۔ پھبتیاں کہہ رہا ہے۔ طنز کر رہا ہے۔ گالیاں دے رہا ہے......

"نکالو حرامی کو" ایک آواز آتی ہے۔ "گندا انڈا" دوسری آواز آتی ہے۔

"پارٹی سے باتیں چھپاتا ہے، عوام کا دشمن ہے، زناہے، نکالو، نکالو، نکالو......" کئی مسلسل آوازیں آ رہی ہیں۔

کامریڈ شلمان کی آنکھیں آنسوؤں میں ڈوب جاتی ہیں۔ اُس کو راستہ سجھائی نہیں دیتا۔ اس کے قدم ڈگمگا رہے ہیں۔ دنیا اس کے لئے ختم ہو گئی ہے۔ اس سے جینے کا حق چھین لیا جاتا ہے......

کامریڈ زاریو (Tsarev) کی باری آتی ہے۔ اس کی عمر چالیس کے لگ بھگ ہے لیکن ابھی وہ تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ اس کے ماتھے اور گالوں پر مصیبتیں اپنا نقش چھوڑ گئی ہیں۔ اس کی سرگزشت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کئی سال فوج میں رہا ہے۔ پھر وہ ایک کارخانے میں کام کرنے لگا۔ یہیں اس نے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اس کی شادی ہو چکی ہے اور دو بچے ہیں۔

"کامریڈ زاریو اجتماعی کاشت کے بارے میں آپ کے ذاتی خیالات کیا ہیں؟" صدر پوچھتا ہے۔

"میں نے دیہات میں کام کیا اور جاگیرداروں کے طبقے کو ملیامیٹ کرنے میں خدمات انجام دیں۔ مجھے بعض

اقدامات سخت معلوم ہوتے تھے لیکن اصولی طور پر میں پوری طرح متفق تھا۔"

کامریڈ شاید تم میرا سوال نہیں سمجھے یا شاید سمجھنا نہیں چاہتے۔ میں پوچھنا یہ چاہتا ہوں کہ ان تاثرات کا تمہارے سیاسی رجحانات پر کیا اثر پڑا؟" صدر نے چبا چبا کر کہا۔

میں نے کبھی پارٹی کی مخالفت نہیں کی۔"

"بدقسمتی سے یہ بات صحیح نہیں۔" صدر اپنے کاغذات پر اسرار طریقے سے الٹ پلٹ کر دیکھتا ہے اور کہتا ہے" ہمارے پاس اس قسم کی شہادتیں موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تم نے بخارین کے اس بیان سے اتفاق کیا تھا جس میں اس نے کامریڈ سٹالین کی پالیسی پر نکتہ چینی کی تھی ___" پھر وہ اونچی آواز سے پکارتا ہے "کامریڈ کاساریک (Kasarik) اور سوموف (Somov) یہاں آؤ اور شہادت دو۔"

ان دونوں طالبعلموں کو ہم میں سے بہت سے آدمی جانتے ہیں۔ یہ اس قسم کے طالب علم ہیں جو پڑھتے کم اور بولتے زیادہ ہیں۔ وہ اسٹیج پر آ کر بڑی روانی کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم دیہات میں کام کر رہے تھے تو کامریڈ زاریو اجتماعی کاشت پر کڑی تنقید کیا کرتے تھے اور اس سے قطعی طور پر متفق نہیں تھے۔

کامریڈ زاریو بولنے کی کوشش کرتا ہے مگر بے سود۔ اس کے لئے کوئی اُمید نہیں۔

"پارٹی سے اختلاف رائے کا اب بھی اقرار نہیں کرتے؟" صدر کہتا ہے۔

"کرتا ہوں۔ لیکن انہوں نے بڑھا چڑھا کر باتیں بنائی ہیں۔ اس کے علاوہ تنقید کا مطلب مخالفت نہیں ہے۔ میں ایک انسان ہوں اور میرے گردوپیش دکھ ہی دکھ تھا ___"

صدر اُسے جھڑک کر خاموش کرا دیتا ہے۔ مبادا کچھ اور کہہ دے۔

"وفادار پارٹی ممبر سنٹرل کمیٹی اور ہمارے محبوب قائد کامریڈ سٹالین پر اعتبار کرتے ہیں ___ پارٹی کو تم جیسے گستاخ اور بدتمیز ممبروں کی ضرورت نہیں۔" پھر وہ گرج کر کہتا ہے "نکال دیا۔"

ہجوم زور زور سے تالیاں پیٹتا ہے۔

دخوف تسیو (Dukhovtsev) اپنا پارٹی کارڈ میز پر رکھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ وہ آٹھ سال کی عمر سے کام کر رہا ہے۔ رفتہ رفتہ فورمین ہو گیا۔ پھر جب پارٹی نے "ترقی پسند" انجنیئر پیدا کرنے کا فیصلہ کیا تو وہ بھی انتخاب میں آ گیا۔

وہ نہایت خود اعتمادی اور روانی کے ساتھ اپنی زندگی کے واقعات سناتا ہے

"کامریڈ تمہاری شادی کب ہوئی؟" صدر اچانک پوچھتا ہے۔

"ایک سال ہوا۔ میری بیوی ایک کلرک کی بیٹی ہے اور اب ہسپتال میں نرس کا کام کرتی ہے۔"

"تم نے اپنی شادی رجسٹر کرائی یا نہیں۔ میرا مطلب ہے تمہاری شادی کیسے ہوئی؟"

کامریڈ کا رنگ سرخ ہو جاتا ہے۔ اس کی مٹھیاں بند ہو جاتی ہیں اور جبڑے کڑکڑاتے ہیں۔ ہجوم ہمہ تن گوش ہے۔

ملزم دھیمی آواز میں کہتا ہے "میری شادی گرجے میں ہوئی"
ہجوم گہرے گہرے قہقہوں میں غرق ہو جاتا ہے۔ ہال میں سیٹیوں کی آوازیں آتی ہیں۔
ملزم کا رنگ زرد ہے۔ وہ بہت اونچی آواز میں رک رک کر کہتا ہے۔

"ساتھیو میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ ایک دلچسپ مذاق ہے۔ مجھے خود گرجے کی رسم بے ہودہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن مجھے اپنی بیوی سے عشق تھا۔ اور میرے سسرال والے اس بات پہ مصر تھے کہ میں گرجے میں شادی کرواؤں میری بیوی کو بھی ان توہمات سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن ہم دونو بوڑھے والدین کا دل توڑنا نہیں چاہتے تھے۔ مجبوراً ہم نے ایک دیہاتی گرجے میں نکاح پڑھوایا اور شہر آکر یہ بھول وغیرہ چھپا دیئے۔"

ہجوم ہنس ہنس کے پاگل ہوا جا رہا تھا۔

ملزم شرمندگی اور ذلت کے احساس سے کانپ رہا ہے۔ وہ اور اونچی آواز میں کہتا ہے —"ہم مذہبی لوگ نہیں ہیں۔ میری بیوی کام کر رہی ہے میں پڑھ رہا ہوں۔ ہمارا ایک بچہ ہے۔ خدا کے لئے ساتھیو رحم کرو۔ میری غلطی کو معاف کر دو۔ میں مانتا ہوں کہ پارٹی سے یہ بات چھپا کر میں نے بھاری جرم کا ارتکاب کیا ہے۔"

اسے دھتکار دیا جاتا ہے۔ اس کی التجائیں بے سود ہیں۔ اس کے آنسو بیکار ہیں۔ اسے پارٹی سے نکال دیا جاتا ہے۔ اسے کالج سے نکال دیا جاتا ہے۔ اس کی زندگی اس کا مستقبل ختم ہو چکا ہے۔

اگلا ملزم کامریڈ پیٹر یولکن (Peteryolkin) ایک ریسرچ سپیشلسٹ اور چوٹی کا عالم ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس کا باپ کسی زمانے پادری تھا اور یہی یولکن کا سب سے بڑا قصور ہے۔ ویسے اس کے باپ نے اب توبہ کر لی ہے اور "منکروں کے کلب" میں اپنی خدا ترسی کے گذشتہ داغ دھونے کے لئے شامل ہو چکا ہے۔

پیٹر فطری طور پہ ذہین اور محنتی آدمی ہے۔ اس نے علم کو علم کی خاطر حاصل کیا ہے۔ اس نے بہت سی مفید ایجادات بھی کی ہیں۔ آج صبح میری اس کی ملاقات جب راستہ چلتے اتفاق سے ہو گئی تو میں نے اس سے پوچھا تھا۔ "پیٹر کیا خیال ہے؟"

"بہت اچھا تو نہیں کون جانے کہ میرے پرزے آج شام کو ہوا میں اڑتے ہوئے نظر آئیں گے یا میں اسی زمین پہ کھڑا رہونگا۔"

اور اب وہ ایک بہت بڑے ہجوم کے سامنے اپنی نجی زندگی کے حالات سنا رہا ہے۔ اس کی تقریر نہایت شستہ اور عالمانہ ہے۔ وہ کہتا ہے "میں نے اپنی زندگی کے شرمناک حصوں پہ کبھی پردہ نہیں ڈالا۔ میرا باپ پادری تھا لیکن اس نے سرعام توبہ کر لی۔ میں نے اپنے بچپن کے توہمات کو اپنے دل سے دور کر دیا ہے۔ اب میں ریسرچ میں مصروف رہتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ میرے لئے پارٹی اور کامریڈ سٹالین کی خدمت کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے۔"

چیئرمین اس کی طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھتا ہے پھر کہتا ہے۔

"کامریڈ پولکن آپ سانن کو کب سے جانتے ہیں؟"

"ہم سکول میں اکٹھے پڑھتے تھے۔ اب یہاں اکٹھے پڑھاتے ہیں۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ سانن نے ٹراٹسکی کے ایک عہد نامے پر دستخط کئے تھے؟"

"ہاں۔ یہاں اور بھی بہت سے لوگ ہیں جنہیں یہ بات معلوم ہے۔"

"تم اپنی بات کرو۔" پھر اس نے گرج کر کہا "تم نے سانن کے خلاف گواہی کیوں نہیں دی؟"

"یہ بات ہر ایک جانتا تھا۔ میری خصوصی گواہی سے کوئی فرق نہ پڑتا۔ سانن اس بات کو جانتا تھا۔"

تم ایک پڑھے لکھے آدمی ہو۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ پارٹی کے اندر بعض لوگ ایسے ہیں جو تخریبی کاروائی کر رہے ہیں۔ تم نے بالشویک ہوشمندی" اور تدبر کا کوئی ثبوت دیا؟"

"سانن نے میرے سامنے کبھی کچھ کہا نہیں۔"

"پانومیریف (Ponomerev) کو جانتے ہو؟"

"ہاں اس نے بھی ٹراٹسکی کے عہدنامے پر دستخط کئے تھے۔"

"تم نے کمشن کو کیوں نہیں بتایا؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ ٹراٹسکی کے حامی تمہارے دوست تھے جن کی تخریبی کارروائیاں تم کمشن سے چھپاتے رہے۔"

کامریڈ پولکن کا کارڈ ضبط کر لیا جاتا ہے۔

مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ اس کا سارا خاندان تباہ کر دیا گیا۔ اس کی بہن کو بھی کالج سے نکال دیا گیا۔ اس کے باپ کی قربانی بے کار ہو گئی۔ اور وہ ہمیشہ کے لئے ذلت کے اندھیرے غاروں میں گر گئے۔

کامریڈ پولکن کو ہجوم میں گم ہوتے کسی نے نہیں دیکھا کیونکہ اب ان کے سامنے ایک جاذب نظر لڑکی کھڑی ہے وہ اتنی حسین تو نہیں لیکن سامنے کھڑی اچھی ضرور لگتی ہے۔ اس کی آواز صاف اور دلکش ہے۔ آنکھیں چمک رہی ہیں۔ وہ کہتی ہے کہ میں ایک بڑھئی کی بیٹی ہوں۔ بہت چھوٹی عمر میں کارخانے میں کام کرنے لگی۔ شام کو پڑھنا شروع کیا۔ پھر انجینئر بننے کے لئے منتخب کی گئی۔

صدر پوچھتا ہے "کامریڈ گرانیک (Granik) تمہاری شادی ہو چکی ہے؟"

"جی ہاں پانچ سال ہوئے۔"

"تمہارا خاوند کیا کرتا ہے؟"

"پہلے مزدور تھا۔ ہماری پہلی ملاقات کارخانے میں ہوئی۔ پھر وہ لوہا گلانے کی بھٹی پہ فورمین ہو گیا۔"

"وہ پارٹی کا ممبر ہے؟"

"پہلے تھا۔ اب نہیں۔"

"اس لئے پارٹی سے استعفا دیدیا یا وہ نکالا گیا تھا؟"

"نکالا گیا تھا۔ اس نے مزدوروں کی احتجاجی تحریک میں حصّہ لیا تھا۔"

"پھر تم نے اسے طلاق دے دی؟"

"نہیں"

"وہ اب کہاں ہے؟"

"اسے گرفتار کر لیا گیا تھا۔ خفیہ پولیس کی جیل میں ہے۔"

ہجوم خاموش اور بے تاب ہے۔ بیوی پارٹی کی ممبر۔ خاوند مرتد۔ یہ ایک صحیح قسم کے روسی ڈرامے کا منظر ہے جس میں بیوی مصنّف کی مدد سے ہمیشہ خاوند کی محبّت پر پارٹی کی محبّت کو ترجیح دیتی ہے۔

"تمہارا خاوند پہلی دفعہ جیل گیا ہے۔"

"دوسری دفعہ"

"اور تم نے ابھی تک طلاق نہیں دی۔ تم جیل میں اسے ملنے جاتی ہو؟"

"ہاں ہر ہفتے۔ میں اسے کھانے پینے کی چیزیں اور صابن وغیرہ پہنچاتی ہوں۔"

"اس کا اور کوئی رشتہ دار نہیں ہے؟ اس کی ماں بہنیں یہ کام کیوں نہیں کرتیں؟"

"وہ میرا خاوند ہے"

"تو وہ تمہارا خاوند ہے! لیکن تمہارے خیال میں پارٹی کی حفاظت کیا تنگ نظرانہ ذاتی تعلقات سے زیادہ اہم نہیں ہے؟"

"میں اس کو ہمیشہ سمجھاتی ہوں۔ کبھی کبھی تو ہمارا جھگڑا ہو جاتا ہے۔"

"تو تم محض جھگڑا کرنے کے لئے جیل جاتی ہو؟"

گیلیمبو کے طنز سے ہجوم کا سکوت درہم برہم ہو گیا لوگوں کے ہنسنے کی آوازیں آ رہی ہیں نکال دو نکال دو کے نعرے بھی سنائی دے رہے ہیں۔

لڑکی کو طیش آ جاتا ہے۔ وہ تھر تھر کانپ رہی ہے۔ وہ چیئرمین سے کہتی ہے "کامریڈ یہ عدالت ہے یا سرکس کا تماشہ؟ میں آپ سے مطالبہ کرتی ہوں کہ میرے ذاتی حالات کو چھوڑ کر میرے خلاف سیاسی الزامات کا اعلان کیا جائے۔"

"تو پھر تم ہمیں صحیح صحیح کیوں نہیں بتاتیں کہ تم عوام کے دشمن اور پارٹی کے مرتد سے ہر ہفتے ملنے کیوں جاتی ہو؟"

"کہا تو ہے کہ وہ میرا خاوند ہونے کے علاوہ انسان بھی تو ہے۔ اس وقت مصیبت میں ہے۔ اسے طلاق دینا انتہائی بزدلی کی علامت ہے۔ اس کے علاوہ ہم نے ساتھ ساتھ کام کیا ہے۔ ساتھ ساتھ پڑھے ہیں۔ ساتھ

ساتھ رہے ہیں۔ ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے جذبات ہیں۔ ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں

اس پر پھر قہقہے سنائی دیتے ہیں ـــ ایک پارٹی ممبر اور خفیہ پولیس کی جیل کے قیدی سے محبت،
چیئرمین فیصلے کا اعلان کرتا ہے "کامریڈ گرانیک کو آئندہ عوام کے مستقبل میں دخل انداز ہونے کا موقعہ نہیں دیا جائے گا۔"

سویٹ کوف کا نام سن کر میرا دل دھک دھک کرنے لگتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دیہات میں اس کے تجربات کا ذکر بھی آئے گا۔ اور ممکن ہے میرا ذکر بھی آجائے۔ سویت کوف جذباتی آدمی ہے۔ مجھے اس کی اور اپنی سلامتی کا بہت خطرہ ہے۔ وہ سٹیج پر کھڑا کمزور اور بے بس نظر آرہا ہے۔ اس کی کمسنی اس وقت اور بھی واضح ہو رہی ہے۔ وہ پریشان دکھائی دے رہا ہے ـــ لیکن وہ اپنی کہانی بڑے تسلسل کے ساتھ سنا رہا ہے۔ وہ ہال کے آخری کونے کی طرف دیکھتا ہے جہاں اس کا باپ کھڑا ہوا مسکرا مسکرا اس کا حوصلہ بڑھا رہا ہے۔ ایک دفعہ اس کی آنکھیں مجھ سے ملتی ہیں۔ میں مسکرا دیتا ہوں۔ وہ گاؤں کے واقعات سنا رہا ہے کہ چیئرمین اس کو ٹوکتا ہے۔

"کامریڈ سویٹ کوف تمہارا باپ پارٹی کا ممبر ہے؟"

"ہاں۔ اور وہ آپ کے سامنے پیش ہو کر باعزت طور پر بری ہو چکا ہے۔"

"تم ہمیں یہ بتاؤ کہ اجتماعی کاشت کے دوران میں تمہارے جذبات کیا تھے؟"

سویٹ کوف کا رنگ اڑ جاتا ہے۔ وہ میری طرف دیکھتا اور کہتا ہے "میں نے کام پوری دیانتداری سے کیا۔ مگر مجھے ماننا پڑتا ہے کہ گاؤں کے بعض واقعات میری پسند کے خلاف تھے۔"

"ہمارے پاس ثبوت موجود ہے ـــ" گیلمبو نے کہا "کہ تم کافی مستقل مزاج نہیں تھے۔ تمہارے دل میں شبہات تھے اور تمہارے فیصلے کمزور تھے۔ تمہیں اس کے جواب میں کیا کہنا ہے۔"

معاً مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اگر اس وقت سویٹ کوف کو سہارا نہ ملا تو وہ ہمت کھو بیٹھے گا۔ اُسے اتنا موقعہ تو ملنا چاہیئے کہ وہ اپنے حواس مجتمع کرلے۔ غیر ارادی طور پر میرے گھٹنے سیدھے ہو جاتے ہیں۔ میں بات کرنے کے لئے کھڑا ہوں۔

"تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟" صدر پوچھتا ہے۔

"میں آپ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ جس آدمی نے کامریڈ سویت کوف کے خلاف شکایات کی ہیں اس کا نام بتایا جائے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا اور تمام واقعات جانتا ہوں۔"

"اس کا نام آرشتنوف ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال تھا" میں فتح مندی کے لہجے میں کہتا ہوں۔ اس سے سویٹ کوف کو ایک راستہ مل جاتا ہے۔ آرشنوف کا نام سنتے ہی سویٹ کوف غصے اور جوش سے بھر جاتا ہے۔ اور نہایت خود اعتمادی

سے کہتا ہے۔

"آرشنوف جھوٹا ہے۔ اس کی شکایت کی وجہ ذاتی دشمنی ہے۔ اس نے میری شکایت کر کے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کی ہے۔ میں گاؤں میں پہلی بار گیا تھا۔ مجھے اس سے پہلے کوئی تجربہ نہیں تھا اور ممکن ہے کہ مجھ سے کچھ غلطیاں بھی ہوئی ہوں۔ لیکن آرشنوف نے نہایت ذلیل اور شرمناک ہتھکنڈے دکھائے۔ اس کے طور طریقوں کی پارٹی مذمت کر چکی ہے۔ واپس آکر ریجنل کمیٹی میں میں نے اس کی شکایت بھی کی تھی۔ مجرم تو وہ ہے۔"

میں اُٹھ کے کھڑا ہو جاتا ہوں۔ مجھے بولنے کا اشارہ کیا جاتا ہے۔

"میں نے کامریڈ سویٹ کوف اور کامریڈ آرشنوف کے ساتھ کام کیا۔ اس کی تفصیلات میں اپنی باری آنے پر بتاؤں گا۔ اس وقت میں صرف یہی کہنا چاہتا ہوں۔ کہ کامریڈ سویٹ کوف ایک مخلص خدمت گذار اور ریڈیکل کمیونسٹ ہے۔ وہ بہت اچھا آدمی ہے اگرچہ زیادہ تجربہ کار نہیں ہے۔ ہمیں اسے آرشنوف کے تیروں کا نشانہ بننے کا موقع نہیں دینا چاہیے —— اگر آرشنوف یہاں ہوتا تو میں اس کا قیمہ کر ڈالتا۔ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں یہاں اس کے "کارنامے" آپ کو سناؤں۔"

"ہاں ہاں ضرور" ہجوم چلا رہا ہے لیکن چیئرمین پریشان ہے۔ اسے اندیشہ ہے کہ میں گاؤں کے خوفناک حالات بیان کرنا شروع کر دوں گا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے۔

"کامریڈ اس وقت آرشنوف کے حالات سننے مقصود نہیں۔ یہ سویٹ کوف کا مقدمہ ہے۔ تمہیں آرشنوف کے بارے میں جو کچھ کہنا ہے کمیشن کو الگ بتا دینا۔"

سویٹ کوف میرے سہارے سے سنبھل جاتا ہے۔ میرے بعد تین آدمی اور دو عورتیں اس کی حمایت میں تقریریں کرتی ہیں۔ سویٹ کا کارڈ اُسے واپس مل جاتا ہے۔ وہ سیدھا میری طرف آتا ہے اور مجھ سے پُرجوش مصافحہ کرتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے ہیں۔ پھر وہ اس کارڈ کی پیشانی چومتا ہے اور اُسے گلے سے لگاتا ہے۔

میں سوچتا ہوں کہ سویٹ کوف کے بعد مجھے بلایا جائیگا۔ اور سویٹ کوف کے مقدمے میں میں نے کمیشن پر جو اچھا اثر ڈالا ہے اس سے مجھے فائدہ پہنچے گا لیکن اب کے جو نام پکارا جاتا ہے وہ میرا نہیں۔ کامریڈ گرنچنکو کا ہے۔ کامریڈ گرنچنکو مارکسزم اور لینینزم کے لیکچرار ہیں۔ اور ایک طرح سے کارخانے میں "روحانی باپ" کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر کارخانے میں کسی کو تنقید یا نکتہ سے بالا سمجھا جاتا ہے تو وہ کامریڈ گرنچنکو ہیں۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ مارکس ہر رات خواب میں اُن سے ملاقات کرتا ہے۔

کامریڈ گرنچنکو کا باپ ایک کسان تھا۔ انقلاب سے پہلے وہ ایک جاگیردار کے سائیس تھے۔ زار کی تباہی کے وقت ان کی عمر ۱۹ برس کی تھی۔ اسی زمانے میں وہ بالشویک ہو گئے۔ سرخ فوج میں انہیں کمپنی کمانڈر

کا عہدہ ملا۔ جنگ کے زمانے میں وہ کئی دفعہ زخمی ہوئے۔ ان دنوں انہوں نے خاص طور پر نظریہ اشتراکیت کا مطالعہ کیا جس کے بعد انہیں کارخانے میں اس مضمون کا استاد مقرر کر دیا گیا۔

کامریڈ گو چنگ تقریر کر رہے ہیں —— "ساتھیو میں نے ایک گناہ کیا ہے۔ میں آپ کے سامنے اس کا اقرار کرتا ہوں۔ میں ایک زمانے میں مسکرپنک کا ہم خیال تھا۔ میں نے پارٹی لائن سے انحراف کیا یہ میرے ماضی کا ایک شرمناک باب ہے جس پر میں نادم ہوں اور جسے اب میں بھول چکا ہوں۔"

"تو تمہیں سب کچھ بھول گیا ہے؟"

چیرمین نہایت طنز سے پوچھتا ہے۔ ہجوم یہ سن کر پوری طرح متوجہ ہو جاتا ہے۔

"تو اب تم اپنے پرانے ساتھیوں سے نہیں ملتے؟" چیرمین کچھ نام گنتا ہے۔

"کبھی راستہ چلتے ملاقات ہو جائے تو ہو جائے۔ اس سے تو مفر ہی نہیں —— لیکن اب میرے ان کے تعلقات ختم ہو چکے ہیں۔"

"تم نے ان میں سے کبھی کسی سے خط و کتابت نہیں کی؟"

"نہیں"

"پارٹی نے تمہیں معاف کرنے میں ایسی فیاضی کا ثبوت دیا تھا لیکن تم نے ان کے ساتھ راہ و رسم ترک نہ کی۔"

"میں ان سے تو کبھی نہیں ملا۔ ہاں ایک دفعہ ایک ایسے آدمی سے ملاقات ہو گئی تھی جو ان کا بھی شناسا تھا —— لیکن ہم نے سیاست پر گفتگو نہیں کی۔"

"تمہیں معلوم ہے یہ لوگ اس وقت کہاں ہیں؟"

"مجھے کسی نے بتایا تھا کہ وہ جیل میں ہیں۔"

"کس نے بتایا تھا؟"

"اسی شناسا نے جس سے اتفاقاً ملاقات ہو گئی تھی۔"

"تم نے ابھی کہا ہے کہ سیاست کے متعلق تم نے بات ہی نہیں کی۔"

"ہاں اس نے سرسری طور پر کہہ دیا تھا۔"

"تم ابھی بچے ہو کامریڈ۔ تم سمجھتے ہو کہ ہماری آنکھوں میں دھول جھونکی جا سکتی ہے۔ ہمیں اس ملاقات کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔ مثلاً یہ کہ جب تمہیں ان کی گرفتاری کا پتہ چلا تو تمہیں بہت غصہ آیا۔"

"یہ جھوٹ ہے۔"

"اس کے علاوہ ہمیں یہ بھی خبر ہے کامریڈ کہ تم لیو کے پیرو پہلے ہو اور لینن کے پیرو بعد میں۔ ہمیں تمہارے دو عزیز ترین دوستوں نے اطلاع دی ہے ——"

گرنچنکو کے حواس اڑ رہے ہیں۔ چیرمین ان کے دو گہرے دوستوں کے نام بتاتا ہے۔

"ہاں وہ میرے دوست تو تھے ——— جانے انہوں نے کیسے یہ باتیں کر دیں!"

"اور میرا خیال ہے گرنچنکو تم نے اجتماعی کاشت کی مخالفت تو کبھی نہیں کی" کمیشن کا ایک ممبر کہتا ہے

"ہرگز نہیں ——— اجتماعی کاشت کے بارے میں جو بحثیں ہوتی رہی ہیں ممکن ہے میں نے ان کا ذکر کیا ہو۔ لیکن میں نے پارٹی کے فیصلے کے خلاف تو زبان نہیں کھولی۔ ہرگز نہیں۔"

اس کے بعد شہادتیں پیش ہوتی ہیں لوگ گرنچنکو پر اندھا دھند الزامات لگا رہے ہیں۔ اس کے ثبوت میں وہ کوئی ٹھوس چیز پیش نہیں کرتے چند فقرے ان سے منسوب کر کے ان کو "مارکسزم کا دشمن" "پارٹی کا دشمن" "عوام کا دشمن" اور نجانے کیا کیا قرار دیے چلے جاتے ہیں۔ آخری گواہ کے بیان ختم ہونے سے پہلے ہی ہال میں خاموشی چھا رہی ہے۔ ہجوم کمشن کے فیصلے کو بھانپ گیا ہے لیکن وہ اس فیصلے کا ایک ایک لفظ خود سننا چاہتا ہے ———

"گرنچنکو جیسا پڑھا لکھا آدمی پارٹی کو بہت زیادہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔ گرنچنکو کو پارٹی سے خارج کیا جاتا ہے۔"

میں گرنچنکو کی تباہی پر غور کر رہا ہوں۔ اچانک میری باری آجاتی ہے۔ میں کارڈ میز پر رکھ دیتا ہوں اور اپنی زندگی کے واقعات مختصراً مگر سلیقے کے ساتھ سنا دیتا ہوں۔ میں کسی بات کو چھپانے کی کوشش نہیں کرتا۔ قحط اور فصلوں کی کٹائی کی تفصیل بھی سنا دیتا ہوں۔ یہاں میں اس بات کا اقرار کر لیتا ہوں کہ میں نے بعض جرأت مندانہ اقدامات کیے جو میری رائے میں ضروری تھے۔"

"تمہارا پارٹی کارڈ کیسے گم ہوا؟ تمہیں معلوم ہے کہ یہ بہت بڑا جرم ہے؟"

"مجھے معلوم ہے کامریڈ اور میں بہت نادم بھی ہوں۔ بات یوں ہوئی کہ کٹائی کے دوران میں ایک دن دوپہر کے وقت ایک ٹریکٹر ڈرائیور بے ہوش ہو گیا۔ میں نے اس کی جگہ سنبھال لی اور اضطراب میں کہیں میرا تھیلا کا گم ہو گیا۔ کارڈ اسی کی جیب میں رکھا تھا۔ میرے پاس پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کی چھٹی بھی ہے"

میں پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کی چھٹی پیش کرتا ہوں۔ صدر ایک نگاہ اس پر ڈال کر اسے میرے کاغذات کے ساتھ نتھی کر دیتا ہے۔

"ہمارے پاس شکایت پہنچی ہے کہ تم نے غلہ اکٹھا کرنے کے راستے میں روڑے اٹکائے اور پارٹی کے ایک نمائندے کو ذلیل کیا" چیرمین نے کہا۔

"حالانکہ واقعہ اس کے بالکل الٹ ہے۔ اس نے پارٹی کو ذلیل کیا ——— میرا خیال ہے آپ سے آرشنوف نے شکایت کی ہے۔ میں اس کے کچھ ہتھکنڈوں کا ذکر پہلے کر چکا ہوں۔ کامریڈ چیرمین یہ اس رپورٹ کی ایک نقل ہے جو میں نے اس کی ذلیل حرکتوں کے بارے میں ریجنل کمیٹی اور پراودا کو لکھی تھی۔ اس شخص کا کمیونسٹ کہلانا

دراصل لفظ کمیونسٹ کی توہین ہے۔ میں نے پارٹی کو اس کے ہاتھوں ذلیل ہونے سے بچانے کی پوری کوشش کی۔"

"کمشن تمام حالات سے باخبر ہے۔" وہ موضوع کو فوراً بدل دینا چاہتا ہے۔ مبادا کوئی حکومت کے مظالم کی داستان چھیڑ دے۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے "تم ہمیں اپنے طریقوں کے بارے میں کچھ بتاؤ۔"

میرے مقدمے میں یہ نازک ترین مرحلہ ہے۔ میں نے اس سوال کا جواب مدتوں سے سوچ رکھا تھا لیکن اب جانے کیا ہوا ہے۔ جو فقرے میں نے رٹے تھے وہ گیند بن کر میرے ذہن میں گھوم رہے ہیں میں اس گیند کو کھول نہیں سکتا۔ میں اقرار کر لیتا ہوں کہ میں نے پوری فصل کو بچانے کے لئے کچھ گندم کسانوں کو کھلا دی تھی۔ میں نے بچوں کے لئے ایک مرکز بھی کھولا تھا۔ میں نے بچوں کی پرورش کرنے عوام کو بچانے پیداوار کی حفاظت کرنے اور حالات کو سنبھالنے کے لئے جرأت مندانہ اقدامات کئے میں یہ سب کچھ مان لیتا ہوں اب میرا ذہن صاف ہے۔ میری خود اعتمادی عود کر آتی ہے میری آواز بلند ہو رہی ہے میں کہتا ہوں ——

"کامریڈ میتیا ورچ نے ذاتی طور پر میرا شکریہ ادا کیا۔ کیونکہ میں نے مقررہ تاریخ سے دس دن پہلے کٹائی ختم کروا دی۔ میرے پاس پولٹیکل ڈیپارٹمنٹ کا سرٹیفکیٹ موجود ہے۔"

چیرمین میری تیاری دیکھ کر کچھ پریشان سا ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس نے مجھے نکالنے کا فیصلہ کر رکھا تھا اب اس کا ارادہ ڈول رہا ہے۔ وہ ایک اور حملہ کرتا ہے۔

"تمہارا باپ پارٹی کا ممبر ہے؟"

"نہیں"

"تمہارے بھائی؟"

"نہیں"

"تمہارا باپ ۱۹۰۵ میں گرفتار کیوں ہوا؟"

"وہ بغاوت کا سرغنہ تھا"

"وہ کس پارٹی میں شامل تھا؟"

"وہ کبھی کسی پارٹی میں شامل نہیں ہوا کامریڈ گیلیمبو"

"اچھا" چیرمین حیرت سے کہتا ہے پھر گواہوں کو طلب کرتا ہے۔ دو تین آدمی آتے ہیں اور میری مخالفت کرتے ہیں لیکن ان کے حملے بہت بے جان ہیں۔ پھر کچھ لوگ میری حمایت کرتے ہیں۔ سویٹ کوف جذبات سے مغلوب ہو کر بولتا ہے —— ہجوم بے مزا ہو رہا ہے۔ لوگ سگریٹ پینے کے لئے باہر جا رہے ہیں سب بے لطفی ہے . . . . . مجھے کارڈ واپس مل جاتا ہے۔

اسٹیج سے اترنے سے پہلے میں کمیشن سے اس آدمی کا نام پوچھتا ہوں جس نے مجھ پر الزامات لگائے ہیں۔

"پارٹی کا ایک ممبر ہے کامریڈ سکرپن"۔

"ٹھیک ہے" میرے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل جاتی ہے "خفیہ پولیس والے سانولے نوجوان نے مجھے نہیں بخشا"۔

دوست میرے گرد گھیرا ڈالے کھڑے ہیں۔ میرا ہاتھ دبا رہے ہیں۔ زندگی میرے لئے ایک سیدھی سڑک ہے۔ میں ابھی پارٹی کا معزز ممبر ہوں۔

۱۹۳۴ کے شروع میں کامریڈ لازر (Lazar) نے ماسکو میں اعلان کیا کہ ۱۸۲۵۰۰ ممبروں کو پارٹی سے نکال دیا گیا ہے۔ بعض اضلاع میں ابھی تحقیقات ہو رہی تھی اس لئے کل تعداد تو اس سے بہت زیادہ ہو گی۔ چنانچہ بیس لاکھ آدمیوں کی زندگیاں "تحقیقات" کے بعد تباہ کر دی گئیں —— لیکن اس کے باوجود پارٹی کی "تطہیر" نہ ہو سکی۔ اور اس بات کا ثبوت میں خود ہوں۔ میں اس امتحان سے گزر چکا ہوں۔ میں ایسے ہزاروں ممبروں سے زیادہ تذبذب اور زیادہ پریشان تھا جن کو پارٹی سے نکال دیا گیا۔ اور مجھ سے اور بھی بہت سے لوگ ابھی پارٹی کے اندر موجود تھے۔ پارٹی کے اونچے افسروں کا خیال تھا کہ پارٹی کمزور اور خطرناک عنصر سے پاک کر دی گئی ہے مگر اصل حقیقت صرف پارٹی کے ادنےٰ ممبروں ہی کو معلوم تھی۔

ایلینا

ہمارے کارخانے سے بہت سے آدمیوں اور عورتوں کو نکال دیا گیا۔ اب یہ بلا ٹل چکی تھی اس لئے باقی ماندہ لوگ زیادہ محنت اور شوق سے کام کرنے لگے۔ میرا آخری سال تھا۔ میں انجنیئرنگ کے عملی کام کی طرف زیادہ توجہ دے رہا تھا۔ امتحان پاس کرنے کے بعد مجھے کوئی اچھا عہدہ مل سکتا تھا۔

کمشن کے امتحان سے گزرنے کے فوراً بعد ایلینا (Eliena) سے میری ملاقات ہوئی۔ اس کی دردناک داستانِ حیات میری زندگی کا ایک جزو بن گئی۔ سوویٹ حکومت کے خلاف مجھ پر میرے ذاتی تجربات اور مشاہدات کا اتنا گہرا اثر نہیں پڑا جتنا اس کے تجربات اور مشاہدات کا۔ انسان کی قسمت میں اتفاقات کو جتنا دخل ہوتا ہے مجھے اس پر اکثر حیرت ہوئی ہے۔

ایلینا میرے پڑوس میں رہتی تھی۔ وہ صبح میرے ساتھ ہی کام پر جاتی تھی۔ پہلی دفعہ میں نے اسے برفانی آندھی میں بس کا انتظار کرتے ہوئے دیکھا۔ یہ ایک اتفاق تھا اور دوسری اور تیسری ملاقات بھی محض اتفاقات کا نتیجہ تھی۔ اس کے بعد میں نے اس لاغر لڑکی کو یاد کرنا شروع کر دیا اور بہت جلد یہاں تک نوبت پہنچی کہ مجھے اس پر غصہ آنے لگتا کہ وہ ابھی تک کیوں نہیں آئی۔ مجھے شبہ تھا اور بعد میں اس کی تصدیق بھی ہو گئی کہ وہ میرے اس انتظار سے بے خبر نہیں تھی۔ بعد میں ہم اس خاموش معاشقے پر ہنسا کرتے۔

جب وہ مجھ سے متعارف کرائی گئی ــــ اور یہ بھی ایک اتفاق تھا ــــ تو ہمیں محسوس ہوا کہ ہم ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں۔ ایک دوسرے کو مدت سے جانتے ہیں۔ شفق کی سرخی پر رات کی سیاہی چھائی جا رہی تھی۔ میں ٹیکنیکل کمیٹی کے ایک طویل اجلاس سے لوٹ رہا تھا۔ اور بہت تھکا ہوا تھا۔ ہال سگرٹوں کے خشک دھوئیں سے بھرا ہوا تھا جس کی وجہ سے میرے گلے میں سوزش سی ہو رہی تھی۔ سر میں بھاری پن کا احساس تھا۔ میں آہستہ آہستہ چل رہا تھا اور لمبے لمبے سانس لے رہا تھا تاکہ طبیعت کے اضمحلال پر قابو پا سکوں۔ دفعتہً کسی نے پیچھے سے میرا نام پکارا۔ میں رک گیا۔ اور پیچھے مڑ کر دیکھا۔ مجھے پکارنے والی آواز اس خوبصورت

نرس کی تھی جس نے ایران کی سرحد پر میرا علاج کیا تھا ——— اور اس کے ساتھ ایلینا تھی۔

"وکٹر کراوچنکو مزاج کیسے ہیں۔ تمہیں اچانک دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے یہ میری سہیلی ہے ایلینا پیٹروونا"

میں نے ایلینا کے ساتھ جس بے تابی سے ہاتھ ملائے اسے دیکھ کر نرس کو حیرت سی ہوئی اور جب ہم نے اس کو ایک بس میں سوار کرا دیا اور دونو ایک ساتھ لوٹے تو اس کی حیرت اور بھی بڑھ گئی۔

دھج اور بانکپن ایلینا کے حسن کی دو نمایاں خصوصیتیں تھیں۔ اگر کسی مصور کو اس کی تصویر بنانے کا خیال آتا تو صرف اس کے چہرے کی تصویر کبھی نہ بناتا۔ وہ اس کے سراپا کو سامنے رکھتا۔ اور اس کی نزاکت اور تناسب کی تصویر کھینچتا۔ اس شام اس نے سیاہ رنگ کے سمور کا کوٹ جو کمر پر سے چست تھا اور کا کیشیا کی جھلتی ہوئی سکرٹ پہن رکھی تھی۔ سر پر سفید سمور کی ٹوپی تھی جو اس کے تبسم کے چھریرے پن اور قد کی موزونیت کو چار چاند لگا رہی تھی۔ اس کے ریشمی ابروؤں پر برف کے ہلکے ہلکے روئیں موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔

ہم بانہوں میں بانہیں ڈالے اپنی باتیں کرتے دنیا کا ذکر کرتے اور پھر اپنی باتیں کرتے گھنٹہ بھر تک ٹہلتے رہے۔ وہ بھی ایک تھکا دینے والے جلسے سے آئی تھی اس وقت ٹھنڈی اور پاکیزہ ہوا سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

وہ نیپرو پیٹروسک میں پہلی مرتبہ آئی تھی اور محکمہ تعمیر میں کام کرتی تھی۔ اُسے یہاں ابھی بہت عرصے تک رہنا تھا۔ وہ خارکوف کے آرکی ٹیکٹ کی فارغ التحصیل تھی۔ فن تعمیر میں اس نے کمال حاصل کیا تھا

باتیں کرتے کرتے میں نے محسوس کیا کہ وہ میرے ہاتھ کو دبا رہی ہے۔ میں نے کہا۔ "تم سے مل کر میں بے حد مسرور ہوں۔ ایلینا ہم ایک دوسرے کے بہت قریب ہو جائیں گے۔"

وہ مسکرا دی۔ پھر کہنے لگی "وکٹر تمہاری خاطر میں کہتی ہوں اس بات کو یہیں ختم کر دو۔ بہتر ہے کہ ہم اور قریب نہ آئیں۔"

پھر اس نے قہقہہ لگایا لیکن میں اس کے فقرے سے پریشان ہو گیا۔ جانے کیوں میرے دل نے محسوس کیا کہ ایلینا نے یہ بات سنجیدگی سے کہی ہے ——— شاید اس کی زندگی میں کوئی بہت بڑا المیہ ہو گزرا ہے۔ اس کے تبسم میں حقیقی مسرت کی جھلک نہیں تھی۔ اس کی آنکھوں میں اداسی اور پھیکا پن تھا جو اس کے حسن اور بانکپن سے میل نہیں کھاتا تھا۔

"مجھے اپنے آپ پر بھروسہ ہے۔" میں نے کہا۔

"پھر نہ کہنا" وہ بولی۔

"نہیں کہتا۔ لیکن تم مجھے کچھ اپنی زندگی کے بارے میں بتاؤ۔ مثلاً ———" میں ابھی بات پوری نہ کر پایا تھا کہ وہ بولی

"پوچھتے کیا ہو۔ ہاں میری شادی ہو چکی ہے۔ میرا خاوند بڑا اچھا آدمی ہے۔ لیکن بدقسمتی ہے۔ ہم اکٹھے رہتے ہیں۔ اور میں ایک سگی بہن کی طرح اس کی دیکھ بھال کرتی ہوں ـــــ لیکن اس کے علاوہ ہم نام کے میاں بیوی ہیں۔ میں اُس سے محبّت نہیں کرتی ـــــ اسی لئے ـــــ میں تم سے مل کے بہت خوش ہوئی ہوں کیسی اکیلی تھی میں بھی!"

"اکیلی؟ تم؟ گھر بار عہدے اور حسن کے باوجود؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں میں اکیلی ہوں!" اس نے جواب دیا۔ "اور تم پر رشک کرتی ہوں کیونکہ تمہارا گھر حقیقی گھر ہے جہاں تمہاری ماں ہے۔ میرا باپ مر چکا ہے اور ماں کیف میں رہتی ہے۔ ایک طرح سے میں خوش بھی ہوں۔ آجکل کے حالات کچھ ایسے ہیں کہ سگی ماں سے بھی بات نہیں کی جا سکتی ان کے بارے میں۔ میں تمہاری خوش فہمی پر بھی رشک کرتی ہوں کیونکہ تم ایک کمیونزم کے عقیدت مند معلوم ہوتے ہو۔"

"مجھے اپنے خاوند کے بارے میں کچھ بتاؤ۔" میں نے کہا۔

"اس کے بارے میں مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔ میرے ملنے کی بس ایک شرط ہے اور وہ یہ کہ جب ہم ملیں تو تم مجھ سے ایسے ملو جیسے اُس کا کوئی وجود ہی نہیں۔ اور درحقیقت میرے دل کی گہرائیوں میں اس کا کوئی وجود ہی نہیں ـــــ لیکن میں تمہیں ایک دفعہ پھر سمجھاتی ہوں۔ تم خوبصورت امیدوں میں جی رہے ہو۔ میرا دل اس حرارت سے خالی ہے۔ میں آنکھیں بند کئے پیچھے نہیں چل سکتی۔ تم جلوس کے آگے چل رہے ہو۔ بہتر یہ ہوگا کہ میرے بغیر چلتے رہو۔"

"میں تمہاری دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ کچھ بھی ہو میں تم سے ملتا رہوں گا۔" میں نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے جہنّم کی تمام بلائیں جھیلنی پڑیں تو بھی تمہاری دوستی پر افسوس نہیں کروں گا۔"

"تم نے کیا کہا "جہنم"؟ جہنّم تو میں نے دیکھا نہیں۔ موجودہ زمانہ البتہ دیکھا ہے۔" اس نے نہایت غمگین آواز سے کہا۔ "موجودہ زمانہ جہنم سے زیادہ تکلیف دہ ہے کیونکہ اس کا عذاب موت کے بعد نہیں موت سے پہلے زندگی میں آتا ہے۔"

رخصت ہونے سے پہلے اس نے مجھ سے ہفتے کی شام کو پارک میں ملنے کا وعدہ کیا اس شام کو وہاں ایک بہت عظیم الشان ناٹک ہونے والا تھا۔ میں نے دو ٹکٹ پہلے ہی سے خرید لیے۔ ہفتے کا انتظار بہت مشکل تھا۔ وقت گزرتا ہی نہیں تھا۔

جب ہم ملے تو مجھے اس کے نرم ہاتھوں کے دباؤ اور رخساروں کے نکھار سے یہ اندازہ لگا کے بڑی مسرّت ہوئی کہ وہ بھی ملاقات کے لئے بے تاب رہی ہے۔ وہ وفورِ اشتیاق سے ایک بچّے کی طرح چہک رہی تھی۔

ناٹک کے دوران میں اس نے میرے کان میں کہا "تمہیں مل کر میں اپنا دکھ بھول جاتی ہوں وکٹر"۔ کھیل کے اختتام تک وہ میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے آہستہ آہستہ دباتی رہی۔ ناٹک اس گانے پر ختم ہوا۔

مجھے آزاد کر دو۔
مجھے دشمنوں سے انتقام لینا ہے۔
جنہوں نے میری ناموس کو مجروح کیا ہے۔
مجھے آزاد کر دو۔
مجھے چھوڑ دو۔

"وکٹر میرے لیے یہ الفاظ بہت پرمعنی ہیں۔ اور بہت سے اور لوگوں کے لئے بھی" کرسی سے اٹھتے ہوئے اس نے دھیمی اور غمگین آواز میں کہا۔

باہر کی ٹھنڈی ہوا لگتے ہی وہ پرسکون ہو گئی۔ میں نے اس سے کوئی سوال نہ کیا۔ میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ میں اس کی زندگی کی اداسیوں کو کریدنے کی کوشش نہیں کروں گا۔

"چلو کسی ہوٹل میں چلیں۔ چلو کہیں کوئی طربیہ گیت سنیں۔" اس نے مضطربانہ انداز سے کہا۔ "لیکن ایک شرط ہے میں اپنے پیسے آپ دوں گی۔ تم ابھی پڑھتے ہو۔ میں کما رہی ہوں۔"

ہم ہفتے میں کم از کم ایک بار ضرور ملتے تھے۔ مہینے بھر کے بعد زیادہ ملنے لگے۔ جب جاڑا بیت گیا۔ اور درختوں میں نئی کونپلیں پھوٹنے لگیں تو میں نے اس کو امی سے ملایا۔ پہلی ہی ملاقات میں وہ ایک دوسری سے گھل مل گئیں اور ان کی محبت اس قدر بڑھ گئی کہ وہ میرے بغیر بھی ملنے لگیں۔

"بڑی اچھی ہے ایلینا اور تم سے تو بہت محبت کرتی ہے۔" ایک دن امی نے مجھ سے کہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ تم بھی اسے چاہتے ہو لیکن اس کے دل کے اندر جانے کیا دکھ ہے۔ جو اسے گھلائے جا رہا ہے۔ اس کی روح پژمردہ اور مرجھائی ہوئی سی کیوں ہے۔"

"مجھے بھی یہی محسوس ہوتا ہے امی لیکن میں اس کے روگ سے واقف نہیں۔ اس سے کبھی بات کرتا ہوں تو اور غمگین ہو جاتی ہے اس لئے میں نے تو پوچھنا ہی چھوڑ دیا ہے۔"

"ہاں بیٹے بیچاری بڑی اچھی لڑکی ہے۔ جو کچھ بھی ہے اس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہو سکتا۔ وہ تو اپنے سوائے کسی کو دکھ پہنچا ہی نہیں سکتی۔"

ایک شام ایلینا نے ہمارے گھر کھانا کھایا۔ پھر ہم گپیں ہانکتے رہے۔ پڑھتے رہے۔ ریڈیو سنتے رہے۔ ہم میں سے کسی نے کہا تو نہیں مگر ہم دونو جانتے تھے کہ ایلینا آج رات گھر نہیں جائے گی۔ جب ہم دونو کمرے میں اکیلے رہ گئے تو اس نے کہا "یہ ہماری شادی کی رات ہے وکٹر پیارے۔ یقین کرنا جب سے میں نے اپنے

خاوند کو پیار کرنا چھوڑا ہے تم میری زندگی میں پہلے آدمی ہو۔"

کئی مہینے اسی طرح گزر گئے۔ ایلینا ہمارے گھر آتی رہی اور ایسی گھل مل گئی کہ ہمارے گھر ہی کا ایک فرد معلوم ہونے لگی۔ امی ابا اور بھائی سب اس کی عزت کرتے تھے لیکن میرے دل میں یہ کھٹک تھی کہ اس کی زندگی کا ایک بہت اہم راز میری نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ کبھی کبھی مجھے محسوس ہوتا کہ وہ بہت سہمی ہوئی ہے اسے نامعلوم خطروں نے گھیر رکھا ہے۔

اچانک ایک دن ایسا آیا کہ میری پریشانی کو زبان مل گئی۔ یوں تو میں نے اسے کہا کہ میں تمہاری مسلسل خاموشی کو تمہاری صحت کے حق میں مضر سمجھتا ہوں اس لئے تم سے پوچھتا ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حرکت محض جذبۂ رقابت کا نتیجہ تھی۔"

ایک دن سبق سے فراغت پا کے میں اپنے چند ہم جماعتوں کے ساتھ ایک فٹ بال میچ دیکھنے کے لئے گیا۔ جب ہاف ٹائم ہوا تو ہم نے سوچا کہ تھوڑی سی بیئر پی لیں۔ چنانچہ ہم بار کی طرف بڑھے یہاں پینے والوں کی بھیڑ لگ رہی تھی اور بیرے بہت تھوڑے تھے۔ عجیب نفسا نفسی کا عالم تھا۔ ہم پیچھے کھڑے رہے۔ خیال تھا کہ یہ میچ دوبارہ شروع ہوگا تو بھیڑ چھٹ جائے گی۔

ہم اسی انتظار میں کھڑے تھے کہ میں نے دیکھا ایلینا نہایت حسین پوشاک میں ملبوس دو نوجوانوں کے ساتھ ہنس ہنس کے باتیں کر رہی ہے میز پر تین جام بھی رکھے تھے اور ان کے پاس ہی شراب کی ایک بوتل بھی تھی۔ دونوں نوجوان ایلینا سے کافی بے تکلف معلوم ہوتے تھے اور اس کی طرف للچائی ہوئی اور بھوکی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ان کی شکل وصورت سے یہ بات واضح تھی کہ وہ باہر سے آئے ہیں۔

میں نے باقی کا کھیل نہیں دیکھا۔ یہی سوچتا رہا کہ ایلینا ان غیر ملکیوں کے ساتھ یہاں کیسے آئی ہے جب میچ ختم ہوا اور سب لوگ جانے لگے تو میں نے دیکھا کہ ایلینا انہی غیر ملکیوں کے ساتھ ایک نہایت نفیس کار میں سوار ہو گئی ہے۔ میری آنکھوں کے سامنے دھواں سا پھیل گیا۔ رات کو مجھے بالکل نیند نہ آئی۔

اگلے دن شام کے وقت ایلینا گھر آئی۔ وہ کھانا کھاتی رہی اور باتیں کرتی رہی اور میں اس کا جائزہ لیتا رہا۔ اس میں ذرہ بھر بھی فرق نہ آیا تھا۔ کیا غیر ملکیوں سے میل جول —— جو ہمارے ملک میں نہایت خطرناک ہے —— ایسی معمولی بات ہے کہ اس پر کوئی اثر ہی نہیں ہوا؟ جب ہم تنہا ہوئے تو اس نے سرسری طور پر بتا دیا کہ میں کل ایک میچ دیکھنے گئی تھی۔

"ہمارے افسر اعلیٰ نے مجھے دو غیر ملکیوں کے ساتھ میچ پر بھیج دیا۔ کافی بدمزگی رہی کل شام۔"

میں نے اسے کچھ جتانا اچھا نہ جانا اس لئے خاموش ہو رہا۔ جب وہ باورچی خانے کی طرف گئی تو میری نظر اس کے ہینڈ بیگ پر پڑی۔ جو کھلا ہوا تھا۔ طرح طرح کے شکوک میرے دل میں پیدا ہو رہے تھے۔ اسی جذبے

کے ماتحت میں نے اس میں ہاتھ ڈال دیا۔ اندر دو بڑی بڑی چٹھیاں تہ کی ہوئی رکھی تھی جنہیں میں نے فوراً نکال لیا۔ ایک میں تو جرمن زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ دوسری روسی میں تھی۔ اور اس فقرے سے شروع ہوتی تھی ۔۔۔ "آپ کے ارشاد کے مطابق مکمل رپورٹ ۔۔۔" لیکن اس کے آگے نہ پڑھ سکا۔ ایلینا واپس آ رہی تھی اس لئے میں نے جلدی سے کاغذ پھر ہینڈ بیگ میں رکھ دیے۔

مجھے یقین ہو گیا کہ ان کاغذات کا تعلق غیر ملکیوں سے ہے۔ اور یہی شاید اس کی زندگی کا دردناک راز ہے۔ جب وہ اپنے گھر جانے لگی تو میں نے اس سے کہا۔

"پھر کب ملیں گے؟"

"جمعہ کو رات کے کھانے پر۔"

"لیکن جمعے کو مجھے کارخانے میں دیر ہو جائے گی۔ کام زیادہ ہے۔ جمعرات کو کیوں نہیں ملتیں؟"

معاف کرنا ڈکرٹ۔ جمعرات کو تو مجھے ایک نہایت ضروری کام ہے۔"

اور یہ کہہ کر وہ چلی گئی اور میں سوچتا رہا۔ یکایک مجھے خیال آیا کہ ایلینا جمعرات کو شام کو ہمیشہ مصروف ہوتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ میں نے کبھی خیال ہی نہیں کیا تھا لیکن اب؟ اب میں نے فیصلہ کیا کہ اس کا پیچھا کروں گا۔ اور اس بھید کا سراغ لگاؤں گا کہ جمعرات کو اُسے کیا مصروفیت ہوتی ہے۔

جمعرات کی شام ایک اندھیری اور خوفناک رات تھی۔ بارش بہت زور کی ہو رہی تھی بادل گرج رہا تھا۔ بجلی بار بار چمک رہی تھی اس سے رات کے ڈراؤنے پن میں اضافہ ہو رہا تھا۔ میں نے ایلینا کو ایک بس میں سوار کرا دیا اور جب بس چلی تو کود کر بس کے پیچھے لٹک گیا۔ شہر کے مرکز میں وہ بس سے اتر گئی۔ میں بھی اس سے کچھ ہٹ کے اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ تاریکی اور بارش نے جاسوسی میں میری بڑی معاونت کی۔ اسے شبہ تک نہ ہوا۔ تھوڑی دیر میں ایک عالیشان مکان کے سامنے پہنچ کر اس نے گھنٹی بجائی۔ ایک باوردی آدمی نے دروازہ کھولا۔ ایلینا چپ چاپ اندر داخل ہو گئی۔ وہ آدمی بھی اِدھر اُدھر غور سے دیکھ کے اندر چلا گیا اور دروازہ بند ہو گیا۔

میں ایک گلی کے نکڑ پر دو گھنٹے کھڑا مکان کا مشاہدہ کرتا رہا۔ لوگوں کی آمد و رفت مسلسل جاری رہی۔ اندر کافی روشنی ہو رہی تھی۔ لوگوں کے چہرے صاف دکھائی دیتے تھے۔ باوردی آدمی ہر بار دروازہ بند کرنے سے پہلے غور سے اِدھر اُدھر دیکھتا گویا اسے کسی کے دیکھ لینے کا ڈر ہے۔ آنے والوں میں زیادہ تعداد عورتوں کی تھی۔ بعض سے تو میری ذاتی راہ و رسم بھی تھی۔ ان میں سے ایک تو ایک پروفیسر کی بیوی تھی جو شہر بھر میں اپنی خوبصورتی کی وجہ سے مشہور تھی۔ ایک ہمارے تھیٹر کی مغنیہ تھی۔ ان کے علاوہ بہت سی ایسی عورتیں تھیں جنہیں میں نے کئی مرتبہ دیکھا تھا۔ سب سے آخر میں روس کا ایک مشہور انجینیر آیا۔ اس نے لمبا اوور کوٹ پہن رکھا تھا۔ گھنٹی بجانے سے پہلے اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی

اور پھر نہایت احتیاط سے اندر داخل ہو گیا۔ اس کے بعد اور لوگ بھی آئے ہوں گے لیکن میں نے دیکھنا چھوڑ دیا کیونکہ ایلینا نکل آئی۔ دو آدمی اس کے ہمراہ تھے۔ ایک نے سگریٹ نکالنے کے لئے اوور کوٹ کے بٹن کھولے تو میں نے دیکھا کہ وہ وردی پہنے ہوئے ہے۔ یہ وردی خفیہ پولیس کی تھی ـــــ مجھے ایلینا کا راز معلوم ہو چکا تھا۔ میں جان چکا تھا کہ ایلینا جاسوس ہے!

میرے دل میں اضطراب بھی تھا اور پریشانی بھی۔ ایک طوفان سا مچا تھا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ میں بلندیوں سے لڑھک رہا ہوں۔ بستر میں لیٹ کر میں نے اپنے حواس کو یکجا کرنے کی کوشش کی۔ کمیونسٹ ہونے کی حیثیت سے نظریاتی طور پر جاسوسوں سے نفرت نہیں کی جا سکتی تھی لیکن یہ واقعہ ہی عجیب تھا یعنی جس عورت سے مجھے محبت تھی وہ جاسوس نکلی! اور اس صدمہ نے میرے دل کو چھری کی طرح کاٹ کے رکھ دیا۔ جاسوسی سے میری نفرت عود کر آئی۔

ہم ایسی باتوں کا اظہار نہیں کرتے تھے لیکن ہم کمیونسٹ خوب جانتے تھے کہ ہزاروں بے گناہ مردوں اور عورتوں کو جیلوں میں ٹھونسا جا رہا تھا اور اُن سے بیگار لی جا رہی تھی۔ اپنے دل میں ہم کہتے تھے کہ یہ "احتیاطی تدابیر" ہیں ـــــ ہم ان باتوں پر نہ سوچنے کی کوشش کرتے اور آنکھیں بند کر لیتے ـــــ کیا ایلینا جیسی معصوم اور بھولی بھالی لڑکی بھی بے گناہوں کے خون کی ذمہ دار ہو سکتی ہے؟ جیسے جیسے میں اس بات پر غور کرتا تھا میری حالت زیادہ خراب ہوتی جا رہی تھی۔

صبح اٹھ کے میں نے ایلینا کو پیغام بھیجا کہ میں ہفتے بھر کے لئے باہر جا رہا ہوں اور اس خطرے سے بچنے کے لئے کہ وہ گھر آ جائے گی میں ایک دوست کے گھر میں اٹھ آیا۔ اگلی جمعرات کو میں نے پھر اسی پراسرار مکان پر نظر رکھی۔ اس رات بھی بہت سی عورتیں گذشتہ ہفتے کی کارگزاری پیش کر رہی ہیں اور نئی ہدایات لے رہی ہیں۔ خفیہ پولیس کے دفتر کی بہ نسبت یہ کام کسی پرائیویٹ گھر میں زیادہ آسانی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

اگلے دن میں نے ایلینا کو خط لکھا کہ "بعض وجوہات" سے میں آئندہ تم سے ملنا پسند نہیں کرتا۔ ہمارے درمیان اب کوئی تعلق باقی نہیں رہا اور اگر تم میرے فیصلے کے مطابق مجھے ملنے کی کوئی کوشش نہ کرو تو میں انتہائی ممنون ہوں گا۔

گذشتہ ہفتے کے واقعات نے مجھے نڈھال کر دیا۔ میں کسی کام کی طرف توجہ نہ دے سکا۔ میں نے کارخانے جانا بند کر دیا۔ اور اپنے دکھ کو بھولنے کے لئے گلیوں میں آوارہ پھرنا شروع کر دیا۔ اس بے چینی کے ساتھ ایلینا سے ملنے کی آرزو کا عذاب بھی تھا۔

ایک شام جب میں باہر سے گھوم کر آیا تو امی نے مجھے ایک خط دیا۔

"ایلینا چھوڑ گئی ہے تھی۔ کسی بہت بڑی مصیبت میں تھی بیچاری، رو رو کے اس کی آنکھیں سوج رہی

تھیں۔ میں تمہارے معاملات میں دخل دینا نہیں چاہتی بیٹے لیکن کاش تم جانتے کہ تم کیا کر رہے ہو۔ اپنے پیاروں کے صدمے برداشت نہیں ہوتے۔"

ایلینا کی چٹھی بہت مختصر تھی۔

"وکٹر پیارے۔ مجھ پر آخری بار احسان کرو۔ کل بس سٹینڈ پہ شام کے چھ بجے میں تمہارا انتظار کروں گی ہمیشہ کے لئے جدا ہونے سے پہلے میری یہ بات مان لو۔"

جب وہ آئی تو میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا سوٹ کیس تھا اس کے پیارے رخسار مرجھائے ہوئے تھے۔ آنکھیں لال تھیں۔ اس کی پژمردگی دیکھ کر میرے دل پہ چھریاں سی چلنے لگیں اس نے آتے ہی کہا۔ "ہم دریا پہ جا رہے ہیں۔ باتیں بھی وہیں ہوں گی ٹکٹ میں نے خرید لئے ہیں۔"

بس میں ہم نے ادھر ادھر کی باتیں کیں۔ زیادہ تر خاموش رہے۔ دریا پہ پہنچ کر بھی کچھ دیر عالم یہ رہا کہ ہم دونو سنجیدگی سے بات نہ کر سکے دونو غیر ارادی طور پہ اس لمحے کو دُور رکھنے کی کوشش کر رہے تھے جو ہمیں یہاں لایا تھا۔ شام خاموش اور اداس تھی۔ پس منظر میں شہر کا مدھم شور سنائی دے رہا تھا۔

"آؤ بادل پھٹنے سے پہلے پہلے نہالیں۔" میں نے کہا۔

وہ مان گئی۔ اور ہم دونو نہانے لگے۔ ٹھنڈے پانی سے طبیعتیں کچھ بہتر ہوگئیں۔ باہر نکل اس نے اپنا سوٹ کیس کھولا اور اس میں سے کچھ کھانا اور شراب کی ایک بوتل نکالی۔

"مدت ہوئی جب ہم نے اپنی دوستی کی خوشی میں مل کے پی تھی۔ اب جدائی کی خوشی میں پئیں گے" ایلینا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "تمہیں میں نے کہا تھا نا کہ ہمارا ملنا اچھا [illegible] ہوگا۔ اب تم مجھے چھوڑ دو گے میں پھر اکیلی رہ جاؤں گی۔" اس کی آنکھیں آنسوؤں سے چھلک رہی تھیں۔

ہم دونوں نے کھانے کو ہاتھ نہ لگایا۔ لیکن شراب پی لی۔

"وکٹر اب بتاؤ کہ تمہیں یکایک کیا ہوگیا ہے۔ تم نے مجھ سے پیار کرنا کیوں چھوڑ دیا ہے؟"

"میں اب بھی تم سے محبت کرتا ہوں۔ ورنہ میں یہاں نہ ہوتا۔ اور میں تمہاری دیانت پہ اعتبار کر کے چلا آیا ہوں۔ ایلینا تم مجھے اپنا راز بتا سکتی ہو؟ میں اور فریب نہیں کھانا چاہتا۔"

"کونسا راز؟ میرے خاوند کے بارے میں پوچھتے ہو؟"

"نہیں تمہارے بارے میں۔ میں جانتا ہوں تم غیر ملکیوں کے ساتھ کیوں پھرتی ہو۔ مجھے تمہاری جمعرات کی مصروفیتوں کا بھی علم ہے۔ اور کیا بتاؤں۔"

"اف خدایا" وہ سسکیاں بھرنے لگی۔ "اب کیا کروں کیا کروں میں؟"

عین اس وقت بجلی چمکی اور بارش کے پہلے قطرے گرے۔ ہم ایک ملاح کی جھونپڑی میں چلے گئے جو خالی پڑی تھی۔ شام کی بڑھتی ہوئی تاریکی میں ایک پتھر پہ بیٹھ کر ایلینا نے اپنی داستان شروع کی۔

"میں تمہیں اتنا پیار کرتی ہوں کہ تم سے جدا ہو کے زندہ نہ رہوں گی۔ میری بات خالی الذہن ہو کر سُننا میں تمہیں وہ باتیں بتاؤں گی جو میں نے آج تک کسی سے نہیں کہیں۔ اپنی ماں سے بھی نہیں۔ اپنے غریب خاوند سے بھی نہیں۔ میری کہانی سن کے جو جی میں آئے کرنا۔

ہم کیف میں رہتے تھے۔ اماں استانی تھیں ابا ایک انجنیئرنگ کالج کے مشہور پروفیسر تھے۔ اور کھاتے پیتے آدمی تھے۔ میں ان کی واحد اولاد تھی۔ میرا بچپن بڑے لاڈ اور پیار اور چاؤ چونچلے میں گزرا۔ مجھے زباندانی اور موسیقی کی تعلیم دی گئی۔ اور انتہائی بے فکری میں جوان ہوئی۔ مجھے مصوری کا بہت شوق تھا۔

ہمارے پڑوس میں ایک لڑکا سرجیئ (Sergei) رہتا تھا جو خارکوف کے ایک صنعتی سکول کا طالب علم تھا۔ گرمی کا موسم وہ گھر میں گزارا کرتا تھا۔ ہم دونوں دوست بن گئے اور بہت جلد یہ دوستی محبت میں تبدیل ہو گئی۔ میری عمر سترہ برس سے کچھ ہی اُوپر ہو گی۔ کہ اس نے شادی کا پیغام دیا۔ میں مان گئی اور ہم خارکوف چلے آئے۔ خارکوف آ کر میں مصوری کے ایک سکول میں داخل ہو گئی اور ۱۹۳۰ میں ڈپلوما لیا۔

تمہیں یاد ہو گا کہ اس زمانے میں بہت سے انجنیئروں پر سازش کا الزام لگایا گیا تھا۔ میں کیف میں اپنے ابا سے ملنے کے لئے گئی ہوئی تھی کہ ایک دن خفیہ پولیس والے آئے اور ابا کو گرفتار کر کے لے گئے۔ انہوں نے مکان کی تلاشی لی صوفے پھاڑ دیئے دیواریں گرا دیں لیکن انہیں وہاں سے کچھ نہ مل سکا۔ میرے ابا پڑھنے لکھنے والے آدمی تھے ان پر سازش کا الزام ہی بے معنی تھا ایسا بے معنی کہ مجھے اور امی کو یقین تھا کہ وہ بہت جلد چھوٹ جائیں گے۔

میں کیف میں رہی کہ دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ ہماری زندگی میں سے خوشی ختم ہو گئی۔ کچھ معلوم ہی نہ تھا کہ ابا کے خلاف ان کے پاس کیا ثبوت ہے۔ ہمیں تو وہ ملنے بھی نہیں دیتے تھے۔ کئی ہفتے اور پھر کئی مہینے میں ہر شام ابا کو کھانا پہنچانے کے لئے جیل خانے جایا کرتی۔ اور کئی اور بدنصیب عورتوں کے ساتھ گھنٹوں قطار میں کھڑی رہتی۔

ایک دن مجھے خفیہ پولیس کے بڑے افسر نے طلب کیا۔ وہ ادھیڑ عمر کا اور بظاہر بڑا شفیق آدمی تھا میں نے اس کو ساری بات سنائی۔ اس نے کہا۔ تم میری بات سنو ایلینا پیٹروونا تم حسین عورت ہو پڑھی لکھی ہو اور بات کر سکتی ہو۔ تمہارے ابا کا تو ذکر ہی کیا ان خوبیوں سے تم اپنے ملک اور قوم کی بڑی خدمت کر سکتی ہو۔ ہم تمہاری مدد کر سکتے ہیں بشرطیکہ تم بھی ہماری مدد کرو۔ مجھے زیادہ وضاحت کرنی نہیں پڑے گی کیونکہ تم خود ذہین ہو۔ منہ نہ بناؤ۔ گھبراؤ نہیں میں جو کچھ تم سے کہوں گا اتنا گھناؤنا نہیں جتنی زندگی خود ہے۔ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ کسی کی بغل گرم کرو۔ کیونکہ اس مصرف کی ہمارے پاس بہت سی عورتیں ہیں اور ان میں بعض تو ہمارے شہر کے معزز خاندانوں کی ہیں۔ تم ہمارے لئے ایک پاک اور ناقابل حصول لڑکی کی حیثیت سے زیادہ مفید ہو اور یہ ہمارا ذمہ ہے کہ تمہیں صحیح قسم کے لوگ ملتے رہیں گے جن سے تم ایسے راز دریافت کر سکو گی

جن کی ہماری حکومت کو ضرورت ہے۔ ہم تمہیں کافی تنخواہ دیں گے اور تمہارا اور تمہارے عزیزوں کا خیال رکھیں گے۔"

اس نے مجھے ایک سگریٹ پیش کیا مگر میں نے قبول نہ کیا۔ میں نے بڑے غصّے سے اس کی طرف دیکھا اور کہا: "دوسرے لفظوں میں آپ چاہتے ہیں کہ میں چند انسانی زندگیاں آپ کے حوالے کر دوں زیادہ سنسنی خیز قسم کے جعلی مقدمے بنانے میں آپ کی امداد کروں اور اگر میں یہ کام کرنے پر آمادہ ہو جاؤں تو آپ میرے باپ کو رہا کر دیں گے۔ یہی کہتے ہیں نا آپ، صرف یہی۔"

اس نے قہقہہ لگایا "تم نے تو بہت آسان کر دیا ہے اس مسئلے کو۔"

"ہاں۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں یہ نہیں کر سکتی۔"

"اوں ہوں۔ تم تو جلد بازی کرتی ہو۔ اپنا کافی وقت ہے سوچ کے جواب دو ـــــ ہاں اگر تم نے کسی سے اس ملاقات کا ذکر کیا تو تمہارے ابا کو بڑی لمبی قید تنہائی بھگتنی پڑے گی۔ اور ہاں ذرا اس کاغذ پر دستخط تو کر دو۔"

یہ ایک عہد نامہ تھا جس میں لکھا تھا دستخط کنندہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ کسی سے اس گفتگو کا ذکر نہیں کرے گا۔ اس کے ساتھ ہی کئی خوفناک سزائیں بھی لکھی تھیں۔

وکٹر! اپنے باپ کی رہائی کا موقعہ کھو کر میں بہت پریشان تھی اور اپنے آپ کو گناہگار سمجھتی تھی ویسے مجھے اس بات کا تو یقین تھا کہ ابا مجھ پر الزام نہیں دھریں گے۔ میرا دل اور دماغ دونوں تھکے ہوئے رہتے۔ مجھے پھر بلایا گیا۔ اب افسر اعلیٰ کے چہرے پر نہ وہ شفقت تھی نہ اس نے مجھے سگریٹ ہی پیش کئے۔ میں کمرے میں داخل ہوئی تو وہ اسی طرح کاغذات میں کھو گیا جیسے اسے میرے آنے کی خبر ہی نہیں ـــــ وہاں کشمکش کے عالم میں کھڑے کھڑے میں نے نہایت کرب آلود چیخیں سنیں۔ ڈر کے مارے میری چیخ نکل گئی۔ اس نے میری طرف دیکھا۔

"اوہ تم پھر آگئیں؟ اس شور سے تمہاری طبیعت پر بوجھ پڑا ہے نا۔ غالباً کسی کو کچھ یاد رکھنے کی مشق کرائی جا رہی ہے۔ . . . . ہمارا کام ہی کچھ مشکل سا ہے۔ یہاں تو لوہے کے اعصاب کی ضرورت ہے تو پھر تمہیں میری شرط منظور ہے؟"

"نہیں۔ میں منظور نہیں کر سکتی۔"

"تو یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟"

"آخری۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ مجھے اب بھی امید ہے کہ تم اپنا ارادہ بدل دو گی ـــــ خیر تم جا سکتی ہو۔"

یہ کہہ کر وہ پھر کاغذات میں کھو گیا۔ میں چلی آئی۔ شام کو جب میں ابا کے لئے کھانا لے کے گئی تو

کلرک نے لینے سے انکار کر دیا۔ میں نے کہا میں اپنے باپ کے لئے کھانا لائی ہوں۔ وہ کہیں مر تو نہیں گیا؟ یا کہیں اُسے بھیج تو نہیں دیا گیا؟"

"معلوم نہیں۔"

"وہ ایک بوڑھا آدمی ہے۔ وہ بے گناہ ہے۔ وہ کہاں ہے؟"

"ہٹو۔ راستہ نہ روکو۔"

میں انکوائری آفس میں گئی اور ان سے پوچھا۔ ایک آدمی اندر چلا گیا اور اس نے ٹیلیفون پر کسی سے باتیں کیں۔ میں صرف ایک لفظ سن سکی۔ ہسپتال۔۔۔ اس نے واپس آکر کہا "کوئی اطلاع نہیں مل سکی۔"

میں گھر واپس آگئی۔ پاؤں من من کے تھے۔ چلا نہیں جاتا تھا۔ دل دھک دھک کر رہا تھا۔ اماں سے میں نے کچھ نہیں کہا۔ اُسے صدمے سے بچانے کے لئے کھانا میں نے ایک بھکاری کو دے دیا اگلے دن میں نے جیل کے کسی ڈاکٹر سے ملنے کی کوشش کی۔ آخر ایک ڈاکٹر کے پاس پہنچ ہی گئی۔ اس نے مجھے بیمار سمجھ کر اندر بلا لیا۔ دروازے بند ہوتے ہی میں اس کے قدموں پر گر گئی اور رو رو کے اس کو سارا واقعہ سنایا۔ وہ بڑا نرم دل تھا مگر میری کہانی سن کر وہ ڈر گیا۔ اس نے مجھ سے منت کی کہ چلی جاؤ۔ اس نے کہا۔ یہ تو حکومت کا راز ہے۔ میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ خدا کے لئے میرے بچوں کا کچھ خیال کرو۔ مجھ کو تم سے واقعی ہمدردی ہے مگر میں کچھ نہیں کر سکتا۔ کچھ نہیں۔ خدا کے لئے اپنے خاندان کے لئے مجھ پر رحم کرو اور میرے خاندان کو تباہ نہ کرواؤ۔"

لیکن میں نے جانے سے انکار کر دیا۔ میں روتی رہی اور ہاتھ جوڑتی رہی۔ آخر اس کا دل پسیج گیا۔ اس نے وعدہ کیا کہ میں تمہارے ابا کا کھوج نکالوں گا۔

مجھے تین دنوں کے بعد اسے پھر ملنا تھا۔ اماں ہر شام پارسل بنا کر مجھے دیتی جسے میں فقیروں میں بانٹ کے گھر آجاتی۔ تیسرے دن ڈاکٹر نے مجھے ٹیلیفون پر جلدی جلدی کہا۔

"تمہارے ابا ہسپتال میں ہیں۔۔۔ لیکن ان کی حالت اچھی نہیں۔۔۔ ان کے پھیپھڑوں میں ورم ہے۔۔۔ اور۔۔۔ بہت زخمی ہیں۔۔۔ خدا حافظ۔"

میں پھر خفیہ پولیس کے دفتر میں گئی۔ افسرِ اعلیٰ دروازے میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگا "کیسے آنا ہوا؟ اپنا فیصلہ کر لیا تم نے؟"

"فیصلہ کرنے سے پہلے میں ابا کو دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"یہ تو بہت مشکل ہے۔ میں تمہیں پریشان کرنا نہیں چاہتا لیکن تمہارے ابا اس وقت ہسپتال میں ہیں اور ان کی حالت کوئی ایسی ملنے کے لائق بھی نہیں۔

"رحم کیجئے مجھ پر رحم کیجئے ——— آپ بھی تو آخر انسان ہیں۔"

"یہاں کوئی بھی انسان نہیں ایلینا۔ یہاں انقلاب کے حقیر محافظ ہیں۔ یہاں جذبات کی کوئی جگہ نہیں۔ ملک کے دشمنوں کے لئے ہمارے پاس دردناک عذاب اور موت ہے اور یہ بات جتنی جلدی تمہاری سمجھ میں آجائے اچھی ہے۔ میں تمہارے باپ سے تمہیں ملانا چاہتا ہوں۔ لیکن صرف اس لئے کہ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ تم چلی جاؤ۔ تمہارے پہنچنے تک میں حکم بھیج دوں گا ——— اور راستے میں میری تجویز پر غور کرنا۔ بیوقوف کیوں بنتی ہو۔"

مجھے ایک خاص کمرے میں لے جایا گیا۔ اور ابا کو میری ملاقات کے لئے اس کمرے میں لایا گیا تھا۔ وہ لوہے کی ایک کھاٹ پر پڑے تھے اور بالکل مردہ معلوم ہوتے تھے۔ ان کے چہرے پر سفید سفید ڈاڑھی اُگ آئی تھی۔ جلد ہڈیوں کے ساتھ چمٹی ہوئی تھی۔ ان کے ماتھے اور مرجھائے ہوئے بوڑھے چہرے پر بڑے بڑے نیلے دھبے تھے۔ ان کی انگلیوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ میں ان کی طرف بڑھی تو انہوں نے مسکرانے کی کوشش کی۔ اُنہوں نے بات کی تو میں نے دیکھا کہ ان کا اگلا دانت توڑ دیا گیا ہے۔"

"روؤ نہیں یلوچکا (Yalochka)" انہوں نے نقاہت سے کہا۔ یلوچکا وہ مجھے پیار سے کہا کرتے تھے۔

"مجھے ہدایت کی گئی تھی کہ میں صرف گھر کی باتیں کروں۔ سیاسی گفتگو کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن پہرے دار یہ منظر دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔ اس نے پیٹھ موڑ لی اور ہمیں باتیں کرنے کا موقعہ دیدیا۔ ابا نے مجھے جھکنے کا اشارہ کیا اور میرے کان میں کہا۔

"تم نے میری حالت دیکھی۔ مجھے روز مارتے ہیں۔ عذاب دینا تو ان کا کام ہے۔ اس چھت کے نیچے ہزارہا آدمی مر رہے ہیں۔ انہیں گیلے چابکوں سے مارا جاتا ہے یا ہفتوں سونے نہیں دیا جاتا یا برف میں دبا دیا جاتا ہے۔ انہوں نے مجھے مسلسل مارا ہے تاکہ میں اپنے "ساتھیوں" کے نام بتاؤں۔ لیکن میں کون سے ساتھیوں کے نام بتاتا کئی دفعہ مجھے اس بات کی حیرت ہوئی ہے کہ میں نے کوئی سازش نہیں کی ورنہ کچھ بتا تو سکتا۔ مجھے بعض معمولی غلطیاں یاد تھیں جو میں نے مان کر سازش کا اقرار کر لیا۔ میں نے فرضی باتیں بھی گھڑیں لیکن وہ مجھے مارتے ہی رہے۔ کیونکہ یہ فرضی باتیں بالکل بے سروپا تھیں۔"

"ابا آپ اچھے ہو جائیں گے اور یہاں سے چھوٹ جائیں گے۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ آپ چھوٹ جائیں گے"......

"نہیں بیٹی۔ ڈاکٹروں نے مجھے بتا دیا ہے۔ زخم تو شاید اچھے ہو جاتے لیکن "برف کے علاج" سے مجھے نمونیا ہو گیا ہے اور اب میرے بچنے کی کوئی امید نہیں۔ ماں اور سرجی کا خیال رکھنا۔"

چند دنوں کے بعد ابا مر گئے اور میں خارکوف چلی آئی ——"

ہیں نے ایلیناکوٹوکا ــــ "مجھے اور نہ سناؤ۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہارا دل دکھایا۔ مجھے معاف کردو" ـــ لیکن وہ نہ مانی۔

"اب میں نے بات شروع کی ہے تو سن لو۔ میں چاہتی ہوں کہ تم مجھے سمجھ سکو۔ یہ تو ابھی میرے دکھ کی ابتدا ہے ـــــ ابھی تم اور سنو۔

۱۹۳۱ء پورا اور ۱۹۳۲ء کا کچھ حصہ سلامتی سے گذر گیا۔ میرے خاوند نے تعلیم مکمل کرلی تھی اور اب وہ ایک بہت بڑے کارخانے میں کام کر رہا تھا۔ لیکن دوسرے انجنیئروں کی طرح گرفتاری کا خوف ہر وقت اس کے دل و دماغ پر چھایا رہتا۔ اس نے کبھی کچھ نہیں کیا تھا لیکن ایک بے نام اور غیر واضح خطرے کا کبھی نہ ختم ہونے والا احساس اس پر طاری تھا چنانچہ جب اسے سچ مچ گرفتار کر لیا گیا۔ میں یقین نہ کر سکی۔ مجھے اس کے تمام دوستوں کا علم تھا۔ میں اس کے خیالات اور حرکات سے بھی واقف تھی۔ وہ تو بالکل معصوم تھا۔ چنانچہ میں برف اور بارش کے طوفان میں کھانے کے پارسل لئے ہزاروں عورتوں کے ساتھ قطار میں کھڑی رہتی۔

مجھے نوکری سے جواب دے دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ میرے افسر گرفتار شدہ انجنیئر کی بیوی کو ملازم رکھنے پر آمادہ نہیں تھے۔ میری حالت خراب تھی۔ آہستہ آہستہ مجھے گھر کا تمام سامان بیچ دینا پڑا۔ ابعض دوستوں نے میری مدد بھی کی لیکن اس وعدے پر کہ میں کسی سے ان کی مہربانی کا ذکر نہ کروں گی۔ "ملک کے دشمن" کی بیوی کی حیثیت سے میں خود بھی اچھوت سمجھی جانے لگی تھی۔

چند مہینے جوں توں کر کے گزرے لیکن پھر جیل کے افسروں نے اس کے کھانے کے پارسل وصول کرنے سے انکار کر دیا۔ میں ایک پرانی ڈراؤنی فلم کی مانند تھی جسے دوبارہ چلایا جا رہا ہو۔ میں نے جیل کے افسر اعلیٰ سے ملنے کی درخواست کی۔ دو گھنٹوں کے کٹھن انتظار کے بعد مارکوف کی خفیہ پولیس کا ایک آدمی آیا اور مجھے کامریڈ ٹ ــــ کے پاس لے گیا۔ کامریڈ ٹ ـــــ ایک خوبصورت اور صحت مند انسان تھا۔ اس کی صورت میں ایک عجیب سی خوشگوار سی کشش تھی۔

"مجھے تمہاری ملاقات کی توقع تھی" اس نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ اور پھر کمال مہربانی سے کرسی پیش کی۔ "مجھے عام طور پر حسین عورتیں ملنے کے لئے آتی ہیں کیف سے مجھے تمہاری مکمل رپورٹ مل چکی ہے کتنی افسوسناک بات ہے کہ ہماری ملاقات ایسے ـــ "سرکاری" ـــ حالات میں ہوئی ہے لیکن میں تمہارے آنے کا ممنون ہوں۔"

"تمہارا مطلب ہے تم نے میرے خاوند کے کھانے کے پارسل وصول کرنے کی ممانعت کر کے یہ موقع پیدا کیا ہے؟" میں نے کہا۔

"اچھا؟ تو وہ پارسل نہیں لیتے؟ کیسے گدھے ہیں۔ خیر میں اس کا انتظام ابھی کر دیتا ہوں" یہ کہہ کے اس نے ایک افسر کو بلایا اور اسے پارسل وصول کرنے کی ہدایت کر دی۔

"سچ کہتا ہوں اور تم یقین مانو ایلینا پیٹرووناِ مجھے تمہاری مصیبتوں کا افسوس ہے۔ لیکن یہ تو تمہارا اپنا کیا دھرا ہے۔ دو سال پہلے کیف میں تمہیں جو مشورہ دیا گیا تھا اب بھی وہ اپنی جگہ قائم ہے۔ ہم خفیہ پولیس والے اپنے وعدے کبھی نہیں بھولتے۔"

"تم نے میرے خاوند کو کیوں گرفتار کر رکھا ہے۔ تم اور میں دونوں جانتے ہیں کہ وہ بے گناہ ہے۔ اگر تمہاری کوئی ماں بہن ہے تو تم مجھ پر رحم کرو۔ میں جاسوسی نہیں کر سکتی۔ یہ میری طاقت سے باہر ہے۔ اس سے تو اچھا ہے کہ مر جاؤں —— لیکن اس کے سوا تم جو شرط چاہو منوا لو۔"

میں التجائیں کرتی رہی اور وہ سنتا رہا۔ جب میں تھک کر خاموش ہو گئی تو اس نے میرے کندھے پہ بزرگوں کی طرح تھپکی دی۔

"وقت بہت ظالم اور بے حس ہے ایلینا پیٹرووناِ آدمی کو کچھ کرنا چاہیئے۔ پہلے تو تم اپنا خیال کرو۔ ضد کیوں کر رہی ہو۔ ہمارا ساتھ ہی کیوں نہیں دیتیں۔"

"میں بتاتی ہوں کیوں۔ میرے بے گناہ باپ کا قتل اس کی پہلی وجہ ہے اور اس کی طرح ہزاروں آدمیوں کا قتل باقی ہزاروں وجوہات ہیں۔ میں اپنے خاوند کو بچانے کے لئے ہزاروں ماؤں اور بیویوں کے آنسوؤں کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی۔"

"میں تمہارے آنسوؤں کے بوجھ سے آگاہ ہوں۔ لیکن کوئی عقل کی بات کرو۔ ہم تم سے جو کام لیں گے اس سب کا نتیجہ خون اور آنسو ہی تو نہیں ہوگا۔ ہم تو تمہیں غیر ملکیوں کے پیچھے لگانا چاہتے ہیں ہمارا ملک سرمایہ دار بھیڑیوں سے بھرا پڑا ہے جو انقلاب کے خون کے پیاسے ہیں —— میں تمہیں مجبور نہیں کرتا لیکن اگر تم اپنا ارادہ بدل سکو تو میں حاضر ہوں۔ تمہارا باپ مر چکا ہے اور اب زندہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن تمہارا خاوند ابھی زندہ ہے۔ اب یہ تمہاری اپنی مرضی ہے۔"

لیکن اس نے اس بات کا وعدہ کیا کہ سرجئی کو پارسل پہنچتے رہیں گے —— کم از کم اس وقت تک جب اسے باقاعدہ سزا دے کے جلاوطن نہیں کیا جاتا۔ چند ہفتوں کے بعد مجھے خبر ملی کہ اسے دس سال قید سخت کی سزا دے کر کوہ یورال کے کسی جیل خانے میں بھیج دیا گیا ہے۔

میرے ذہن میں بڑی کشمکش تھی۔ کبھی سوچتی کہ مجھے خفیہ پولیس میں شامل ہو جانا چاہیئے۔ میں سرجئی کے لئے بڑی بے چین تھی۔ اور اب جدوجہد کرتے کرتے تھک چکی تھی۔ ایسے جھوٹ اور بے انصافی کے دور میں اس احمق پن سے فائدہ کئی دفعہ میں نے یہ مہلک فیصلہ کر لیا۔ لیکن ہر بار میرے اندر کی کوئی طاقت اس فیصلے پر غالب آجاتی۔ کسی کو دوستی کا فریب دے کے قتل گاہ تک لے جانے کے تصور ہی سے میں کانپ جاتی۔ سال بھر میں مختلف محکموں میں خوار ہوتی رہی کہ کسی صورت میرے خاوند کے مقدمے پر نظرثانی کی جا سکے لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ پھر ایک واقعہ ہوا۔ میں تصویروں کی ایک نمائش دیکھنے گئی ہوئی تھی یکایک کیا دیکھتی

ہوں کہ کامریڈ ٹ ۔۔۔ ایک نہایت حسین عورت کے ساتھ ساتھ جارہا ہے۔ اور جس انداز سے وہ ایک ساتھ جارہا تھا اس سے یہ بات بالکل عیاں تھی کہ وہ اس کا بندہ بے دام ہے۔ حالانکہ ہونا اس کے الٹ چاہیے تھا۔ وہ بے نیاز تھی اور کامریڈ ٹ ۔۔۔ نیازمند غلام۔ یا جیسے سکول کا لڑکا کسی کے عشق میں گرفتار ہو جائے۔ خفیہ پولیس کا افسر اعلیٰ ہزاروں لاکھوں جانوں کا مالک حسین عورت کے پنجے میں! اس خیال سے میرے ذہن میں حرکت پیدا ہوئی۔ مجھے جو خیال آیا تھا وہ تھا تو بے ہودہ لیکن عمل کرنے کے قابل ضرور تھا۔

کامریڈ ٹ ۔۔۔ اور اس کی محبوبہ کا معلوم کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔ ایک شام اس کے انتظار میں میں اس کے گھر کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ تھوڑی دیر میں وہ آئی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ میں نے دبے پاؤں اس کا پیچھا کیا اور جب وہ اپنے دروازے کا قفل کھول رہی تھی میں نے کہا۔

"خدا کے لئے بہن میں تمہارے ہاتھ جوڑتی ہوں میری بات سنو"

وہ گھبرا سی گئی لیکن میری صورت سے یہ اندازہ لگا لیا کہ میں اسے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتی۔

"میری سمجھ میں تو نہیں آتا کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو خیر تم اندر آجاؤ۔ یہاں تو بات نہیں کی جا سکتی۔"

ہم ایک نہایت پرتکلف اور آرام دہ کمرے میں داخل ہوئے۔ آبنوس کا بنا ہوا ایک خوبصورت پیانو ایک کونے میں پڑا تھا۔

"کوٹ اتار دو۔ میں ابھی تمہیں کافی پلاتی ہوں ہے ہے کیسی مردہ سی نظر آتی ہو!"

میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنی تمام کہانی سنا دی۔ میں نے اسے ابا کی موت، اماں کی تکلیف اور اپنے خاوند کی سزا کا حال سنایا اور اس سے امداد کی التجا کی۔ کہا کہ اگر اپنے دوست سے کہہ کر ایک دفعہ مجھے مسرجیئ سے ملوا دو تو تا عمر تمہاری غلام رہوں گی ۔۔۔ میری دکھ بھری داستان سن کے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ گالوں سے غازہ تک دھلا جا رہا تھا۔

اس نے مجھ سے کئی باتیں دریافت کیں پھر مضطربانہ انداز سے قالین پر ٹہلنے لگی جیسے گہری سوچ میں کھوئی ہوئی ہو۔ آخر اس نے کہا۔

"ایلینا افسوس ہے کہ کوشش کرنے کے سوا کوئی وعدہ نہیں کر سکتی۔ تم یہ تو سمجھتی ہو نا کہ اس ملاقات کا کبھی ذکر نہیں ہوگا۔ مجھ سے بھی نہیں۔"

اس نے بڑی محبت سے میرے سر پر بوسہ دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ نہ تو ایسی خوش ہے جیسی وہ دکھائی دیتی ہے اور نہ ایسی سیانی۔ اور دنیا دار ہی ہے۔ شام کو میں گرجے میں گئی اور دیر تک دعا مانگتی رہی۔ میں خدا پر ایمان نہیں رکھتی ڈاکٹر لیکن مصیبت کے وقت بچپن کی عادتیں پوری کر لیتی ہوں۔ اس دن میں نے نہایت خلوص اور عجز کے ساتھ عبادت کی۔ پھر میں نے ٹ ۔۔۔ کی محبوبہ کو ٹیلیفون کیا ۔۔۔ میری دعائیں سن لی گئی تھیں۔ اس نے مجھے فوراً آنے کو کہا تھا جب میں اس کے پاس پہنچی تو احسان مندی کے احساس

سے میرے آنسو نکل آتے۔ میں نے اس کے دونو ہاتھ چومے۔ اس نے مجھے ایک اور درخواست لکھنے کو کہا اور یقین دلایا کہ یہ منظور ہو جائے گی۔ پھر وہ کہنے لگی ”زندگی آخر زندگی ہے ایلینا۔ ایک وقت تھا جب میں ایسے ٹھاٹھ سے نہیں رہتی تھی لیکن میں خوش تھی۔ اگر تم اپنے خاوند کو دیکھنے میں کامیاب ہو جاؤ تو اس طرح میرے لئے بچپن کی خوشی کا ایک لمحہ لوٹ آئے گا۔ کبھی کبھی صرف تنوع کے لئے سہی کوئی نیک کام کرنے کو جی چاہتا ہے تم مجھے بھول جاؤ۔ کبھی ٹیلیفون نہ کرنا۔ دیکھ پاؤ تو پہچاننے کی کوشش نہ کرنا۔ یہ بھول جاؤ کہ ہم کبھی ملی بھی تھیں“۔

چند ہفتوں کے بعد میں پوٹال کی طرف جا رہی تھی میرے ساتھ بڑے بڑے بنڈل تھے میں نے کھانے کا سامان گرم انڈر ویئر بوٹ اور تمباکو خریدنے میں آخری کوپک تک خرچ کر ڈالا تھا ــــ میں عالم تصور میں سرجی کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی خوشی کا خیال کر رہی تھی۔ سوردلوسک سے آگے ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر گاڑی سے اتری۔ برسات کا زمانہ تھا ہر طرف کیچڑ ہی کیچڑ پھیلی ہوئی تھی۔ قیدیوں کا کیمپ اسٹیشن سے کئی میل کے فاصلے پر تھا۔ بڑی مشکل سے میں نے ایک کسان کو اس بات پر رضامند کیا کہ وہ مجھے وہاں تک چھوڑ آئے۔ گھوڑوں پر بیٹھے ہمیں کئی گھنٹے گزر گئے دونو طرف اتھاہ کھڈ تھے یا گھنے جنگلات پھیلے ہوئے تھے۔ آخر ہم ایک کھلے میدان میں آ گئے جس کے چاروں طرف کانٹے والے تاروں کا جنگلہ تھا۔

تاروں کے اندر لمبی لمبی بارکیں دکھائی دے رہی تھیں جن میں کھڑکیوں کے چھوٹے چھوٹے چوکھٹے تھے پہرہ والے پہرہ دے رہے تھے کئی خونخوار کتے دم ہلا ہلا کر ان کے ارد گرد گھوم رہے تھے۔

میں موسلا دھار بارش میں کھڑی داخلے کی اجازت کا انتظار کر رہی تھی کہ تقریباً تین سو قیدیوں کا ایک دستہ جنگل میں کام کر کے واپس آیا۔ اپنی تمام عمر میں میں نے ایسی مسخ شدہ اور بھیانک شکلیں نہیں دیکھی تھیں۔ وہ انسان نہیں تھے۔ بھوت تھے وہ پھٹے پرانے چیتھڑوں میں انسانیت کی دردناک تصویر تھے۔ سب کے چہروں پر داڑھیاں اگ آئی تھیں۔ جسم ٹوٹے ہوئے تھے۔ وہ انتہائی تھکاوٹ کی وجہ سے آہستہ آہستہ کیچڑ میں سے اپنے آپ کو گھسیٹ رہے تھے۔ وکٹر میں اس دردناک منظر کی تصویر تمہارے سامنے پیش کر ہی نہیں سکتی۔

دروازے پر میں نے اپنے کاغذات پیش کئے۔ ایک افسر نے مجھ سے کئی سوال کئے۔ ایک عورت نے میری تلاشی لی۔ اس نے جیبیں ہی دیکھنے پر اکتفا نہیں کی میرے جسم کو ٹٹول ٹٹول کر اور ہاتھ پھیر پھیر کر دیکھا پنسلیں اور کاغذات ضبط کر لئے۔ میرے ہینڈ بیگ میں ایک چھوٹی سی قینچی تھی وہ بھی رکھوا لی گئی۔ پھر انہوں نے کہا کہ پارسل اندر نہیں جا سکتے۔ کچھ سگریٹ تمباکو اور صابن میرے پاس کھلا تھا۔ ان چیزوں کو اندر لے جانے کی اجازت انہوں نے مجھے دیدی۔

”دیکھئے محترمہ یہ کوئی صحت افزا مقام تو ہے نہیں۔ ہم انہیں جو کچھ دیتے ہیں کافی ہے۔ یہ ملک کے دشمن ہیں۔“

ایک چھوٹے سے اندھیرے اور میلے ہوئے کمرے میں مجھے بٹھا دیا گیا کہ سرجی بھی یہاں پہنچ جائے گا۔ دیواروں پر سٹالن لینن وغیرہ کی تصویریں لٹک رہی تھیں جن پر مکھیاں بھنک گئی تھیں۔ ایک جگہ لکھا ہوا تھا "محنت کے ذریعے زندگی" میں کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد میں نے ایک بوڑھے اور ناتوان آدمی کو دیکھا جس کے پیچھے پیچھے ایک پہرے والا پستول تانے چلا آ رہا تھا۔ اس بوڑھے اور ناتواں شخص کی ڈاڑھی مٹیالے رنگ کی تھی۔ سر کے بال بالکل سفید تھے۔ اس کی آنکھوں کے گرد ایک گندی سی دھجی لپٹی ہوئی تھی۔ اور وہ آہستہ آہستہ میری طرف آ رہا تھا۔ اس کی طرف دیکھ کر میں رحم سے پگھل گئی۔ پہرے والے سے میں نے کہا۔

"کامریڈ یہ سگریٹ اس بوڑھے کو دیدو۔"

اور میں اس سے زیادہ اس کی ہمدردی کر ہی کیا سکتی تھی۔

پہرے والے نے بھرپور قہقہہ لگایا اور مزہ میں آ کر تالیاں پیٹنے لگا۔

"تو یہ ہے! مجھے بیوقوف بنا رہی ہو یا واقعی تم نے اپنے خاوند کو نہیں پہچانا۔"

مجھے چکر سا آ گیا اور اندیشہ تھا کہ بے ہوش ہو جاتی لیکن میں نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ آدھے روس کا سفر کرنے کے بعد مجھے اپنے خاوند سے دس منٹ کی ملاقات کی اجازت ملی تھی۔ اور اسے جذبات کے دھارے میں بہہ کر گنوایا نہیں جا سکتا تھا۔

ابھی ہم نے باتیں شروع ہی کی تھیں کہ پہرے والے نے وقت ختم ہو جانے کی گھنٹی بجا دی۔ سرجی نے اٹھتے ہوئے جلدی سے کہا۔

"ایلینا پیاری۔ مجھے بچالو۔ یہاں کی زندگی اتنی تکلیف دہ ہے کہ دنیا اس کا تصوّر ہی نہیں کر سکتی۔ ہم سے جانوروں کا سا سلوک کیا جاتا ہے۔ قیدی یہاں مکھیوں کی طرح مر رہے ہیں۔ ہمیں ایذائیں دے دے کے مارا جاتا ہے۔ ہم بھوکے رکھے جاتے ہیں۔ ایلینا ایلینا مجھے بچالو۔ اس جہنّم میں میں ایک سال اور نہیں جی سکتا۔"

"بکواس بند کر حرامی کے بچے" پہرے دار گرجا۔

اس مسخ شدہ ڈھانچے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر جو کبھی میرا خاوند تھا میں خارکوف پہنچی تو میری تمام مشکلات دور ہو چکی تھیں۔ اپنے ضمیر اور اپنی اخلاقی پاکیزگی کی خاطر میں اُسے وہاں نہ چھوڑ سکتی تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ میں جاسوسی کروں گی۔ اور میں یہ فیصلہ کر کے کامریڈ ٹ —— کے پاس گئی اور اس سے سودا کر لیا۔

"ایلینا میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہارے کام سے خون اور آنسو کا تعلق نہیں ہوگا۔ لیکن تم نے اس معاہدے کا کسی سے ذکر کیا تو تمہاری اپنی جان کی خیر نہیں۔" اس نے کہا۔

"لیکن اس ملازمت سے علیحدہ ہونے کا حق تو مجھے ہے۔ مجھے لکھ کے دو۔"

"لکھ کے تو نہیں دے سکتا لیکن میں وعدہ کرتا ہوں۔ مجھ پہ اعتماد کرو تمہیں علیحدہ ہونے کا حق ہے۔ یہ

فارم بھر دو۔"

یہ فارم دس صفحے کا ایک سوالنامہ تھا۔ میری اور میرے دوستوں اور عزیزوں کی نجی زندگی اور خیالات کے بارے میں کوئی بات ایسی نہ تھی جو اس سوالنامے میں موجود نہ ہو۔ میں نے اس کو پُر کر دیا تو کامریڈ ٹشن شی وار اُسے پڑھا۔ حاشیے پر کچھ لکھا اور دراز میں رکھ دیا۔ پھر ہم دونو ایک ساتھ دفتر سے نکلے۔ باہر ایک کار کھڑی تھی۔ اس پر سوار ہو کر ہم غیر ملکیوں کے ہوٹل کے قریب جا کر اُتر گئے۔

"میں اکیلا چلوں گا۔ ٹھیک تین منٹوں کے بعد تم میرے پیچھے چلی آنا اور ہوٹل کی پانچویں منزل پر پہنچ جانا۔ میں تمہارا انتظار کروںگا —— اور تم ایسی پریشان کیوں ہو رہی ہو؟ اس وقت میں مرد نہیں۔ سرکاری افسر ہوں۔ ڈرنے کی کیا بات ہے؟"

چند منٹ کے بعد ہم دونو ایک کمرے میں تھے۔ ایک بیرے نے دروازے پر دستک دی تو میں چھپ گئی۔

"خوب بہت خوب لیکن یہاں چھپنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہوٹل کے مینجر سے لے کر بیرے تک سب خفیہ پولیس کے آدمی ہیں۔"

کھانے کے دوران میں اُس نے مجھے کچھ ہدایات دیں۔

"اس وقت تو تم اور میں الگ الگ کام کریں لیکن جب تم خارکوف جاؤ گی تو اکٹھے ہوں گے اور بڑے بڑے کارنامے کریں گے۔"

"اب مجھے کہاں جانا ہے؟"

"چند مہینے تو تم خارکوف میں گذارو گی۔ پھر ہم تمہیں نیپرو پٹروسک بھیج دیں گے۔ بڑا عمدہ شہر ہے۔ اور بہت بڑا صنعتی مرکز ہے اسی لئے یہاں پر بہت سے غیر ملکی رہتے ہیں۔ تمہارے لئے کافی کام ہے تمہیں ہمیشہ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ میں نے ذاتی طور پر تمہاری سفارش کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہاری تقرری کی ساری ذمہداری مجھ پر عاید ہوتی ہے۔ اگر تم نے کوئی چالاکی کی تو الزام مجھ پر آئے گا۔ یوں سمجھو کہ تم میرے بس میں ہو —— لیکن جانِ من حقیقت اس کے الٹ ہے میں تمہارے بس میں ہوں۔ تم سے اتفاقیہ غلطی تو معاف ہو جائے گی۔ لیکن تم نے دھوکہ دینا چاہا تو پھر خدا ہی تمہارا حافظ ہے۔ میں تمہارے بس میں ہوں اور اسی لئے میں نے بہتر سمجھا کہ تم سے صاف صاف کہہ دوں۔"

"ہاں میں سن رہی ہوں۔"

"میری پہلی نصیحت تو یہ ہے کہ تم اپنے حافظے کو ذرا بہتر بناؤ۔ جو کچھ دیکھو زبانی یاد رکھو لکھنے کا خیال نہ کرو مشق سے یہ بات آجاتی ہے۔ کاغذ پر لکھنا خطرناک ہوتا ہے۔ نام پتے ٹیلیفون نمبر ملاقاتیں سب زبانی یاد رکھو۔ یہی تمہارا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ جتنی زبانیں تمہیں آتی ہوں ان میں مہارت حاصل کرو۔ یہ بھی بہت مفید ہے

تمہارے حسن کے متعلق بھی مجھے یہی کہنا ہے۔ تم ہماری تمام کارکن عورتوں سے زیادہ حسین ہو اور حسین رہنا تمہارے فرائض میں بھی داخل ہے۔ لباس اور آرائشِ حسن پر جتنا روپیہ خرچ کر سکو کرو۔ یہ جائز اور ضروری خرچ ہے۔

ہمارے دوسرے کارکن وقتاً فوقتاً تم سے ملتے رہیں گے۔ لیکن تم کسی پر اعتماد نہ کرو۔ وہ اپنے کام کے بارے میں ان سے کوئی بات نہ کرو۔ اگر تمہیں کوئی ایسا کام دیا گیا ہے جس میں خفیہ پولیس کے اور آدمی بھی شریک ہوں تو تم صرف وہی کام کرنا جس کی تمہیں ہدایت کی گئی ہے۔

ایک اور ہدایت جان من یہ ہے کہ جب تک شراب تمہارے سامنے گلاس میں نہیں ڈالی جاتی اور تمہارا میزبان پہلے خود نہیں پیتا تم اس کے قریب نہ جاؤ۔ دوسرے جاسوسوں سے بے تکلف ہونا اچھا نہیں اپنے نئے دوستوں کے بارے میں دفتر میں فوراً اطلاع دو۔ تمہیں لباس اور دوسرے اخراجات کے لئے خاص کوپن دیئے جائیں گے۔ ملک کے محافظوں کو کسی چیز کی کمی محسوس نہیں کرنی چاہیے اور تم ان میں سے ایک ہو۔۔۔"

"مجھے ایک بات پوچھنی ہے۔" بات کاٹ کر میں نے کہا "میرا خاوند کب چھوٹے گا؟"

"تم بے فکر رہو۔ اسے پیٹرو پیٹرو سک میں بڑی اچھی نوکری دے دی جائے گی اور تمہیں ماہر تعمیرات کے عہدے پر لگا دیا جائے گا۔"

دو مہینے کے عرصے میں سرجی آگیا۔ وہ سمجھ دار آدمی ہے اور بڑا نرم دل انسان ہے۔ اس نے فوراً بھانپ لیا کہ مجھے ایک زمانے میں جو والہانہ محبت تھی۔ روسی حکومت نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ میرے دل میں اس کے لئے محبت کے بجائے صرف رحم کا جذبہ ہے۔ اس نے کبھی نہیں پوچھا کہ میں نے اُسے رہا کیسے کروایا۔ اس کے شکوک شاید مکروہ حقیقتوں سے بھی زیادہ خوفناک ہیں۔

میرا فیصلہ بہت مہیب فیصلہ تھا لیکن وکٹر پیارے اگر تم نے اپنی آنکھوں سے قیدیوں کا کیمپ اور سرجی کی ڈراؤنی صورت دیکھی ہوتی تو تم سمجھ سکتے کہ سال ہا سال کی کشمکش کے بعد میں جھک کیوں گئی۔ میں ان ہزارہا عورتوں میں سے ایک ہوں جو خفیہ پولیس کے آگے ہتھیار ڈال دینے پر مجبور ہو گئی ہیں۔ ہمیں ایک دوسری سے علیحدہ رکھا جاتا ہے۔ جس مکان میں تم نے مجھے دیکھا کوئی کسی سے مل نہیں سکتا۔ ہر ایک کے لئے الگ الگ کمرے ہیں۔ اتفاق سے بھی کسی کا سامنا نہیں ہوتا۔ لیکن میں بعض لوگوں کو جانتی ہوں کیونکہ کام کے سلسلے میں انہیں ملنا پڑا۔ ان میں بہت اونچے افسروں کی بیویاں اور بڑے آدمیوں کی بیٹیاں بھی ہیں۔ انہیں کسی نہ کسی طرح کے جرائم جو انہوں نے کبھی نہیں کئے منسوب کر دیئے جاتے ہیں۔ ان کی "بدکاری" کے قصے گھڑے جاتے ہیں اور پھر انہیں دھمکی دی جاتی ہے کہ اگر وہ خفیہ پولیس کے ساتھ تعاون نہیں کریں گی تو ان کے خاوندوں کو ان کی "بدکاری" کے راز بتا دیئے جائیں گے۔ چنانچہ وہ مجبور ہو جاتی ہیں۔ وکٹر جاسوسوں کی فوج کھڑی کرنے کے لئے ہزارہا قسم کے مکروہ

طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ روپے اور طاقت کے لئے کوئی جاسوسی نہیں کرتا۔ سب کو ڈرا دھمکا کر مجبور کر لیا جاتا ہے۔"

"تو نیپرو پیٹروسک میں تمہارا قیام اسی سلسلے میں ہے" میں نے پوچھا

"ہاں وکٹر مجھے خارکوف سے آئے ایک مہینہ ہوا تھا کہ تم سے ملاقات ہوگئی۔ میں نے رپورٹ لکھ بھیجی مجبور تھی —— لیکن بس یہی وکٹر"

"میرے بارے میں تمہیں کوئی ہدایت ملی کہ نہیں؟"

"ہاں —— لیکن خفیہ پولیس کے ریکارڈ میں تمہارے خلاف کچھ نہیں —— تو تم اب بھی میری جاسوسی سے حیران ہو؟"

"ایلینا سچی بات یہ ہے کہ میں ابھی حیران ہوں۔ یہ صدمہ برداشت کرنے میں کچھ وقت لگے گا"

"اور وکٹر تم کمیونسٹ ہو کمیونسٹ ہونے کی حیثیت سے تمہارا فرض ہے کہ تم ہر اس بات کی اطلاع دو جو پارٹی کو نقصان پہنچاتی ہو —— کیا مجھ میں اور تم میں بہت فرق ہے؟ ہم دونوں ایک ہی گندے جال میں نہیں پھنسے ہوئے؟"

"تمہاری بات میں کچھ حقیقت تو ہے۔ رضامندی سے یا مجبوری سے ہم دونوں حکومت کی حفاظت کر رہے ہیں"

"میرے پیارے اب جو میں نے تمام راز تم پر کھول دیئے ہیں میری زندگی تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اچھے کمیونسٹ کی حیثیت سے تمہارا فرض ہے کہ تم میری رپورٹ کر دو۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ تم نہیں کرو گے۔ خفیہ پولیس سے بچنے کے لئے میں دنیا کے دوسرے کونوں تک جاتی لیکن خفیہ پولیس کے ذرائع لامحدود ہیں۔ موت کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔ مجھے تو اکثر خودکشی کا خیال آتا ہے۔ وکٹر پیارے تم پوری احتیاط کرنا ہم ایک ایسے ملک میں رہتے ہیں جس میں ہر ایک نے نقاب اوڑھ رکھا ہے۔ اپنے دل کی بات کسی سے مت کہو —— کسی سے بھی نہیں۔ میں ایسے جاسوسوں کا ذکر نہیں کرتی جو چھپ چھپ کر تمہاری نگرانی کرتے ہیں۔ مجھے شہر کے معزز آدمیوں سے خوف آتا ہے۔ تمہیں یہ سمجھنا چاہیئے کہ شہر کا ہر ایک آدمی جاسوس ہے مسلسل جاسوسی کر رہا ہے —— اوہ وکٹر میں کیسی اکتائی ہوئی اور مایوس ہوں۔ تم نے مجھے چھوڑ دیا جب بھی تم سے محبت کروں گی"

"ایلینا بے معنی باتیں نہ کرو۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہارے لئے کچھ کر نہیں سکتا۔ مرد کے لئے اس سے زیادہ اشتعال انگیز کوئی بات نہیں کہ وہ جس عورت سے محبت کرتا ہے اس کو بچا نہیں سکتا"

"آؤ تیریں۔ میں نے تمہیں جو کچھ بتایا ہے اس کے خیال سے پسینہ آ رہا ہے"

پانی گرم تھا۔ رات اندھیری تھی بجلی چمک رہی تھی اور رعد کوڑے برسا رہا تھا۔ بات تو بڑی مضحکہ خیز اور احمقانہ تھی لیکن غیر شعوری طور پر ہم اپنے دلوں سے خوف اور دہشت کے اثرات دھو رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد

میں نے اسے پانی میں سے نکالا اور ایک بچے کی طرح اٹھا کر جھونپڑے میں لے گیا، وہاں کچھ پیال رکھی تھی میں نے اسے بچھا دیا۔ ایلینا تھکی ہوئی تو تھی ہی، پیال کی سوندھی سوندھی خوشبو نے اسے سلا دیا۔

صبح اٹھ کے ہم گاڑی پر سوار ہوئے اور شہر پہنچ گئے۔

اس نے کہا "وکٹر اب ہمارے درمیان کوئی خوفناک راز نہیں رہا اب میں بے حد خوش ہوں کہ میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ تم مجھ سے پیار کرتے رہو تو میں ہمیشہ ایسی ہی خوش رہوں گی۔"

کچھ ہفتوں کے بعد ایلینا اپنی ماں سے ملنے کے لئے کیف گئی۔ میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ ایک دن ہم تینوں قبرستان کی طرف گئے۔ میں نے اس کے ابا کی قبر سے گھاس پھوس صاف کی اور اس پر جنگلی پھول چڑھائے۔

ایلینا روئی نہیں۔ اپنے بچپن اور باپ کی باتیں کرتی رہی۔

"اگر خفیہ پولیس کو معلوم ہو جائے کہ تم نے قبر پہ پھول چڑھائے ہیں تو وکٹر تم فوراً گرفتار ہو جاؤ۔ میرے باپ سے تو موت کے بعد بھی اچھا سلوک کرنا خطرناک ہے لیکن تمہارے اس انسانی فعل نے میرے من کو موہ لیا ہے۔"

"پھر تو یہ خطرہ اس قابل تھا۔"

"کمیونسٹ کی حیثیت سے تمہیں پریشانی نہیں ہوتی؟"

"بالکل نہیں۔ ممکن ہے میں اچھا کمیونسٹ ہی نہ ہوں۔"

ہم کیف پارک میں چلے گئے۔ اسے پہلے "باغ زار" کہا جاتا تھا۔ شام ہو رہی تھی اور آرکسٹرا پر یہ دھن بج رہی تھی۔

"سرسبز کھیتیاں جن میں خوشحالی اُگتی ہے —
سنہری کانیں جو سونا اگلتی ہیں
یہ سب کچھ کس کے لئے ہے؟ —— روسی عوام کے لئے۔"

نکوپول میں

ہماری جماعت کا یہ آخری سال تھا۔ امتحان کی تیاری بڑے زور شور سے ہو رہی تھی۔ ڈپلوما ملنے کی شرط یہ تھی کہ طالب علم کی کوئی انفرادی سکیم حکومت منظور کرلے۔ میں اپنی سکیم پر بڑی محنت کر رہا تھا۔ ہمیں دھات کے دوسرے کارخانوں میں بھی جانا پڑتا تھا۔ ہمیں سب سے زیادہ ضرورت تو ذہنی سکون کی تھی جو سیاسیات سے دور رہ کے ہی حاصل ہو سکتا تھا۔ لیکن خدا کو یہ منظور ہی نہیں تھا۔

کارخانے کی فضا نسبتًا خاموش تھی، لیکن باہر کے حالات ہماری توجہ پر بُری طرح اثرانداز ہو رہے تھے۔ کبھی کبھی تو معلوم ہونے لگتا کہ تعلیم ایک ضمنی چیز ہے۔ پھر ہمارا اندرونی سکون بھی درہم برہم ہوگیا۔ یکم دسمبر ۱۹۳۴ کو لینن گراڈ جیسے دُور دراز مقام میں ایک ریوالور کی گولی نے تیرہ پیٹروسک کی بنیادوں کو بھونچال کی طرح ہلادیا۔ یہ گولی لینن گراڈ کے پارٹی ہیڈ کوارٹر میں ایک نوجوان کمیونسٹ نکولیف (Nicolayev) نے چلائی اور پولٹ بیورو کے ممبر سرجئی کروف (Sergei Kirov) کی لاش نکولیف کے قدموں میں آگری۔ اس گولی کی آواز کی گونج مدتوں تک رہی تھی۔ ہزارہا زندگیاں تباہ ہوگئیں۔ خود مجھے کئی برس انتہائی مصائب میں گزارنے پڑے۔

سٹالین اور وارشلاف فوراً لینن گراڈ پہنچے۔ پارٹی کے حلقوں میں یہ بات مشہور تھی کہ سٹالین نے اپنی ذاتی نگرانی میں نکولیف پر جرح کروائی۔ کسی اور کو تو معلوم نہ ہو سکا کہ انہوں نے اس سے کیا معلوم کیا ہے، لیکن بعد میں جو حالات پیدا ہوئے ان سے ظاہر ہوتا تھا کہ سٹالین سخت گھبرایا ہوا تھا۔

لینن گراڈ میں ہزاروں بے گناہوں کو شبہ کی بنا پر مقدمہ چلائے بغیر گولی سے اڑادیا گیا۔ ہزاروں قیدیوں کو جو برسوں سے جیلوں میں پڑے سڑ رہے تھے انتقام کے طور پر پھانسی دے دی گئی۔ ہر جیل کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ "پارٹی کے دشمنوں" کو نامعلوم مقامات پر جلاوطن کرنے کے لئے سینکڑوں گاڑیاں روزانہ چلائی

گئیں۔ پھر یہ لہر ماسکو کیف اور خارکوف میں پہنچی اور رفتہ رفتہ سارے ملک میں پھیل گئی۔

کروف کی موت کے بعد پہلے تو یہ افواہ پھیلی کہ نکولیف استھونیہ کا ایجنٹ تھا۔ پھر پولینڈ کا ایجنٹ مشہور ہوا۔ پھر جرمنی کا اور برطانیہ کا۔ پھر سرکاری اعلان آیا جس میں نکولیف کو ٹراٹسکی، زنوویف اور کامینیف سے متعلق بتایا گیا۔ لحظہ بلحظہ اس کے ساتھیوں، ہمدردوں اور ذہنی طور پر حامیوں کا حلقہ وسیع ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ اس حلقے میں وہ سب لوگ آگئے جنہوں نے سٹالین کی پالیسی کے بارے میں کبھی شبہ کا اظہار کیا تھا۔

پروپیگنڈے کی مہم بہت تیز کر دی گئی۔ پارٹی کی یکجہتی اور مضبوطی کے تازہ دعووں کو بھلا دیا گیا۔ اور اخبارات اور ریڈیو چلّانے لگے کہ پارٹی غداروں، سازشیوں اور مکاروں سے بھری پڑی ہے۔ سرمایہ دار ممالک کا ان لوگوں سے رابطہ ہے اور وہ سوویٹ یونین پر چڑھائی کرنے والے ہیں۔ تھوڑی بہت سیاسی بصیرت رکھنے والوں کو معلوم تھا کہ چنگیزی قتل عام کی طرح ڈالی جا رہی ہے۔ اور واقعی آیندہ چند سالوں میں روس کی سرزمین بے گناہوں کے خون سے لالہ زار ہو گئی۔

پارٹی کے حلقوں میں ایک افواہ یہ بھی تھی کہ نکولیف نے کروف کو کسی سیاسی وجہ سے قتل نہیں کیا۔ اس کی وجہ نکولیف کا خوفناک جذبہ رقابت تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ کروف نے نکولیف کی خوبصورت بیوی کی آبروریزی کی تھی۔ لیکن اصل حقیقت آج تک کسی کو معلوم نہیں ہو سکی۔ مرکزی دفتر سے اکثر خفیہ خطوط آتے تھے جنہیں پارٹی کے زیادہ معتمد ممبروں کے سامنے رازداری کے عہد کے بعد پڑھا جاتا۔ ان چٹھیوں میں یہ بات ظاہر کی جاتی کہ کروف کا قتل پارٹی سوویٹ حکومت اور انقلاب کے خلاف ایک بہت بڑی سازش کی ایک کڑی ہے۔

اندرونی حقیقت کچھ بھی ہو، مفکر قسم کے کمیونسٹوں کا خیال تھا کہ کروف کا قتل دہشت پسندی ہے جو انتہائی سیاسی دباؤ کا منطقی نتیجہ ہے اور ہر ایک کو اس کی شدت کا احساس تھا۔ کبھی کبھی دو دو تین تین کمیونسٹ آپس میں مل بیٹھتے۔ تو اپنے اندیشوں اور وسوسوں کا اظہار بھی کر لیتے تھے۔ اور اس بات کے اظہار کے لئے کہ اس مایوسی میں روس کی تمام قوتیں برابر کی شریک ہیں۔ سٹالین کے عزیز ترین ساتھی کو جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔

بظاہر تو یہ طوفان خاموش تھا کیونکہ سٹالین کے تمام مخالفین کچلے جا چکے تھے۔ کمیونسٹ پارٹی کا آفتاب پوری آب و تاب کے ساتھ درخشندہ تھا۔ کسانوں کو مار مار کے خاموش کرا دیا گیا تھا۔ صنعتی ترقی کی ہلاکت آفرینیوں اناج کے قحط، اندھا دھند گرفتاریوں اور پھانسیوں کے خلاف احتجاج کی کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ لیکن پارٹی کے اندر اور باہر لوگ ان باتوں سے کافی متنفر ہو چکے تھے۔ بے تعلقی اور مایوس خاموشی کی تہ میں لاوا اُبل رہا تھا۔

روسیوں کی یہ خاموشی دنیا کی نظروں میں ناجائز ہے۔ لیکن وہ بالکل بے دست و پا اور بے بس تھے۔ گذشتہ بیس سالہ خانہ جنگی، بھوک اور انقلاب نے ان کا کچومر نکال دیا تھا۔ جھوٹے سچے نعروں نے اُن کی

سوجھ بوجھ کو دھندلا دیا تھا۔ وہ باقی دنیا سے بالکل کٹے ہوئے تھے۔ دل میں وہ اپنے حاکموں کے مظالم سے متفق نہیں تھے کیونکہ اس میں ان کے ضمیر مجرم ہو جاتے تھے۔

قدرتی طور پر نکولیف کے ساتھی نوجوان طبقے کے لوگ تھے۔ ان میں اکثریت طلبا کی تھی، جو انقلاب کی پیداوار تھے۔ روایتی طور پر روس کے ہائی سکول انقلابی نظریات کے لئے زمین ہموار کرتے چلے آتے تھے۔ اب ان کو غیر انقلابی کہا جاتا تھا۔

اگرچہ اخبارات میں اس کا کوئی ذکر نہیں آیا تھا، لیکن ہر شخص یہ بات جانتا تھا کہ ہزارہا طلبا کو گرفتار کر کے گولی سے اڑا دیا گیا ہے۔ اگر طلبا کسی رقص گاہ میں بھی اکٹھے ہو جاتے تو خفیہ پولیس ان کے پیچھے لگ جاتی۔ چنانچہ ہمارے ادارے سے بھی کئی طلبا پراسرار طور پر گم ہو گئے۔ ہم یہ پوچھنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ کہ یہ کہاں گئے۔ ہم یہ ظاہر کرتے تھے کہ ہمیں معلوم ہی نہیں۔ لیکن ہماری ہمدردیاں ہمیشہ گرفتار شدہ طلبا کے ساتھ ہوتیں۔ ہم نے خود بخود خاموش رہنا سیکھ لیا کیوں کہ سچی بات بھی کمیونزم کی مخالفت سمجھی جا سکتی تھی۔

دوسروں کا تو ذکر ہی کیا خود میری یہ حالت تھی کہ جتنا میں کمیونزم سے متنفر تھا تنہائی میں بھی اس کا خیال نہیں کرتا تھا۔ حتی الوسع میں سیاسی مباحث میں حصہ لینے سے گریز کرتا —— لیکن چونکہ میں خالص روسی تھا اس لئے اپنے دوستوں کے سامنے بات کر ہی دیتا تھا اور بعد میں ڈرتا رہتا کہ کہیں میری شکایت ہی نہ ہو جائے۔

لینن گراڈ کے قتل عام سے طلبا میں ایک امید سی پیدا ہو گئی۔ کیا یہ قتل عام ملک میں دہشت پسندی کے خلاف ایک تحریک منظم نہیں کر سکتا تھا؟ کیا خفیہ پولیس اپنی تمام طاقت اور ذرائع کے باوجود مخالفت کو مکمل طور پر ختم کر سکتی ہے؟ ہم آخر وہی لوگ ہیں جو مدتوں سے خفیہ سازشوں اور انقلابی جلسوں اور آزادی کے لئے بم پھینکنے کے عادی ہیں۔

لیکن ہم پر ہراس بھی بری طرح چھایا ہوا تھا۔ یہ بات واضح تھی کہ پارٹی سے کچھ اور لوگوں کو بھی نکالا جائے گا۔ اس کی سب سے پہلی علامت پولٹ بیورو کا یہ اعلان تھا کہ تمام پارٹی کے کارڈ چیک کئے جائینگے اور نئے سرے سے جاری کئے جائیں گے۔ میرا ہم جماعت کامریڈم —— ان چند آدمیوں میں سے تھا جن کے سامنے میں سیاسی خدشات کا اظہار کر لیا کرتا تھا۔ ہمیں ایک دوسرے پر اعتماد تھا۔ جب دونوں اکیلے ہوتے تو دلیر ہو جاتے اور بے تکلفی سے باتیں کرتے۔ کروف کے قتل کے بعد اس نے مجھے ایک اور ہم جماعت کامریڈ اینڈری کے گھر پر آنے کی دعوت دی کہ چائے پئیں گے اور گپ اڑائیں گے۔ میں اینڈری سے بے تکلف نہیں تھا۔ اس کے لہجے سے مجھے شبہ سا ہوا۔ لیکن میں نے اس کے گھر جانے کا فیصلہ کیا۔

اینڈری تیس سالہ دراز قد آدمی تھا۔ رنگت زرد اور آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئیں۔ کافی پڑھا لکھا اور

ذہین تھا۔ تقریر بڑی اچھی کرتا تھا ـــــــ اور ہر دلعزیز بھی تھا۔

اس کے کمرے میں میری دو اور طلبا سے ملاقات ہوئی جو کسی اور ادارے سے تعلق رکھتے تھے۔ ہم سماوار کے گرد بیٹھے ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ ہم میں سے ہر شخص سیاسی گفتگو سے اجتناب کر رہا تھا۔ ایک عجیب بات یہ تھی کہ ہر ایک دوسرے کو کسی فرضی نام سے مخاطب کرتا تھا۔ اسی سے ماحول میں سازش کی فضا پیدا ہو رہی تھی۔ لیکن آگ سے کھیلنا تو روسیوں کی گھٹی میں پڑا ہے۔

میں اس فضا میں تو گرفتار تھا اور جھجک رہا تھا، لیکن وہ بے تکلف معلوم ہوتے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں یہ فرق جاتا رہا۔ جب ہم نے خارکوف کے قتل عام کی داستان شروع کی تو لہجہ میں تلخی آگئی اور آنکھوں میں سے آگ نکلنے لگی۔ اپنی باتوں سے جوش میں آکر ہم نے "کریملین کے مظالم" اور "مظلوم روسیوں" کی مصیبتوں پر غور کرنا شروع کر دیا۔ مجھے یہ ملاقات اپنے بچپن کا کوئی واقعہ معلوم ہوتی تھی جب میرا باپ زار کے مظالم کے خلاف اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر منصوبے سوچا کرتا تھا۔

اینڈری نے کہا "نکولیف کی حرکت ہمارے نزدیک اشتعال کا نتیجہ ہے ـــــ" مجھے اس موقعہ پر کچھ اضطراب پیدا ہوا، کیونکہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ "ہم" سے کون مراد ہے۔

"ـــــ ہاں یہ محض اشتعال کا نتیجہ ہے۔ دراصل سٹالین پارٹی کی تحقیقات کا کوئی بہانہ چاہتا تھا۔ اور اب بہانہ فراہم ہو گیا۔ اب یہ نکولیف کا سوال نہیں۔ وہ اور اس کے ساتھی تو خیر تباہ ہوئے۔ صورت یہ ہے کہ سٹالین اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے مخالفین کو کچل دینا چاہتا ہے۔ دیکھنا اب نکولیف کی گولی کا انتقام لاکھوں سے لیا جائے گا۔ اب تک اگر ہم کبھی آزادی کا خواب بھی دیکھتے تھے تو اب یہ خواب بھی نہیں دیکھ سکیں گے۔ آخری امید بھی ٹوٹ چکی۔ روس میں بہت جلد خون بہے گا۔"

کمرہ جوش سے بھر گیا۔ اس جوش اور اس کی مایوسی کا ہم پر بھی اثر تھا۔ ہماری مثال ایک ایسے آدمی کی طرح تھی جس کا جہاز غرق ہو رہا ہو اور پانی اچھلتا ہوا اس کے نتھنوں تک آپہنچا ہو۔ اینڈری رکا، شرابی کی طرح جھوما اور بولا

"جب نکولیف کو ایذا دی جا رہی تھی تو درشلاف اور سٹالین دونوں دیکھ رہے تھے۔ مجھے معلوم ہے دوستو وہ اس سے لوگوں کے نام پوچھتے تھے، تاکہ ان کی بندوقوں کو نشانے مل سکیں۔ لیکن جو کچھ بھی خفیہ پولیس نے نکولیف سے معلوم کیا اس سے کیا ہوتا ہے۔ وہ سٹالین کی ضرورت کے مطابق اقبال نامے لکھ دیں گے۔ اور پھر خون بہے گا۔ اور یہ نظریاتی طور پر جائز ہو گا۔"

ہم میں سب سے کم عمر ایک زرد فام طالب علم تھا۔ اس نے اچانک اٹھ کر یہ شعر پڑھے

"میں جانتا ہوں عوام پر ظلم کرنے والے کے خلاف
سب سے پہلے جو اٹھے گا مارا جائے گا

موت میرا انتظار کر رہی ہے

میں اپنے پیارے وطن کے لئے مروں گا

میں جانتا ہوں، میں خوب جانتا ہوں"

اس کا چھوٹا سا چہرہ بہت خوبصورت اور رعب دار معلوم ہوتا تھا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ دستوو سکی اور گورکی کا کوئی انقلابی کردار زندہ ہو گیا ہے۔ یہ میٹنگ بڑی خیال انگیز اور سہانی تھی، لیکن دل ہی دل میں میں یہاں آنے پر پشیمان ہو رہا تھا۔ یہ باتیں خام خیالی اور ناتجربہ کاری کی تھیں۔ میری سمجھ میں اس ملاقات کا مقصد نہ آیا۔

"سلیپ کوف" (Slepkov) کا لکھا ہوا ایک پمفلٹ پڑھا گیا جس میں کریملن کے ڈکٹیٹر پر بڑی کڑی تنقید کی گئی تھی۔ اینڈری تک یہ پمفلٹ کیسے پہنچا میری سمجھ میں نہ آیا۔ لیکن اگر خفیہ پولیس کو خبر ہو جاتی تو صرف اس کا سننا ہی مجھے سائبیریا پہنچانے کے لئے کافی تھا۔

جب مجلس برخاست ہوئی صبح ہونے والی تھی۔ صبح کے دھندلکے میں جمی ہوئی برف پر سے گذرتے ہوئے مجھے احساس ہوا کہ میں نے کیا کیا ہے۔ میں ایک ایسی محفل میں شامل ہوا تھا جس قسم کی محفلیں منعقد کرنے کی پاداش میں روس کے ہزاروں طلبا روزانہ اپنی آزادی اور جانیں گنوا رہے ہیں۔ اگر افسروں کو اس بات کا علم ہو جاتا تو میرا قصہ تمام تھا۔ لیکن کارخانے میں میری نگاہیں اینڈری کو ڈھونڈتی رہیں۔ میں خطرے کے باوجود نہیں بلکہ خطرے کی وجہ سے اس سے ملنا چاہتا تھا۔ میں اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ "ہم" سے اس کی مراد کیا تھی۔

دن کے ایک بجے مجھے پارٹی آفس میں طلب کیا گیا۔ میرے تمام ساتھی کامریڈ م —— سمیت وہاں موجود تھے۔ پارٹی سیکرٹری نے دروازہ بند کروا دیا۔ اس کے چہرے پر حزن کی علامات تھیں

"کامریڈ میں تمہیں ایک بری خبر سنانی چاہتا ہوں۔ ہمارے ایک نہایت عمدہ اور مخلص ساتھی نے خودکشی کر لی ہے، میں چاہتا تھا کہ تمہیں فوراً اس کی خبر کر دوں۔"

"کون؟ کس نے؟ کیوں؟"

"اینڈری نے۔ جانے کوئی محبت کا قصہ تھا شاید یا کوئی اور ذاتی پریشانی۔ بہت افسوس ہے۔"

جب ہم باہر نکلے تو م —— نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کی آنکھوں پر آنسو تھے۔ "بیچارے اینڈری کا کرب ختم ہو گیا۔"

"آخری امید بھی ٹوٹ گئی، روس میں خون بہے گا۔" اینڈری کے الفاظ مہینوں میرے ذہن میں گونجتے رہے۔ خوش قسمتی سے ہماری محفل کا راز کسی پر افشا نہ ہوا اور ہم سب کی جان بچ گئی۔

کسی کو صحیح طور پر معلوم نہیں تھا کہ اینڈری نے خودکشی کیوں کی ہے۔ لیکن کارخانے کے اندر طرح طرح کی قیاس آرائیاں کی جا رہی تھیں۔ ہر ایک کا یہی خیال تھا کہ اس کی خودکشی کسی نہ کسی طرح کروف کے قتل اور روس میں پھیلی ہوئی وحشت کا نتیجہ ہے۔

پارٹی ممبروں کے کارڈوں کی تحقیقات عام عدالت میں نہیں ہوئی بلکہ بند کمروں میں کی گئی۔ یہ پولیس کی تحقیقات کی طرح تھی۔ ہم میں سے ہر ایک کو الگ الگ بلا کے سوالات کئے گئے۔ جب میں اندر داخل ہوا تو سخت گھبرایا ہوا تھا ——— اس محفل کی خبر یہاں پہنچ گئی ہو تو ——؟ لیکن یہ سوال منطقی نہیں تھا۔ کیونکہ اگر خفیہ پولیس کو اس کا علم ہوتا تو میں کب کا گرفتار ہو چکا ہوتا! بہرحال شدید محبت کی طرح شدید خوف بھی منطق سے بے نیاز ہے۔

"بیٹھ جاؤ کامریڈ کرادچنکو!"

تحقیقات کے افسر کو میں جانتا تھا۔ اس کے علاوہ دو اور آدمی یہاں موجود تھے۔ ایک تو میرے لئے اجنبی تھا لیکن دوسرا اگرچہ سادہ لباس پہنے ہوئے تھا خفیہ پولیس کا افسر تھا۔

ان لوگوں نے مجھ سے سوال کئے۔ پولیس کے افسر کے آگے ایک فائل رکھی تھی۔ غالباً میری ذاتی ڈائری تھی۔ وہ اس کو الٹ پلٹ کرتا اور کاغذات نکال نکال کے افسر تحقیقات کو دیتا رہا۔

تحقیقات اسی طرح شروع ہوئی جس طرح پہلے شروع ہوئی تھی۔ سوانح حیات، دوستوں اور رشتہ داروں کا اعمال نامہ اور پارٹی کا کام سب کچھ پوچھا گیا۔ اس آموختے کو دہرانے سے مجھے کچھ تسلی ہوئی۔ انہوں نے اب کے صرف ایک سوال نیا کیا اور وہ یہ کہ ممبری کے وقت تمہاری سفارش کس نے کی تھی، میں نے نام بتا دیئے۔

"وہ اب بھی پارٹی ممبر ہیں؟"

"میرے خیال میں اب تک ہیں۔"

"ان میں سے کسی نے کسی قسم کے حزب مخالف میں حصہ لیا ہے؟"

"مجھے علم نہیں۔"

"کامریڈ کرادچنکو! کیا یہ بات حیرت انگیز نہیں کہ تمہارے گھر میں تمہارے سوا کوئی پارٹی ممبر نہیں؟ تمہارے بھائی اور ماں باپ ہم سے الگ کیوں ہیں؟"

"حیرت انگیز تو نہیں کیونکہ ہمارے ملک میں پارٹی سے باہر جو لوگ ہیں وہ اکثریت میں ہیں۔"

خفیہ پولیس کے افسر نے لقمہ دیا "اس کا باپ انقلاب سے پہلے بڑا سرگرم کارکن تھا۔ لیکن بالشویک شاید اسے پسند نہیں آتے۔"

"کامریڈ اس طرح کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ جو لوگ پارٹی کے ممبر نہیں ان پر طنز کرنا اچھی بات نہیں۔" میں نے کہا۔

"میں نے طنز تو نہیں کی، میں تو واقعات بتا رہا تھا۔" پولیس افسر بولا۔

تحقیقات تقریباً ایک گھنٹہ جاری رہی۔ اور جیسے جیسے وقت گزرتا گیا میں سنبھلتا گیا۔ بظاہر مجھ پر کوئی الزام نہیں تھا۔ میں پھر محفوظ تھا۔ اخیر میں مجھے پارٹی کارڈ لوٹا دیا گیا۔ لیکن میرا جی کھٹا ہو گیا۔ نظریاتی طور پر

ہم کمیونسٹ ملک کے حاکم تھے۔ نئی دنیا کے معماروں میں برگزیدہ۔ عملی طور پر ہم پولیس راج کے بے بس مہرے تھے، جنہیں دستور و قانون میں کوئی دخل نہیں تھا۔

ہمارے شہر میں ہزاروں کمیونسٹوں کو پارٹی سے نکال دیا گیا۔ روس کے ہر شہر کی یہی حالت تھی۔ اور اب کے اس کا مطلب فوری گرفتاری تھی۔

میرے امتحان کا منصوبہ —— میری اپنی ایجاد کردہ پائپ بنانے کی نئی قسم کی مشین کو —— نہ صرف بے انتہا پسند کیا گیا بلکہ حکومت نے اس کو اپنا لیا۔ یہ مشین بننے کی نوبت نہ آئی، لیکن میرا شمار ملک کے صنعتی موجدوں میں ہونے لگا۔

تحریری پرچوں کے بعد مجھ سے زبانی سوالات کئے گئے۔ اور ایک جلسے کے بعد میری طالب علمی کی زندگی ختم ہو گئی۔ ہم نے خوب کھایا پیا اور روس کی محبت کے گیت گائے۔ مقرروں نے تقریریں کیں اور سارا زور اس بات پر خرچ کیا کہ ہمیں عوام کے روپے پر پڑھایا گیا ہے، ہمیں چاہئے کہ پانچ سالہ منصوبے میں عوام کا ہاتھ بٹائیں، اس احسان کا کچھ بدلہ اتاریں۔

چنانچہ اب میں ایک سند یافتہ انجینئر تھا۔ آج سے چار سال پہلے اس گھڑی کا تصور میرے لئے انتہائی خوشی کا باعث تھا۔ لیکن دیہات کے خوفناک تجربے نے اسے دھندلا دیا۔ پارٹی کی تخفیف اور دوسرے واقعات سے آہستہ آہستہ اس کی چمک بالکل ماند پڑ گئی۔ اور ایلینا کی داستان اور اینڈری کی خودکشی کے بعد تو اس کا تصور بھی باقی نہ تھا۔

میرے جیسے پرولتاری خاندان کے لئے میرا انجینئر بن جانا انتہائی فخر کی بات تھی۔ میں نے بھی ایسی خوشی کا اظہار کیا جو میرے وجود میں نہیں تھی۔ امی نے یہ کیفیت بھانپ لی تھی لیکن وہ بھی فرض پورا کرتی رہی۔ ابا اچھی طرح جانتے تھے کہ سوویٹ حکومت میں انجینئر کا راستہ خس پوش گڑھوں سے بھرا پڑا ہے۔ وہ خاموش تھے، بلکہ غمگین معلوم ہوتے تھے۔ میرے بھائی کانسٹنٹائن اور یوجین سیاسیات سے بے نیاز تھے۔ ان کے لئے میرا انجینئر بن جانا میری اقتصادی خوش حالی کی ضمانت تھا۔

ایلینا پر فخر کے ساتھ ساتھ حزن کی کیفیت تھی۔ اس کی محبت اور ہمدردی سے میرے دل کو کچھ سکون ہوا۔ اُسے اندیشہ تھا کہ اسے خارکوف بھیجا جائے گا۔ مجھے معلوم تھا کہ میں کسی دُور دراز کے مقام پر تعینات کیا جاؤں گا۔ ہم دونوں میں سے کوئی بھی آزاد نہیں۔ ہماری محبت کو کڑے امتحانوں میں سے گزرنا تھا۔

میں نے کمسرار دونی کذ کو اپنے پاس ہونے کی اطلاع دی۔ اس نے بڑی گرم جوشی کا اظہار کیا۔ میں نے اس سے خط و کتابت جاری رکھی تھی۔ اور اب ہم دونوں تقریباً دوست بن چکے تھے۔

ایک دفعہ ۱۹۳۳ میں میں نے جرمنی کے نمونے پر صنعت کاری کا منصوبہ پیش کیا۔ یہ منصوبہ اخبارات

میں میری تصویر ادارتی نوٹوں کے ساتھ چھپا تھا جس میں میری بہت تعریف کی گئی تھی۔ اس منصوبے کی ایک نقل میں نے کامریڈ ارذونی کِڈز کو بھی روانہ کی تھی۔ اس کا کوئی نتیجہ تو نہ نکل سکا لیکن کامریڈ ارذونی کِڈز مجھ سے خوش ہو گئے تھے۔ پھر میں نے ایک زرعی منصوبہ پیش کیا تھا۔ خوش قسمتی سے اس کو جامہ عمل پہنایا گیا تھا۔ لیکن میرا ذکر تک نہ کیا گیا۔

میں چاہتا تو ارذونی کِڈز سے ملازمت کے لئے براہِ راست کہہ سکتا تھا لیکن میں نے اس کی دوستی سے فائدہ اٹھانا نہ چاہا۔ مجھے ٹروبوسٹل (Trubostal) ٹرسٹ کے سپرد کر دیا گیا جو لوہے کے پائپ بنانے اور دھاتوں کو گلانے کا ادارہ تھا۔ اس کا چیئرمین جیکب آئون چنکو (Jacob Ivanchenko) تھا۔ یہ شخص ہمارے کارخانے کا انچارج رہ چکا تھا اور مجھے اچھی طرح جانتا تھا۔ خارکوف کی ایک صنعتی مجلس میں فیصلہ کیا گیا کہ مجھے نکوپول میں دھات کے گلانے کے نئے کام میں لگایا جائے جو اپریل میں شروع ہونے والا تھا۔

نکوپول کی گندگی، الجھن اور تلخی کی یاد میرے دل سے محو نہ ہوئی تھی۔ اور یہ یاد کافی مایوس کن تھی۔ اس بات پر یقین نہ آتا تھا کہ وہاں مزدوروں کی بدحالی کے باوجود اپریل میں کام شروع ہو جائے گا۔

امی اور ایلینا ساحل پر کھڑیں کشتی کے نظروں سے اوجھل ہو جانے تک مجھے ہاتھوں سے الوداعی اشارے کرتی رہیں۔ خارکوف روانہ ہوتے ہی میرا دل شدت سے یہ محسوس کر رہا تھا کہ اب میری زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا ہے۔ میں اس وقت ۲۹ برس کا تھا۔ اور اس عمر میں انجینئر کی حیثیت سے زندگی شروع کرنا بہت قابلِ فخر تھا خصوصاً اس لئے کہ میں بہت اونچے عہدے پر لگایا گیا تھا۔ میں یکایک نئی روسی سوسائٹی کا ایک ستون بن گیا، جیسے میں کوئی ممتاز کمیونسٹ یا پارٹی کا کوئی بہت بڑا عہدے دار یا خفیہ پولیس کا کوئی بڑا افسر یا روس کے اعلیٰ طبقے کا کوئی فرد تھا۔

نکوپول جو نیپر کے کنارے پر واقع ہے ایک قدیم شہر ہے۔ اس کے اردگرد گھنے جنگلات اور گیہوں کے کھیت ہیں۔ یہ علاقہ دنیا بھر میں مینگانیز کی وجہ سے مشہور ہے جو فولاد بنانے کے کام آتی ہے۔ قریب ہی لوہے کی کانیں بھی ہیں اس لئے یہ علاقہ دھات کی صفائی کے لئے قدرتی طور پر موزوں ہے۔ اس شہر کی گلیاں اور بازار دیکھ کے مجھے الگزانڈروسک یاد آ گیا جسے اب زپاروزی کہتے ہیں۔ اور جہاں میں نے اپنے دادا کے پاس بچپن کے کچھ دن گزارے تھے۔

کارخانہ بدقسمتی سے شہر سے دور ایک ویرانے میں قائم کیا گیا تھا۔ اس کے پانچ ہزار مزدور اب بھی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں زندگی گزار رہے تھے جو حیوانوں کے لئے موزوں تھیں۔ عام مزدور ایک بہت گندے بدبودار ہوٹل میں کھانا کھاتے تھے۔ فورمینوں اور انجینئروں کے لئے ایک صاف ستھرا ہوٹل الگ تھا۔ ایک تیسرا ہوٹل اس سے بھی بڑھیا اور تکلفات سے پُر تھا۔ یہاں کھانے کی عمدہ اشیا کے علاوہ

عیاشی کا سامان بھی تھا۔ یہاں پہلے طبقے کے صرف چند افراد داخل ہو سکتے تھے۔ روس میں یہ طبقاتی تفریق صدیوں سے چلی آ رہی تھی۔ موجودہ وقت پر غیر ملکیوں کو البتہ اس پر کچھ حیرت ہوتی تھی۔

مجھے کارخانے سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر ایک خوبصورت بنگلہ رہنے کو مل گیا۔ ایسے بنگلے یہاں صرف آٹھ تھے جو اونچے افسروں کے لئے مخصوص تھے۔ میرے بنگلے کے اردگرد لمبے لمبے خوشبودار درختوں کے جھنڈ تھے۔ آگے اور پیچھے بڑے خوشنما باغیچے تھے جن میں رنگ رنگ کے پھول مہک رہے تھے۔ فرنیچر نہایت عمدہ اور کافی تھا۔ نہانے کے لئے ٹب تھا۔ اس کے علاوہ ایک ریڈیو سٹ اور ایک آتش بکس۔ ایک کار اور دو گھوڑے بھی میرے لئے مخصوص تھے۔ یہ چیزیں تھیں تو کارخانے کی ملکیت، مگر جب تک میں یہاں کام کرتا میری تھیں۔ ایک ڈرائیور، ایک سائیس اور گھر کے کام کے لئے ایک نوکرانی اور تین ملازم بھی مجھے دیئے گئے، جن میں سے مجھے صرف نوکرانی کو تنخواہ دینی تھی۔ باقی سب خرچ کارخانے کے ذمے تھا۔

میری ماہوار آمدنی ۱۵۰۰ سے ۱۸۰۰ روبل کے درمیان تھی۔ الاؤنس ڈال کے کبھی کبھی دو ہزار سے بھی بڑھ جاتی۔ اس معیار کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ بہت قابل اور تجربہ کار فورمین کو بھی ۴۰۰ سے زیادہ آمدنی نہ ہوتی۔ عام مزدوروں کو ۱۲۰ سے ۱۷۵ روبل ملتے۔ پرولتاریوں کو جن کے نام پر روسی حکومت چل رہی ہے مجھ سی کوئی آسائش حاصل نہ تھی۔ پانچ ہزار پرولتاریوں میں شاید مجھ سے دس اور تھے۔

میں نے کام بڑی محنت سے کیا۔ ۱۲ گھنٹے سے کم تو کوئی کام ہی نہیں تھا۔ کبھی کبھی تو میں ۲۰ گھنٹے مسلسل کارخانے میں گذارتا۔ لیکن گھر میں جب میں نوکرانی کو کھانا پکاتے، مالی کو پانی دیتے اور آتش بکس میں ٹھنڈے میٹھے پھلوں کو دیکھتا تو میرا ضمیر مجھے مجرم سمجھتا۔

مجھے بارکوں میں سونے والے مزدوروں، ان کے بچوں اور ان کی موہوم زندگی کا خیال آتا۔ اگر وہ مجھ سے نفرت کرتے تھے تو وہ حق بجانب تھے، کیونکہ میں ان کے نئے آقاؤں میں سے ایک تھا — لیکن میں انہیں کیونکر سمجھاتا کہ یہ تفریق میری مجبوری ہے۔ میں ایک مہیب کل کا ایک حقیر سا پرزہ ہوں۔ میری خوشحالی حکومت کی دین ہے اور کسی وقت بھی مجھ سے چھینی جا سکتی ہے۔

میں دل سے چاہتا تھا کہ کسی طرح مزدوروں سے میرے دوستانہ تعلقات قائم ہو جائیں۔ میں انہیں سمجھ سکتا تھا۔ ان کی ضرورتوں اور امیدوں سے واقف تھا — لیکن ایک بہت بڑے انجینئر کی بے تکلفی شاید ہی انہیں پسند آ سکتی۔ اس سے سرپرستی کی بو آتی تھی۔ اس کے علاوہ سرکاری حلقے اسے نظم و ضبط کے لئے مضر سمجھتے اور ناک بھوں چڑھاتے۔ نظریاتی طور پر ہم محنت کشوں کی قوت کا مظہر تھے۔ لیکن عملی صورت میں ہم دو مختلف طبقے تھے۔ افسروں کی دنیا اور حقیقت کی دنیا میں ایک وسیع خلیج حائل تھی۔

وہی کامریڈ برانکو جو پہلے اس کی تعمیر کا انچارج تھا۔ اب اس کا ڈائرکٹر تھا۔ وقت نے اس کے اکل کھرے پن کو مٹا دیا تھا اور اب وہ پہلے سے زیادہ خوشگوار ساتھی تھا۔ تکنیکی نظام میں صرف برانکو اور چیف انجینئر

وشنیف (Vishner) مجھ سے بڑے تھے۔ سیاسی قوت فیکٹری پارٹی کمیٹی کے صدر کوزلوف (Kozlov) اور ٹریڈ یونین چیئرمین سٹروسٹن (Stroetin) کے ہاتھوں میں تھی۔

کوزلوف ادھیڑ عمر کا آدمی تھا اور دل سے مزدوروں کا بہی خواہ تھا۔ لیکن سٹروسٹن موقعہ پرست تھا اور بیوقوف بھی۔ لیکن اس کا صرف نام ہی نام تھا۔ طاقت اس کو بہت کم ملی تھی۔ ٹریڈ یونین کے عہدیدار پارٹی کی اجازت کے بغیر فیصلے کجا بول بھی نہیں سکتے تھے۔

مزدور انجمنیں ایک ہی ڈکٹیٹر کے ماتحت تھیں۔ یہ سسٹم قرونِ وسطےٰ کے نظام سے ملتا جلتا تھا۔ یہاں نظر کا دھوکا بھی نہیں تھا۔ کیونکہ مزدور جلسوں اور فیصلوں کے بھرے میں نہیں آتے تھے۔ ان انجمنوں کے وجود کا واحد احساس وہ رقم تھی جو ہر مہینے انہیں چندے کے طور پر ادا کرنی پڑتی۔ سٹروسٹن کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی لیکن کوزلوف کا ہر لفظ قانون تھا۔

ہم بڑے افسر ایک ساتھ رہتے تھے۔ تھوڑی ہی مدت میں ہمیں ایک دوسرے کی کمزوریوں اور خامیوں کا پتہ چل گیا۔ نکوپول سٹی کمیونسٹ پارٹی کا سیکرٹری بروڈسکی جسے میں نیپروپیٹروسک سے جانتا تھا ہمارے کارخانے کی نگرانی کرتا تھا۔ اور خفیہ پولیس کا افسر ہونے کی وجہ سے ڈروگن کی تو ہزار آنکھیں ہم پر لگی تھیں۔ ہمارے کارخانے کے اندر سپیشل ڈیپارٹمنٹ، خفیہ ڈیپارٹمنٹ اور رضاکار اور ملازم جاسوسوں کی کوڑیاں ہر شعبے اور ہر مکان میں متعین تھیں۔

ڈروگن ایک غصیل آدمی تھا۔ شکل وصورت سے بالکل بلڈاگ معلوم ہوتا تھا۔ اسے دیکھ کے محسوس ہوتا تھا کہ خالق نے اسے سنگِ خارا سے تراشا ہے۔ اس قسم کے آدمی میں نے زار کے زمانے میں دیکھے تھے۔ جب وہ ابا کا تعاقب کیا کرتے تھے۔ لیکن ہم براہ راست اس سے متعلق نہیں تھے۔ براہ راست ہمارا واسطہ اس کے لائق نائب گرش گورن (Gershgorn) سے تھا جو نکوپول اور اس کے گردوپیش کے اقتصادی اور صنعتی معاملات کا نگران تھا۔ میرے ذہن میں گرش گورن کے لئے ایک خاص مقام ہے۔ کیونکہ ایسا ذلیل آدمی میری زندگی میں بار بار نہیں آیا۔ اس کے گال سوجے رہتے تھے۔ جن میں چھوٹی چھوٹی کمینہ خصلت آنکھیں پھنسی ہوئی تھیں۔ ماتھا نہایت چھوٹا تھا۔ ابروؤں کے ساتھ ہی اس کا سر شروع ہو جاتا جو پہاڑ کی چوٹی کی طرح ابھرا ہوا تھا اور ہمیشہ گھٹا گھٹا سا رہتا۔ وہ احسان فراموش اور بدزبان تھا اور اپنی بدحرکات کی برداشت کے معاملے میں دوسرے پر ہمیشہ اعتماد کرتا۔ اگر کہیں انسانیت کی کوئی رمق موجود تھی تو اس نے ہمارے برسوں کے ناخوشگوار تعلقات کے دوران میں تو اس کا اظہار نہیں کیا۔

میرا پہلا مہینہ تو مشینوں کو جمع کرنے اور انہیں فٹ کروانے میں خرچ ہو گیا۔ یہاں نالیاں بنانے کے دو چھوٹے پلانٹ تھے جن میں سے ہر ایک پر تقریباً ۱۵۰ مرد عورتیں کام کرتے تھے۔ ایک

پلانٹ میرے سپرد کر دیا گیا۔ جون کے آخر میں کام شروع ہو گیا۔ مجھے خطرات کے باوجود ذمہ داری پسند تھی، اور میں کام کو کسی نہ کسی صورت چلتا دیکھنے کے لئے کئی راتیں جاگ کر گزارتا۔

جب میں کام کو جاری دیکھتا تو ناقابل بیان لذت محسوس کرتا۔ اے کاش کہ جاسوس کچھ کم ہوتے دہشت کچھ کم ہوتی اور روحوں میں اتنی مایوسی نہ ہوتی!

مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ میرے کام ہی کی نہیں میری اپنی نگرانی بھی ہو رہی ہے۔ مجھے یقین تھا کہ میری سیکرٹری تودینہ (Tunina) میرا شوفر اور میری نوکرانی سب میری نگرانی کر رہے ہیں۔ میں یہ بات جانتا تو تھا لیکن میں نے اسے بھلا رکھا تھا۔ پھر بھی کبھی کبھی یہ حقیقت ذہن کی گہرائیوں سے ابھر کے میرے سامنے آ کھڑی ہوتی تھی۔

مجھے کئی بار معلوم ہوا کہ میں سرسری طور پر بھی جو کچھ کہتا ہوں اس کا علم سپیشل ڈیپارٹمنٹ کے افسر ہنتووچ (Hantovich) کو ہو جاتا ہے اور اس کے ذریعے گرش گورن کو۔ میں نے کبھی کوئی خطرناک بات نہیں کہی تھی۔ اور تکنیکی مشاورت کے دوران میں میں جو کچھ کہتا تھا کارروائی میں شامل سمجھ کے کہتا تھا لیکن جاسوسی کی دہشت میرے دماغ پر سوار تھی، اس لئے میں گھبرا جاتا تھا۔

کارخانوں میں عام طور پر مشینیں ٹوٹ جاتی ہیں، مزدور کئی دفعہ کام کم کرتے ہیں یا تھک جاتے ہیں لیکن جب کبھی کوئی ایسا حادثہ ہو جاتا خفیہ پولیس والے "سازش" کی بو سونگھتے ہوئے وہاں آ دھمکتے۔

ایسی غلیظ فضا میں میں نے کام شروع کیا۔ پرانے انجینئر ایسے روسی صنعت کاری کا عام ماحول سمجھتے اور آپس میں کارخانے کے اندر کے "قابل مصنفین" کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ لیکن میں اس فضا کا عادی نہ ہو سکا۔

امی مجھے ملنے کے لئے یہاں آئیں اور میرا گھر اور اس کی آسائشیں دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ ان کے "دوسرے بیٹے نے واقعی دنیا میں گھر بنا لیا" تھا۔ میں نے ان کے آنے کی خوشی میں ایک دعوت کا اہتمام کیا۔ تو امی نے بڑے چاؤ سے میرے پسندیدہ کھانے اپنے ہاتھ سے پکائے۔ اگلی صبح میں نے کام پر جاتے ہوئے امی سے کہا کہ میں تو شام کو دیر سے آؤں گا آپ گھبرائیں نہیں۔ اس وقت مجھے کیا خبر تھی کہ امی کی اپنی سکیمیں ہیں۔ سہ پہر کے قریب مجھے اطلاع ملی کہ امی مزدوروں کے ہوٹل میں بیروں سے باتیں کر رہی ہیں۔

اس دن مجھے بہت دیر ہو گئی۔ گھر پہنچا تو امی سو رہی تھیں۔ اگلے دن مجھے پھر خبر ملی کہ امی "ہاتھ میں نوٹ بک لئے" کارخانے میں گھوم رہی ہیں۔ مجھے معلوم ہوا کہ وہ بارکیں، بچوں کا سکول اور کوآپریٹو سٹور کا معاینہ کر چکی ہیں۔ لیکن میں اس دن اس قدر مصروف تھا کہ امی کے معاینے کے بارے میں کچھ نہ سوچ سکا۔

جب میں گھر پہنچا تو امی میرے لکھنے کے میز پر بیٹھی عینک ناک کی نوک پر رکھے بڑی سنجیدگی سے پیڈ کے

کاغذ پر کچھ لکھ رہی ہیں۔ میں نے ان سے کوئی سوال نہ کیا اور بے چینی سے انتظار کرتا رہا کہ وہ خود بات کریں۔

کھانے کے بعد جب نوکرانی نے برتن وغیرہ ہٹا لئے تو امی بولیں

"وکٹر میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں!"

"کہئے۔"

ایک رپورٹر کی طرح انہوں نے بتایا کہ میں نے فیکٹری کا معاینہ کر لیا ہے۔ مزدوروں کی کوٹھڑیاں، بچوں کا سکول، کلب اور نہانے اور صحت وصفائی کے انتظامات دیکھ لئے ہیں۔ ان کی آواز حقارت اور غصے سے بھری ہوئی تھی۔

"میں کانپ گئی ہوں۔ تمہیں اپنے مزدوروں کی بدحالی کا کچھ احساس ہے۔ افسروں اور ڈائرکٹروں کے لئے تو سب کچھ ہے۔ لیکن مزدوروں کے لئے گندگی اور بے پروائی کے سوا کچھ نہیں۔ باورچی خانوں سے بو آ رہی ہے۔ کھانے بڑے بیہودہ ہیں۔ اور بارکیں —— تمہیں کہو کیا تم واقعی انہیں روسی مزدوروں کے رہنے کے قابل سمجھتے ہو؟"

"میں کیا کر سکتا ہوں۔ میرے بس میں جو کچھ ہے کر رہا ہوں۔ اس بات کی ذمہ داری میں میں ہرگز شریک نہیں۔"

"تم یہاں کے افسروں میں سے ہو وکٹر اور تمہیں ذمہ داری محسوس کرنی چاہئے۔ دیکھو تم کس ٹھاٹھ سے رہتے ہو۔ کیا یہ تفریق تمہیں ناگوار معلوم نہیں ہوتی؟"

"امی آپ سمجھتی نہیں شاید۔ ہم افسر یہاں پر مالک نہیں۔ تمام احکام مرکز سے آتے ہیں۔ ہم بالکل بے بس دیا ہیں۔ میں نے ہوٹل کو قلعی کروا دیا ہے۔ ہر شفٹ کے بدلنے کے بعد دن میں تین مرتبہ اسے صاف کرواتا ہوں۔ لیکن اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ تنخواہوں میں اضافے، مکانوں کی فراہمی، بجٹ اور قیمتوں کا فیصلہ تو ماسکو میں ہوتا ہے۔ مجھے تو صرف نالیاں بنانے کا اختیار ہے۔"

"کم از کم تمہیں حالات کی خبر تو ہونی چاہئے۔ میں نے کچھ باتیں نوٹ کر لی ہیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ عورتوں کو سودا لانے کے لئے دن میں چار مرتبہ شہر جانا پڑتا ہے؟ یہاں دکانوں کا انتظام کیوں نہیں؟ تمہارے پاس تو نہانے کے لئے ایک خوبصورت ٹب ہے لیکن مزدوروں کے لئے کیا ہے؟ اور بچوں کا سکول اور ہسپتال نہ تعلیم نہ دوائیں نہ کوئی اور چیز!"

"امی آپ حالات کو زیادہ گھناونا کر کے دکھا رہی ہیں۔"

"میں تم پر الزام نہیں دھرتی بیٹے، لیکن اگر تم ان باتوں کو جانتے، اگر دوسرے ڈائرکٹروں کو ان کا علم ہوتا تو شاید کچھ بہتری ہو جاتی۔"

امی کی آنکھوں میں آنسو جھلک رہے تھے۔ انہیں بہت دکھ پہنچا تھا، انہیں اپنے بیٹے کے آرام کو

دیکھ کے صدمہ ہوا تھا۔

امی کے جانے کے بعد کامریڈ کوزلوف نے ایک کانفرنس بلائی۔ جب میں پہنچا تو پارٹی آفس کھچا کھچ بھر چکا تھا۔ بحث کا موضوع یہ تھا ــــ "مزدوروں کی رہائش کا انتظام"۔ میں بہت خوش ہوا کہ چلو امی نے جو کچھ کہا تھا اس کے لیئے کوشش کرنے کا موقعہ اس قدر جلدی ہاتھ آ گیا ہے۔ چنانچہ جب میری باری آئی تو میں نے تمام باتیں کہہ سنائیں۔ حاضرین پر میری تقریر کا گہرا اثر ہوا۔

"کرادچنکو کو یہ باتیں کیسے معلوم ہوئی ہیں؟ ایک آواز آئی۔

"اس کی ماں نے بتائی ہیں"۔ سٹارسٹن یونین کے صدر نے جواب دیا۔ اس کی آواز میں طنز تھا۔ "تمہیں نہیں معلوم کہ وہ اپنے آپ معائنے کرتی رہی ہیں۔ جیسے یہ اس کی جاگیر ہو۔ بی صاحبہ سمجھتی ہیں کہ نکوپول ان کی جاگیر ہے، کیونکہ ان کا بیٹا یہاں کے مالکوں میں سے ہے۔ لیکن ہم اس دخل در معقولات کا مطلب خوب سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے بیٹے کی ترقی کا سامان کر رہی ہیں۔"

اس پر شور مچ گیا۔ ہر ایک نے باتیں کرنی شروع کر دیں۔ میرا خون کھولنے لگا۔ لیکن کوزلوف نے میرا بازو دبا دیا کہ چپ رہو۔ اور خود بولا

"خاموش۔ کامریڈ سٹارسٹن احمقوں کی طرح بات کرتا ہے۔ وہ ۱۹۰۵ کے ایک انقلابی کارکن کی بیوی ہے جو قید کاٹ چکا ہے۔ اس پر حملہ کرتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہیئے۔ کیا تم اپنی نالائقی کو یوں چھپا سکتے ہو؟"

ایک ماہ کے بعد میری امی کی کوششیں پھل لائیں۔ مزدوروں کے لیئے کارخانے میں دکانیں کھلوا دی گئیں۔ ہسپتال میں دوائیوں کا انتظام کر دیا گیا۔ نہانے کا ایک کلب قائم ہو گیا۔ مسز کرادچنکو کی کوششوں کی کہانی مزدوروں میں پھیل گئی۔ اور کرادچنکو اس کی عظمت کا حصہ دار بن گیا۔

ایک دن میں نے اپنی سیکرٹری تودینا کو خفیہ پولیس کے دفتر سے نکلتے دیکھا۔ یہ تو مجھے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ روس میں سیکرٹری کا اصلی کام اپنے افسر کی جاسوسی کرنا ہے۔ لیکن میں نے تودینا کو کبھی اس حالت میں دیکھا نہیں تھا۔ اگلے دن میں نے دفتر کو لکھا کہ اس عورت کو واپس لے لیا جائے اور کسی اور کو میرے پاس بھیجا جائے۔ مرد ہو تو اچھا ہے۔

کچھ دنوں کے بعد ایک بتیس سالہ آدمی میرے پاس پہنچ گیا۔ اس کی شکل و صورت عجیب تھی۔ پہلی بات جو اس کے بارے میں میرے ذہن میں آئی وہ یہ تھی کہ وہ بڑا بدوضع شخص ہے۔ وہ دھجیوں میں لپٹا ہوا ڈھانچہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کے جوتے پھٹے ہوئے، پتلون پر دھجیاں اور جیکٹ ٹاٹ کی بنی ہوئی تھی۔ ہماری سوویت حکومت میں بھی وہ بھکاری معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس کے فاقہ زدہ نقوش کافی جاذب تھے۔

"مجھے اپنی شکل و صورت کا علم ہے کامریڈ کرادچنکو - لیکن خدا کے لئے اس کا خیال نہ کیجئے - میں چار سال جیل میں کاٹ کے ابھی آ رہا ہوں - اگر آپ نے مجھے موقعہ دیا تو آپ میرے کام سے مطمئن ہوں گے ۔"

وہ پڑھے لکھوں کی طرح بولتا تھا - مجھے اس پر رحم آگیا - میں نے کچھ چائے اور توس منگوائے - اس نے بڑے حجاب سے رک رک کر تھوڑا سا کھایا - لیکن یہ بات واضح تھی کہ وہ بے چارا بالکل فاقہ زدہ ہے - اتنے میں ٹیلیفون کی گھنٹی بجی - میں نے ریسیور اٹھایا تو رومونوف (Romanov) تھا - وہ ایک شعبے کا افسر تھا -

"میں تمہارا انتہائی ممنون ہوں گا کامریڈ کرادچنکو اگر تم گرومن کو رکھ لو - اپنی بدقسمتی کے باوجود بیچارا قابل اعتبار آدمی ہے ۔"

"اسے بہت مدت سے جانتے ہو؟"

"نہیں - لیکن میں اس کی سفارش صحیح طور پر کر رہا ہوں ۔"

جب میں نے بدنصیب قیدی سے کہا کہ میں نے تمہیں رکھ لیا ہے تو وہ پہلی دفعہ مسکرایا - وہ پریشان کن حد تک احسان مند تھا - میں نے اسے کچھ رقم پیشگی دے دی اور سٹور کے محکمے کو ہدایت کی کہ اسے کافی کپڑے دیدیئے جائیں -

گرومن نے بہت جلد اپنی قابلیت اور ذہانت کا سکہ بٹھا لیا - اُس نے میرا بہت سا کام ہلکا کرا دیا - اچھے کپڑے پہن کر اس کی ہڈیوں پر کچھ گوشت بھی آگیا - اس کی آنکھیں بھی کچھ زندہ ہوگئیں اور وہ پھر سے انسانوں میں آگیا -

بہت سے دن اسی طرح گذر گئے - ایک دن گرومن کام پر نہ آیا - میں سمجھا کہ وہ بیمار ہے - جب وہ اگلے دن بھی غیر حاضر رہا تو مجھے پریشانی ہوئی - میں کسی کو اس کے گھر بھیجنے والا تھا کہ میری نظر ایک کاغذ پر پڑی جس پر لکھا تھا

"ڈیر کامریڈ کرادچنکو! جس وقت آپ کو یہ کاغذ ملے گا میں نکوپول سے جا چکا ہوں گا - میں اس خوفناک سرزمین سے بھاگ جانا چاہتا ہوں - غلامی کی اس زندگی سے موت بھی بہتر ہوگی .....

میرے ماتھے پر پسینے کی ٹھنڈی ٹھنڈی بوندیں نمودار ہوگئیں - کانپتے ہوئے میں نے اپنا دروازہ بند کیا - دستانے پہنے اور کاغذ کو ہاتھ میں لیا - یہ ایک غیر معمولی دستاویز تھی -

"...... ایک سچا روسی دل آپ کا انتہائی ممنون ہے - آپ کی شفقت نے میرے دل میں انسانیت کے جذبات جگا دیئے ہیں جنہیں میں مردہ سمجھ چکا تھا - اور میرے بھاگنے کی ایک یہ وجہ بھی ہے - اگر خدا نے میری مدد کی تو سرحد پار کر لوں گا ورنہ گولی تو میرے لئے ہے ہی -

مجھے سوویت حکومت سے نفرت ہے اور اس کی پولیس سے بھی - میں نے کوئی جرم نہیں کیا — اگر آزادی

کی محبت کوئی جرم نہیں ــــ میں نے قیدِ تنہائی کاٹی ہے اور ایذا برداشت کی ہے۔ جب میں آزاد ہوا تو میں نے محسوس کیا کہ اگر ان سفاکوں کی ملازمت نہیں کرتا تو اس آزادی کی عمر بہت زیادہ نہیں۔

"جس شام میں آپ سے ملا اسی شام میں قیدیوں کے کیمپ سے نکوپول پہنچا تھا۔ اور حکم پہنچا تھا۔ میں خفیہ پولیس کے دفتر گیا اور گرش گورن کے سامنے پیش ہوا۔ اس نے مجھے آپ کے پاس بھیج دیا۔ جو کچھ ہوا اور جس میں رومنوف کی سفارش بھی شامل تھی ایک مکروہ ڈرامہ تھا جس کا شکار آپ تھے۔ جاسوسی کرنے سے مجھے کوئی اعتراض نہ تھا۔ مجھے تمام کمیونسٹوں سے نفرت تھی اور میں نے اس موقعے کو غنیمت جانا کہ چند ایک کو پھنسا کر انتقام لے لوں گا۔ میرا خیال تھا کہ آپ میرے پہلے شکار ہیں۔ لیکن بہت جلد میرے دل میں آپ کی محبت پیدا ہوئی اور مجھے اپنے آپ پر سخت ندامت ہوئی۔

میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ آپ پر سب سے زیادہ جاسوسی میں نے کی۔ آپ پر باقی جتنے جاسوس چھوڑے گئے ہیں وہ تمام مواد مجھے دیتے تھے۔ اور میں ان کی تفصیل جس میں آپ کے کام کے نقائص بھی شامل ہیں خفیہ پولیس کے دفتر میں بھیج دیا کرتا تھا۔ یہ جاسوس ایک دوسرے سے واقف نہیں تھے مگر میں ان سب کو جانتا تھا۔ آپ کے احسان کا کم سے کم بدلہ میں آپ کو یہ دے سکتا ہوں کہ آپ کو ان کے نام بتا دوں ......"

اس کے بعد ناموں کی ایک فہرست تھی۔ اس میں رومنوف کا نام بھی۔ رومنوف جس کی شفقت اور زندہ دلی کی وجہ سے ہم سب اس کی عزت کیا کرتے تھے، اور اس پر پورا پورا اعتماد کیا کرتے تھے۔

"وکٹر کراوچنکو ان جاسوسوں سے ہوشیار رہیئے۔ ان کے دل میں سچائی کی کوئی عزت نہیں۔ سازشوں پر ان کی زندگیوں کا دارومدار ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ خفیہ پولیس ہر آدمی سے ہر اقدام کرا سکتی ہے۔

میرا خیال ہے کہ آپ اس خط کو ایک پھندا تصور کریں گے۔ میں آپ پر الزام نہیں دھرتا۔ میں خدا کی قسم کھاتا ہوں۔ مجھے اپنی پیاری ماں کی سوگند کہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ میں ایک ایسے آدمی کی مہربانی کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جس کے خلاف میں نے مہینوں جاسوسی کی ہے۔ اب یہ آپ کی مرضی پر ہے کہ آپ مجھ پر اعتبار کریں یا نہ کریں۔

اگر آپ نے یہ خط گرش گورن کو دکھایا تو وہ کہے گا کہ میں جھوٹ بولتا ہوں اور جاسوسوں کو فوراً تبدیل کر دے گا۔ لیکن اگر آپ مجھ پر اعتبار کر سکیں تو یہ خط ضائع کر دیں۔ میری غیر حاضری پر غصے کا اظہار کریں انہیں شبہ نہیں ہوگا۔

آپ جو کچھ بھی فیصلہ کریں میں آپ کی منت کرتا ہوں کہ میری غیر حاضری کی خبر دینے سے پہلے آپ مجھے ایک دن کی مہلت دے دیں ــــ یہ ایک دن شاید میری زندگی اور موت کا وقفہ بن جائے۔ وکٹر کراوچنکو میں آپ کی منت کرتا ہوں۔

آپ کی نوازش اور مہربانی کا شکریہ! آپ نے میری انسانیت کو زندہ کیا جسے ایذا اور قید نے مردہ

کر دیا تھا، آپ کا شکریہ۔ ہزار بار شکریہ۔ اگر میں زندہ رہا تو تمام عمر آپ کے لئے دعا کروں گا۔ الوداع۔"

میرے دل نے اس خط کی سچائی کی گواہی دی۔ اس خط کو پڑھتے ہوئے میرے دل میں خیال آیا کہ شاید میں اپنی جان سے کھیل رہا ہوں۔ میں نے اس کے بتائے ہوئے ناموں کی ایک نقل رکھ لی اور خط کو جلا کے اس کی راکھ کو ہوا میں بکھیر دیا۔

شام کے وقت میں نے ایک آدمی کو گرومن کے گھر بھیجا۔ وہ خبر لایا کہ گرومن دو دنوں سے غائب ہے۔ پھر میں نے اپنے دفتر کے متعلقہ افسر کو بلایا اور اس سے نہایت غصّے سے پوچھا کہ مجھے کوئی کام کا سیکرٹری کیوں مہیا نہیں کیا جاتا۔ گرومن کو گئے ہوئے اب تین دن ہو چکے ہیں۔

گھنٹے بھر کے اندر گرش گورن ایک باوردی افسر کے ہمراہ میرے پاس پہنچ گیا۔ وہ اضطراب سے بھرپور تھا انہوں نے مجھ سے بہت سی باتیں پوچھیں، گرومن کے کاغذات کی تلاشی لی اور چلے گئے۔ مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ گرومن بھاگنے میں کامیاب ہو سکا یا نہیں۔ روسی سرحد کو پار کرنا بہت مشکل ہے۔ لیکن سینکڑوں آدمی یہ کارنامہ انجام دے چکے ہیں۔

اس نے مجھے جاسوسوں کے بارے میں جو اطلاعات دی تھیں ان سے مجھے بہت فائدہ ہوا۔ اس سے میں نے اپنے آپ کو بھی اور دوسروں کو بھی بچایا۔

گرومن کی جانشین ایک خوبصورت اور محنتی کمسومول تھی۔ اس نے گرومن کے جاسوسی کے فرائض بھی سنبھال لئے گرومن کی جاسوسوں کی فہرست میں میرا ڈرائیور بھی تھا۔ وہ خفیہ پولیس کے محکمۂ اطلاعات کا ملازم تھا۔ میری نوکرانی پاشا کا نام اس میں نہیں تھا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ پاشا کے بارے میں گرومن سے بھول ہو گئی ہے۔

ایک دفعہ میں ماسکو سے واپس آیا تو اس کے لئے کچھ کپڑے اور جرابیں تحفے کے طور پر لے آیا۔ اس نے انہیں قبول تو کر لیا لیکن اس کے انداز میں کچھ جھجک سی تھی۔

"تمہیں پسند نہیں آئے پاشا؟"

"بہت پسند آئے ہیں۔ میں آپ کی ممنون ہوں وکٹر کراوچنکو۔"

لیکن اسی شام کھانے کے بعد پاشا یہ چیزیں واپس لے آئی اور گنواروں کی طرح ڈھاڑیں مار مار کے رونے لگی۔ میرے اصرار کرنے اور کسی سے نہ کہنے کے وعدے پر اس نے مجھ سے کہا کہ میں ایک نیک آدمی کے تحفے قبول نہیں کر سکتی کیونکہ میں اس کی جاسوسی کر رہی ہوں۔ جب انہوں نے مجھ سے جاسوسی کرنے کو کہا تو میں نے انکار کر دیا۔ میں بہت روئی لیکن انہوں نے کہا کہ پاشا اگر تم چاہتی ہو کہ تمہارا باپ قید سے چھوٹ جائے تو تمہیں یہ کام کرنا ہوگا

نکوپول میں مشینیں لگانے کے لئے جرمن اور امریکی انجینئر بھی آیا کرتے تھے۔ تمام کے تمام روسی ان سے خائف بھی تھے اور ان کے گرویدہ بھی۔ "عوام کے دشمنوں" کے ساتھ معمولی میل جول بھی خطرناک سمجھا جاتا تھا۔ وہ اچھے کپڑے پہنتے

تھے، اور بے تکلفی سے باتیں کرتے ہوئے کسی اور ہی دنیا کے باشندے معلوم ہوتے تھے۔

جب کامریڈ برانکو نے مجھ سے درخواست کی کہ میں دو امریکیوں کو اپنے گھر ٹھہرالوں تو میں بہت گھبرایا۔ یہ لوگ ینگز ٹاؤن کے رہنے والے تھے اور انہیں نکوپول میں کئی مہینے ٹھہرنا تھا۔ میں کنوارا تھا اور کسی صورت انکار نہیں کر سکتا تھا لیکن مجھے ان غیر ملکیوں، عوام کے دشمنوں سے اس جبری میل جول سے خوف آتا تھا۔

لاری اور جو دونوں دراز قد اور خوبصورت آدمی تھے۔ وہ بڑے نیک دل تھے اور گھر جانے کے لئے بیتاب ہو رہے تھے۔ ہم اگرچہ ایک دوسرے کی زبان سے ناواقف تھے، لیکن تھوڑے ہی عرصے میں ہم میں دوستی ہو گئی۔ ہم میں کبھی سیاسیات پر بات نہیں ہوئی، میرے لئے یہ ایک عجیب بات تھی۔ دونوں امریکی صرف اپنے کام کے بارے میں سوچتے تھے، اور کام کے بعد وہ لطیفے سناتے، تاش کھیلتے اور پارٹیوں میں جانے کی کوشش کرتے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی کہ جن لوگوں کے ساتھ وہ کام کر رہے ہیں وہ انہیں پارٹیوں میں بلانے سے اجتناب کیوں کرتے ہیں۔

ایک دن گرشگورن نے مجھے ٹیلیفون کیا

"تمہارے امریکی آج شکار پر جا رہے ہیں؟"

"ہاں۔ کیوں؟"

"جیسے ہی وہ جائیں تم مجھے اطلاع دینا۔ اور اپنے نوکر کو چھٹی دے دو۔"

ناشتے کے بعد امریکی شکار پر روانہ ہو گئے۔ مجبوراً میں نے خفیہ پولیس کو خبر کر دی۔ گیارہ بجے کے قریب گرشگورن ایک باوردی افسر کے ساتھ آیا اور اس بے تکلفی کے ساتھ ادھر ادھر گھومنے لگا گویا یہ اس کا اپنا گھر ہو۔ میرے ذہن میں معاً خیال آیا کہ میری غیر حاضری میں میری تلاشی بھی لی جاتی ہو گی۔

امریکیوں کے کمرے کی انہوں نے بڑے انہماک سے تلاشی لی۔ انہوں نے جیبیں ٹٹولیں، قمیصوں کے کف الٹے، جوتوں کے تلوے دیکھے اور ایک ایک کونہ چھان مارا۔ کچھ کاغذات کی انہوں نے تصویریں لے لیں۔ اُن کے ٹیلیفون نمبروں کا جائزہ لیا جو ان کی ڈائریوں میں درج تھے۔ چار بجے کے قریب انہوں نے اپنا کام ختم کر لیا۔ لیکن ان کے چہرے بتا رہے تھے کہ کوئی کام کی چیز انہیں نہیں ملی۔

"تمہیں ذہن نشین کر لینا چاہئے کامریڈ کراچنکو کہ اس تلاشی کے بارے میں امریکیوں کو کوئی بات نہیں پہنچے گی۔ اگر انہیں خبر ہو گئی تو خفیہ پولیس تمہیں اس کا ذمہ دار سمجھے گی۔ اس تحریر پر دستخط کر دو۔"

ان کے جانے کے بعد میں دل میں شرمندگی کا بوجھ لئے اجنبیوں کی طرح گھومتا رہا۔ جو اور لاری آئے تو میں ان سے آنکھیں چار نہ کر سکا اور کوئی بہانہ بنا کے باہر چلا گیا۔ ان دونوں کے وہم و گمان میں نہیں تھا کہ ان کی تلاشی لی گئی ہے۔

ایک دن گرشگورن نے مجھے بلایا اور اس نے جو اور لاری کی کچھ تصویریں دکھائیں جن میں وہ روسی عورتوں کے ساتھ عیش کے لمحے گزار رہے تھے۔

"لیکن تمہیں اب ان کی کیا ضرورت ہے؟ وہ تو کب کے امریکہ بھی پہنچ چکے۔"

"لیکن اس سے بہت فائدہ ہوا ہے۔ اب وہ حرامی ہمارے پیارے وطن کی برائیاں تو نہیں کریں گے۔"

رفتار!

۱۹۳۵ میں ڈونٹز کی کانوں میں ایک "معجزہ" ہُوا۔ ایک مزدور سٹاخنوف (Stakhnov) نے ایک شفٹ میں ۱۰۲ ٹن کوئلہ نکالا۔ یہ عام کان کن کے کام سے چودہ گنا ہے۔ یہ بڑا شاندار کام تھا لیکن سمجھ دار انجینئروں کے لئے اس میں شبہ کی کافی گنجائش تھی۔ ظاہر ہے کہ سٹاخنوف کو خاص آلات اور خاص امداد مہیا کی گئی ہے۔ ورنہ یہ کام نہ ہوتا۔ یہ معجزہ کریملن کے خداؤں کے اشارے پر ہُوا تھا تاکہ ایک نیا جنون پھیلایا جا سکے —— تیزی اور رفتار کا جنون۔

سٹاخنوف نے جو کچھ کیا تھا سب کان کن کر سکتے تھے۔ اور جو کچھ کان کن کر سکتے تھے دوسری صنعتوں کے مزدور بھی کر سکتے تھے —— اور یہی اس نئے جنون اس نئے مذہب کا خلاصہ ہے۔ شبہ ظاہر کرنے والے مقہور ہوئے اور انہیں جہنم پہنچنے میں دیر نہ لگی۔ تنقید کرنے والے تکنیکی ماہرین شکست خوردہ اور سٹاخنوف ازم کے دشمن قرار پائے۔ جو مزدور ہچکچائے سست اور نااہل سمجھے گئے۔

ماسکو سٹاخنوف ازم کے تذکرہ سے گونج رہا تھا۔ خارکوف اور ماسکو سے تاروں کے ذریعے احکام پہنچنے لگے۔ ہر حکم ایک خوفناک دھمکی تھا۔ "کام کی رفتار بڑھانے کے لئے فوراً سٹاخنوف بریگیڈ قائم کرو۔ جس انجینئر نے لیت ولعل کی اسے مجرم سمجھا جائے گا۔"

ہمارے پلانٹ کوئی چھ مہینے سے چل رہے تھے۔ اور بڑی دقتوں اور دشواریوں کے باوجود تین شفٹوں میں کام ہو رہا تھا۔ خام مال کی بہت کمی تھی۔ مزدور نو آموز تھے۔ ناقص خوراک اور بری رہائش سے ان کے جسم ناتواں تھے۔ ہمیں ان حالات کو ٹھیک کرنے اور کام میں باقاعدگی پیدا کرنے کی ضرورت تھی۔ یہ موقعہ آدمیوں یا مشینوں پر زیادہ بوجھ ڈالنے کے لئے قطعی طور پر ناموزوں تھا۔ ریکارڈ توڑنے کا جنون پھیلانے کی بجائے اگر باقاعدگی پر زور دیا جاتا تو بہت مفید ہوتا۔ لیکن احکام احکام تھے۔ پارٹی لیڈر کوزلوف

اور ڈائرکٹر برانکو نے انجینئروں اور شعبوں کے افسروں کی ایک کانفرنس بلائی۔ کامریڈ براڈسکی سٹی کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے شریک ہوا۔ براڈسکی اور کوزلوف کو کام سے ناواقف ہونے کی وجہ سے کچھ امیدیں ہوسکتی تھیں۔ برانکو ایک تجربہ کار آدمی تھا اور نئے احکام کی بے ہودگی کو اسی طرح سمجھتا تھا جس طرح میں خود سمجھ رہا تھا —— لیکن ہم دونوں کے لئے سٹاخنوف بریگیڈ قائم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

"کامریڈ برانکو مجھے ایک سوال کرنے کی اجازت ہے؟" ایک انجینئر نے کہا۔

"پوچھو لازر پیٹرووچ (Lazarpetrovich)

"میرے ماتحت ۱۸۰ آدمی ہیں۔ اگر ان میں سے کچھ آدمیوں نے زیادہ کام کیا تو الجھنیں پیدا ہو جائینگی آپ بتا سکتے ہیں کہ سٹاخنوزم کی ترقی دینے کے لئے میں کیا کروں؟"

برانکو کیا بتا سکتا تھا۔ وہ صرف ماسکو کے دیئے ہوئے نعرے دہرا سکتا تھا۔ مجھے اس سے ہمدردی ہو رہی تھی۔ مجبوراً مجھے بھی مصنوعی تیز رفتاری اختیار کرنی پڑی۔ یہ تیز رفتاری مجھے مشینوں اور مزدوروں کے خلاف جرم محسوس ہوتی تھی۔ پارٹی کمیٹی کے احکام پر میں نے اپنے مزدوروں کے نئے گروپ بنائے۔ بہترین مزدوروں اور فورمینوں کو ایک شفٹ میں لگایا۔ پھر بہترین مشینیں اور اوزار الگ کئے۔ اور صبح کے گیارہ بجے پریس رپورٹروں اور فوٹوگرافروں کی موجودگی میں کام شروع کرا دیا۔ توقع کے مطابق اس شفٹ نے ۹ فیصدی کام زیادہ کیا۔ اخبارات میں بڑی بڑی سرخیاں آئیں۔ اور ماسکو سے مبارکباد کے تار موصول ہوئے۔

لیکن اس فتح سے میرا دل بجھ گیا۔ کیونکہ درحقیقت یہ ایک فریب تھا۔ دوسری دو شفٹوں نے اچھے اوزار اور مزدور نہ ہونے کے باعث نئی شفٹ کے فائدے سے کہیں زیادہ نقصان اٹھایا۔ مقابلے سے وہ سست نہیں تو کم ہمت ضرور معلوم ہوتی تھیں۔ انہیں قدرتی طور پر اس پر غصہ آتا تھا اور وہ افسروں اور خوش قسمت مزدوروں کو برا بھلا کہتے تھے۔

روس بھر میں یہ جنون پھیل گیا۔ ہزاروں افسروں کو برخاست کیا گیا۔ بہت سوں کو "نئی صنعتی پالیسی" کو نقصان پہنچانے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ کام میں کوئی نقص ہوتا تو انجینئروں کے لتے لئے جاتے۔ عام لوگوں کے ذہن میں یہ تصور پیدا کیا گیا کہ مزدور تو کام کرنا چاہتے ہیں انجینئر سست ہیں۔ انجینئروں اور مزدوروں کے درمیان ایک وسیع خلیج حائل کر دی گئی۔

ہر مزدور جانتا تھا کہ نیا معیار بہت جلد عام معیار سمجھا جائے گا۔ نومبر میں جب یہ مہم زوروں پر تھی تو خاص خاص سٹاخنوف بریگیڈوں کے افسروں کو ماسکو میں بلایا گیا۔ اور سٹالین نے ان کی بے حد تعریف کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی تنخواہیں بڑھا دی گئیں اور انہیں ایسی آسائشیں مہیا کی گئیں جو عام مزدوروں کو حاصل نہ تھیں۔ چنانچہ کریملن نے مزدوروں کے درمیان بھی طبقات قائم کر دیئے۔

لیکن تھوڑی ہی دیر میں مزدوروں کے شبہات درست ثابت ہو گئے۔ مرکز سے بڑے بڑے افسر کام

کے عام معیار پر نظر ثانی کرنے کے لئے آئے اور اس میں ۱۰ سے ۲۰ فیصدی کا اضافہ کر گئے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اسی تنخواہ میں ۱۰ سے ۲۰ فیصدی تک زیادہ کام لیا جائے۔ میرے پلانٹ میں تقریباً دو سو آدمیوں کو سٹوخنوفزم کی سند دی گئی۔ باقیوں کے لئے اس کا مطلب آمدنی میں قابل ذکر کمی تھا۔ عام طور پر مایوسی کا اظہار خاموشی، پژمردگی اور وضاحت کے ساتھ تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ مزدوروں کو مجبور کیا گیا کہ وہ نئے معیار کو خوشی کے ساتھ رضاکارانہ طور پر قبول کریں۔

کارخانے کے مزدوروں کی ایک میٹنگ بلائی گئی جن کے سامنے سٹالین کی تقریر پڑھی گئی۔ پھر فورمینوں سے کہا گیا کہ وہ مزدوروں کو تربیت دیں۔ آخر میں ایک قرارداد پیش کی گئی کہ ہم سب مزدور برضا و رغبت نئے معیار تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہ قرارداد "متفقہ" طور پر منظور کر لی گئی۔

ایک رات مجھے سوتے ہوئے جگایا گیا۔ کارخانے سے ٹیلیفون پر اطلاع آئی کہ ایک مشین ٹوٹ گئی ہے۔ اور آدھے سے زیادہ مزدور بیکار بیٹھے ہیں۔ میں نے جلدی جلدی کپڑے پہنے اور کارخانے پہنچا۔ لیکن مجھ سے پہلے بے شمار افسر وہاں پہنچ چکے تھے۔ خفیہ پولیس کا افسرِ اعلیٰ دروگن اور گرشگورن بھی وہاں موجود تھے۔ کوزلوف، سٹارسٹن اور کچھ باوردی افسر ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ میرے دفتر میں پولیس کا خاص عملہ "مشتبہ" مزدوروں پر جرح کر رہا تھا۔

معاملہ بالکل صاف تھا کچھ پرجوش سٹاخنوفیوں اور ایک انجینئر نے مشین کی رفتار بڑھا دی، اور مشین چونکہ سٹالین کی ہم خیال نہ تھی اس لئے ٹوٹ گئی۔ یہ معاملہ بہت خطرناک تھا کیونکہ مشین جرمنی کی بنی ہوئی تھی اور یہاں اس کی مرمت نہیں ہو سکتی تھی۔ ادھر پولیس پر تو صرف "مجرموں" کو پکڑنے کا بھوت سوار تھا۔ اس کو اور کسی چیز کا خیال ہی نہیں تھا

تھوڑی دیر میں جرح کرنے والے پولیس ہیڈ کوارٹر میں چلے گئے اور تحقیقات وہاں پر شروع کی۔ کئی دفعہ مجھے طلب کیا گیا۔ سیدھی سادی باتوں سے گرشگورن کو تسلی ہوتی ہی نہ تھی۔ وہ تو اس چکر میں تھا کہ کسی آدمی کے خلاف "شہادت" مل جائے۔ ہر نام کے ساتھ ایک فائل سامنے آ جاتی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور صرف افسروں ہی کی نہیں مزدوروں کی فائلیں بھی موجود تھیں۔

"کراوچینکو، تم ہمارے ساتھ تعاون نہیں کر رہے۔ اور تمہیں اس کا مزہ چکھایا جائے گا۔ خیر چاہتے ہو تو سب کچھ بتا دو" گرشگورن نے گرج کر کہا۔

اسی بے چینی کے دنوں میں میکانک ڈیوبنسکی (Dubinisky) مجھے ملنے آیا۔ اس کے ساتھ اس کا اسسٹنٹ شپاچنسکی (Shpachinsky) بھی تھا۔ دوسرے تو ایک دوسرے

کے خلاف شہادتیں فراہم کرنے میں لگے تھے اور یہ دونوں نئے تجربے کر رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ہم ٹوٹا ہوا پرزہ بنالیں گے۔ وہ مجھ سے صرف یہ ضمانت چاہتے تھے کہ اگر ناکام ہوئے تو انہیں سزا نہ ملے گی۔

ان کی باتیں سُن کر میں نے فیصلہ کیا انہیں موقعہ دینا چاہیئے۔ ان کو اور اپنے آپ کو محفوظ کرنے کے لیئے میں نے برانکو زلوف اور براڈسکی سے بات کی۔ ایک اطلاع میں نے خارکوف میں بھی بھیج دی۔ پھر میں نے انہیں ضروری سامان مہیا کر دیا۔

تمام سیاسی احتیاطوں کے باوجود میں فکر مند تھا۔ خفیہ پولیس کے سوالات سے مجھے یہ اندازہ تھا کہ ڈیوبنسکی پر بہت زیادہ شبہ کیا جا رہا ہے۔ وہ ادھیڑ عمر کا خاموشی پسند انسان تھا جس کی سب عزت کرتے تھے۔ وہ زار کے زمانے میں سوشل ڈیموکریٹ مینشویک رہ چکا تھا۔ اور سوویت کے ماتحت اٹھارہ سال کام کرنے کے بعد بھی وہ اس دھبتے کو دھو نہ سکا تھا۔

ڈیوبنسکی کی پرزے کو درست کرنے کی کوشش سے اس کے خلاف شبہات اور بڑھ گئے۔ اگر وہ ناکام ہو گیا تو گرشنگورن اور اس کے حواریوں کو موقعہ مل جائے گا کہ وہ ڈیوبنسکی کو پھنسالیں۔ پھر وہ اس سابق مینشویک کو رکاوٹ ڈالنے کا مجرم گردان سکیں گے۔

ڈیوبنسکی اور شیاپچنسکی چار دن مسلسل کام کرتے رہے۔ میں بھی ان کے پاس بیٹھا رہا۔ جاسوس ہم پر نظریں جمائے بیٹھے تھے کہ کام بگڑتا دیکھیں تو کھٹ سے اطلاع کریں۔ چار دن تک انہیں کوئی موقعہ ہاتھ نہ آیا۔ پولیس ان پر بگڑ رہی تھی کہ فنکار ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ وہ مجھ سے بھی بے حد ناراض تھے میں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ یہ حادثہ ہے۔ مشین کا پرزہ اتفاق سے ٹوٹ گیا ہے۔ کسی نے سازش نہیں کی۔ ٹریڈ یونین اور پارٹی کے عہدے داروں کے ساتھ بھی میری کبھی بنی نہ تھی۔ ہر روز کسی نہ کسی بات میں ان کے سیاسی شعور اور میرے صنعتی تجربے میں ٹکر ہو جاتی۔

ایک دن جب میں کارخانے پہنچا تو بڑی بے چینی پھیل رہی تھی۔ لوگ ایک دوسرے پر بگڑ رہے تھے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ فضا میں بجلی بھر گئی ہے۔ میں نے وجہ معلوم کرنا چاہی تو دیکھا کہ ایک کونے میں بہت سی نالیاں ایک دوسری کے ساتھ کھڑی تھیں۔ اور ان پر ایک بہت بڑا سا گتا لٹک رہا تھا۔ جس پر یہ لکھا تھا

"اس سیکشن کے مزدوروں اور انجینیروں کی آگاہی کے لیئے کہ ستاخنوفزم کو کون نقصان پہنچا رہا ہے۔

اس کے بعد کچھ نام لکھے ہوئے تھے۔ ہوا یہ کہ کچھ پائپ ناقص رہ گئے اور اب بنانے والوں کو علانیہ ذلیل کیا جا رہا تھا۔ میں ان آدمیوں کو جانتا تھا۔ بڑے اچھے اور وفادار مزدور تھے یہ لوگ۔ ان نقائص کی

وجہ غالباً یہ تھی کہ لوہا ناقص تھا۔ مزدوروں کا کوئی قصور نہیں تھا۔

میں نے اس گتّے کو وہاں سے ہٹوا دیا۔ سٹارسٹن جل بھن کے کباب ہوگیا۔ اس نے مجھے بہت گالیاں دیں اور کہا کہ تم "سیاسی تربیت" کے راستے میں روڑے اٹکا رہے ہو۔

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد میں نے دیکھا کہ ماکیف (Makeev) جس کے بال سفید ہو چکے تھے اور جو بڑا عمدہ کاریگر تھا کام کرتے ہوئے چپکے چپکے رو رہا ہے۔ میں نے اس سے وجہ پوچھی تو اس نے دیوار کی طرف اشارہ کر دیا جہاں ایک گتّے پر اس کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ نیچے لکھا تھا ——

—— "سٹاخنوفزم کا دشمن"

"وکٹر کراوچنکو اس وقت سے قطع نظر میں تسلیم کرتا ہوں کہ مجھ سے ایک غلطی ہوئی ہے، بات یہ ہے کہ میری بیوی بیمار ہے اور کئی راتیں میں نے جاگ کے گذاری ہیں۔ میں انسان ہوں اور شاید اسی لئے یہ غلطی بھی ہوئی ہے۔ یہی کم ہے کہ میری پیشی ہو رہی ہے۔ اس تمسخر کی کیا ضرورت تھی۔"

میں نے فورمین کو بلایا

"یہ گتہ کس نے لگایا؟"

"ہمارے سیکشن کے ٹریڈ یونین چیئرمین نے"

"اسے پھاڑ دو۔"

"لیکن کامریڈ میں پھنس جاؤں گا۔"

"کہہ دو کہ میں نے حکم دیا تھا۔"

ادھر گتہ ہٹایا گیا ادھر ٹریڈ یونین کے عہدے دار اور پارٹی ورکر مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ سب ایک ساتھ باتیں کرنے لگے۔ میں "سیاسی تربیت" کے راستے میں روڑے اٹکا رہا تھا۔ رجعت پسندی کی حمایت کر رہا تھا۔ ٹریڈ یونین اور پارٹی کو ذلیل کر رہا تھا۔ وہ میری شکایت خارکوف اور ماسکو بھیجیں گے۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ جو جی میں آئے کرو۔ میں اس سیکشن کا انچارج ہوں۔ تم میرے عملے کو ذلیل کر کے کام کو نقصان پہنچا رہے ہو۔ تمہیں مجھ سے تعاون کرنا چاہیئے۔ اور ہاں تم میں سے کچھ کو اس وقت بحث کرنے کی بجائے کام پر ہونا چاہیئے تھا۔"

شام کے وقت کوزلوف نے مجھے بلایا۔ میں نے اپنا نقطۂ نظر پیش کیا اور مجھے یہ جان کے بڑی مسرت ہوئی کہ وہ مطمئن ہے۔ اس نے میری حمایت کا وعدہ کیا۔ اس خبر سے کہ میں مزدوروں کا حامی ہوں مزدوروں میں تو میں ہر دلعزیز ہو گیا۔ لیکن افسر تمام کے تمام بگڑ گئے۔

کچھ دنوں کے بعد کامریڈ ارزوفی کر کے دستخطوں سے مجھے ایک حکم پہنچا کہ کچھ نالیاں جنہیں زنگ نہ لگ سکتا ہو فوراً تیار کی جائیں۔ اور چونکہ ہمیں ایسی نالیاں بنانے کا تجربہ نہیں تھا اس لئے ماسکو سے

ایک خاص بریگیڈ ہماری امداد کے لئے روانہ کیا گیا۔ اس بریگیڈ میں ایک ماہر خلزات جس کا نام تموشنکو (Timoshenko) تھا ـ لانبے قد کا دبلا پتلا آدمی تھا۔ بال کھچڑی، چشمہ لگائے وہ سہما ہوا سا معلوم ہوتا تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک مشہور پروفیسر تموشنکو کا بیٹا ہے جو آج کل امریکہ میں رہتا ہے اور وہیں تعلیم دیتا ہے۔

توقع کے مطابق کام شروع ہونے میں کافی دیر ہوگئی۔ شروع شروع میں ہم جتنی نالیاں بناتے تھے ان میں صرف دس فیصدی استعمال کے قابل تھیں۔ اور کئی دفعہ تو تمام کا تمام مال خراب نکلتا۔ کئی اور کارخانوں سے ماہرین آئے اور چلے گئے۔ ہم میں سے ہر ایک سخت مضطرب تھا کہ کسی صورت کام ختم ہوجائے۔ دیر سے ہم بہت گھبرا رہے تھے۔ سٹالین آتے اور چلے جاتے ہیں، لیکن روس ہمیشہ رہے گا اور اس وقت روس کا صنعتی مستقبل خطرے میں ہے۔ آخر ہماری کوششیں کامیاب ہوئیں۔ ہم نے نالیاں بنائیں اور آرڈر سپلائی کر دیا۔ اس کام کے انعام میں کافی بونس بھی پایا۔ لیکن گرشگورن اور اس کے حواریوں نے سوچا کہ شکار پنجے میں آتو گیا ہے کہیں نکل نہ جائے ـــــــ اور یہ شکار تموشنکو اور خارکوف سے آئے ہوئے کچھ اور انجینئر تھے۔ آدھی رات کی ایک کانفرنس میں گرشگورن نے پھنکارنا شروع کیا کہ میں ایک "حرامی" بھگوڑے کے بیٹے کو کیوں پناہ دے رہا ہوں۔ کیا مجھے معلوم نہیں کہ تموشنکو اپنے سرمایہ داروں کے غلام باپ کو چٹھیاں لکھ رہا ہے؟

"میں صرف یہی جانتا ہوں کامریڈ گرشگورن! کہ تموشنکو قابل آدمی ہے۔ اس نے اپنا کام پوری دیانت داری اور محنت سے کیا ہے۔ ہمیں کافی نقصان پہنچا ہے۔ لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس کا کچھ بھی قصور نہیں تھا"۔

"تم آگ سے کھیل رہے ہو کراوچنکو۔ یہ قوم کی سلامتی کا سوال ہے۔ اور تم ہو کہ باغیوں کا قلع قمع کرنے میں ہم سے تعاون نہیں کرتے"؟

لیکن گرشگورن صرف اس دھمکی پر خاموش ہوا کہ میں ارزونی کزکو ٹیلیفون پر پولیس کی مداخلت بے جا کی اطلاع کرتا ہوں۔

۱۹۳۶ کے شروع میں کامریڈ ارزونی کزنے مجھے ماسکو بلوایا۔ میں نے اس موقعے کو تائیدِ غیبی سمجھا۔ خفیہ پولیس سے میرے تعلقات انتہائی خراب ہو چکے تھے۔ بے گناہ آدمیوں کو بچانے کی وجہ سے نکوپول میرے لئے جہنم سے بدتر تھا۔ اور اب میں کمستر سے کھل کر بات کرنے کی ہمت پیدا کر رہا تھا۔

علیک سلیک کے بعد ارزونی کزنے بات چھیڑی۔ اس نے کہا کہ ہمیں باکو کے لئے خاص قسم کے نلوں کی ضرورت ہے۔ اور تیل کی صنعت کا دارو مدار اب اس بات پر ہے کہ تم یہ نل کتنی جلدی تیار کرتے ہو۔ میں نے تمہیں بلایا ہے ، دوست کیونکہ میں تم پر اعتماد کر سکتا ہوں۔ تمہیں سامان اور ضروری کاریگر

مہیا کر دیئے جائیں گے۔ اگر تم کامیاب ہو جاؤ تو ایک کار اور ایک تمغہ دیا جائے گا۔ تمہارے آدمیوں کو بونس ملے گا۔"

"میں پوری کوشش کروں گا۔ لیکن کامریڈ ارزونی کزمیں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ خفیہ پولیس کی مداخلت سے وہاں زندگی حرام ہو رہی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

میں نے اسے نکوپول کے تمام حالات تفصیل کے ساتھ سنا دیئے۔ میں نے اسے بتایا کہ گرشگورن اور درگن کس طرح معمولی حادثات کی وجہ سے مزدوروں پر سازش کے الزام لگاتے ہیں۔ میں نے تموشنکو اور ڈیونیسکی کے واقعات بھی سنائے۔

"میں ایسی باتیں کہنا نہیں چاہتا تھا ـــــ لیکن اب خاموش رہنا ناممکن ہے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ہماری صنعتیں محکمۂ صنعت کے ماتحت ہیں یا خفیہ پولیس اس کی انچارج ہے۔ اگر ناکامی کا مطلب سازش ہے تو ہم نئے تجربات کیسے کر سکتے ہیں؟ احکام کی تعمیل کیسے ممکن ہے؟ پولیس کی مسلسل اور پیہم نگرانی میں کام کیسے ہو سکتا ہے؟ لوگوں کو جاسوسوں کے خوف سے نجات کیوں نہیں دلائی جا سکتی؟ زار کے افسر ختم ہو چکے ہیں۔ ہم انقلاب اور کمیونسٹ پارٹی کی پیداوار ہیں۔ ہم روسی ہیں۔ اگر ہم مزدوروں پر اعتماد نہیں کر سکتے تو ہماری صنعتیں ترقی کیسے کر سکتی ہیں ـــــ کامریڈ کمسر میں تو ان حالات میں کام نہیں کر سکتا۔ غنڈوں نے ناک میں دم کر رکھا ہے۔"

ارزونی کز کا چہرہ مرجھا گیا۔ وہ اپنے ہونٹ کاٹنے لگا۔ اس کے چہرے پر آج سے دو سال پہلے کی شگفتگی اور تازگی کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ بات بات میں اس کے ہونٹوں پر جو نرم مسکراہٹ کھیلا کرتی تھی اب اس کا اشارہ تک بھی نہیں تھا۔ اس دل میں جو جذبات تھے وہ ایک معمولی صنعتی افسر کے سامنے ان کا اظہار نہیں کر سکتا تھا ـــــ وہ پولٹ بیورو کا ممبر تھا۔ ان درجن بھر آدمیوں میں سے تھا جو سٹالین کے رفقائے خاص سمجھے جاتے تھے۔

"صبر کرو۔ میں تمہاری باتوں سے ناراض نہیں ہوا۔ بلکہ میں تو یہ بھی ماننے کو تیار ہوں کہ تمہیں سب کچھ معلوم نہیں۔ تم ان ہزاروں انجینئروں میں سے صرف ایک ہو جنہوں نے ایسی ہی شکایات میرے سامنے کی ہیں ...... جہاں تک تمہاری ذات کا تعلق ہے میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک میں زندہ ہوں اور جب تک تم دیانتداری سے کام کرتے ہو تمہاری طرف کوئی آنکھ اٹھا کے بھی نہیں دیکھے گا۔"

میرے بیٹھے بیٹھے اس نے نیپرو پیٹروسک ریجنل پارٹی کے سیکرٹری کامریڈ ہتیاوچ کو ٹیلیفون کیا نکوپول اسی کے حلقے میں تھا۔ اس نے اس کو ڈانٹا اور تنبیہ کی کہ اگر نکوپول کی خفیہ پولیس نے کامریڈ کراوچنکو کو تنگ کرنا نہ چھوڑا تو میں تم سب کی خبر لوں گا۔

ریسیور رکھتے ہوئے وہ مسکرایا اور کہنے لگا "تم مطمئن ہو؟"

"شکریہ۔ لیکن اس سے مسئلہ تو حل نہیں ہوتا"

اس دن سے لے کر کامریڈ ارزونی کز کی اچانک موت تک مجھے نہ کسی نے بلایا نہ مجھ پر جرح کی۔ ردمنوف اور دوسرے جاسوس اپنا کام نہایت مستعدی سے کرتے رہے۔ اور خفیہ پولیس والے دل ہی دل میں پیچ وتاب کھاتے رہے۔

نکوپول پہنچ کے میں نے مزدوروں اور فورمینوں کی ایک کانفرنس بلائی اور ان کو نیا کام بتایا اور ڈیوٹیاں تقسیم کر دیں۔ تھوڑے ہی دنوں میں کام شروع ہو گیا۔ آئندہ چند ہفتے میں نے دفتر ہی میں گذارے میرے دل میں کچھ اطمینان تھا۔ مزدوروں کو بھی میں نے تفصیل سے تو نہیں بتایا لیکن اشاروں کنایوں میں سمجھا دیا کہ خفیہ پولیس اب تمہیں زیادہ تنگ نہیں کر سکتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے کل مقررہ وقت سے بہت پہلے ختم کر دیئے۔ ایک دفعہ پھر ماسکو اور خارکوف سے مبارکباد کے تار آئے۔ میری تصویر اخبارات میں چھپی۔ اس مشکل کام کو پورا کرنے کی ایک لذت تھی۔ اور یہ احساس میرے لئے سرکاری تعریف وتوصیف سے کہیں زیادہ خوشی کا باعث تھا کہ میں نے ہزاروں تکلیفوں اور رکاوٹوں کے باوجود کام وقت سے پہلے ختم کیا ہے۔

پولیس کے دباؤ کے عارضی تعطل سے مجھے دھوکا ہوا کہ شاید میں آزاد ہو گیا ہوں۔ اس سے سٹالین کنسٹی چیوشن کے بارے میں بھی مجھے بڑی خوش فہمیاں ہو گئیں۔ شہری آزادیوں کی ضمانت اور قید وبند کے قوانین میں تبدیلی اتنی خوش آئند تھی کہ یہ بات کہ آخری قوت ایک پارٹی کے ہاتھ میں ہے بہت غیر اہم محسوس ہوتی تھی۔ زندہ رہنے کے لئے انسان کو امید کی ویسی ہی ضرورت ہے۔ جیسی ہوا کی۔ ہمیں ایک عقیدے کی ضرورت تھی۔ پھر ہم اپنے آپ کو دھوکا دے سکتے تھے۔ دنیا کے "سب سے زیادہ جمہوری دستور" کے تصور سے ہمارے سیاسی صحرا میں سراب ہی سراب نظر آنے لگے۔

کیا ہمارے آقاؤں کو کروف کی موت سے یہ سبق ملا تھا۔

یورپ میں جنگ کے بادل چھا رہے تھے۔ اطالیہ نے حبشہ پر قبضہ کر لیا۔ سپین میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ ہٹلر نے اپنی نازی شمشیر بے نیام کر رکھی تھی —— شاید ہمارے آقاؤں نے "شاہانہ خیرات" دیکر عوام کی وفاداری اور اتحاد کو خریدنا چاہا تھا —— ہمارے دل میں شبے بھی تھے اور امیدیں بھی۔ سٹالین کی آمریت بالکل عیاں تھی۔ امید کی آخری شعاع کو بچانے کے لئے آنکھیں بند کر لینے کے سوا کوئی اور چارہ نہ تھا۔

نکوپول کے کارخانے میں اب بہت توسیع ہو چکی تھی۔ ہزارہا مزدور اور بھرتی ہو چکے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ مکانوں اور خوراک کی اور بھی قلت ہو گئی۔ امید وبیم کے انہی دھندلکوں میں میں نے دیکھا

کہ نئی عمارت کے قریب فوج کا ایک دستہ رائفلوں پر سنگینیں چڑھائے کھڑا ہے۔ اس کا مطلب واضح تھا کہ بے گار لی جا رہی ہے۔

میں فوراً موقع پر پہنچا۔ میرا قیاس صحیح نکلا۔ تقریباً پانچسو بدحال مرد عورت پہرے میں کام کر رہے تھے۔ ویسی الم ناک اور حسرت بھری صورتیں جیسی ان کی تھیں میں نے کبھی نہیں دیکھیں۔ ان کی خاموشی اور بھی دل شکن تھی۔ وہ چپ چاپ کام کر رہے تھے۔ بغیر ادھر ادھر دیکھے۔ بغیر آپس میں بات کئے۔ شام کے وقت انہیں ہانک کر جیل کی بارکوں میں بھیج دیا گیا۔ تحقیقات پر مجھے معلوم ہؤا کہ افسرانِ عمارت نے خفیہ پولیس سے بیگار کا اختیار حاصل کیا ہے۔ ان کی مزدوری کی رقم خفیہ پولیس نے وصول کی ہے۔ سیاسی قیدیوں کے علاوہ خفیہ پولیس لاکھوں کسانوں سے بے گار لے رہی ہے۔

جب سے میں پارٹی کا ممبر ہؤا تھا، میرے اور ابا کے درمیان ایک بیگانگی سی پیدا ہوتی چلی جا رہی تھی۔ ابا کے سامنے مجھے ان باتوں کا جواز پیش کرنے کی بھی کوشش کرنی پڑتی۔ خود دل میں میں جن سے سخت متنفر تھا۔ میرے نیپروپیٹروسک جانے پر وہ مجھ سے ایسے بیسیوں آدمیوں کی گرفتاری یا پراسرار گمشدگی کا ذکر کرتے جنہیں ہم سال ہا سال سے جانتے چلے آئے تھے مجھے یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ مجھے ذاتی طور پر مجرم گردان رہے ہیں۔ میں نے ان سے نکوپول کے حالات کا ذکر کبھی نہ کیا۔ نہ گرفتاریوں کا نہ بے گار کا۔ نہ اپنی ذاتی تکلیفوں کا۔ اپنے باپ سے یہ باتیں چھپانا میرے لئے غصے اور شرم کا باعث تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ مجھے ملنے کے لئے کبھی نکوپول آئیں۔ لیکن ایک دفعہ ابا نے خود اس خواہش کا اظہار کر دیا۔ مجبوراً مجھے انہیں بڑے اشتیاق سے دعوت دینی پڑی۔

جب وہ گھر میں داخل ہوئے، باغیچہ اور نوکر چاکر دیکھ رہے تھے تو میں بہت پریشان ہو رہا تھا۔

"تم تو جاگیرداروں کی طرح رہتے ہو" ابا نے صرف یہی کہا۔

جب انہوں نے کارخانہ دیکھنے کی خواہش کی تو میری پریشانی اور بھی بڑھ گئی۔ لیکن میں کر ہی کیا سکتا تھا۔ آئندہ چند دن انہوں نے کارخانے ہی میں گذارے۔ انہوں نے بہت سے مزدوروں کو اپنا دوست بنا لیا۔ وہ انہیں اپنا بھائی بند سمجھتے تھے ——— اور ان کے جانے کے مہینوں بعد تک مزدور اور مزدورنیاں اپنے سیدھے سادے الفاظ میں ابا کو یاد کرتی رہیں۔

ایک دن شام کے وقت میں اپنے دفتر میں بیٹھا کچھ آدمیوں سے باتیں کر رہا تھا کہ ساتھ کے کمرے میں ابا کی آواز سنائی دی۔

"تمہیں کیا، وہ کامریڈ ہے یا کوئی جاگیردار کہ اس سے ملنے کے لئے اجازت لینی پڑتی ہے؟ پاموں

اور اجازت ناموں کے سوا یہاں کچھ بھی نہیں۔

"تو پھر میں اندر جانے نہیں دوں گی۔ کامریڈ کراوچنکو مصروف آدمی ہیں اور احکام آخر احکام ہیں۔"

"تو تمہارے احکام پر لعنت۔" انہوں نے گرج کر کہا اور کھٹ سے میرا دروازہ کھول دیا۔ آدمیوں کو دیکھ کے وہ کچھ ٹھٹکے لیکن اپنے غصے کو دبا نہ سکے۔

"کیسا دستور ہے یہاں کا وکٹر؟ رومنوف کے وقت میں بھی مزدور اپنے افسر سے بات کر سکتا تھا۔ ..... لیکن مجھے معاف رکھنا۔ میرا خیال تھا کہ تم اکیلے ہو۔"

باقی سب لوگ چلے گئے۔ ابا نے کہا "عام لوگوں اور افسروں کی یہ تفریق میں برداشت نہیں کر سکتا۔"

جب میں نے ان کی تائید کی تو انہوں نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اپنے پلانٹ کے کام کا ریکارڈ انہیں دکھاؤں۔ مزدوروں کے کام کا اوسط کیا ہے۔ انہیں چھٹی کتنی ملتی ہے، تنخواہ کیا لیتے ہیں؟ اس کے علاوہ انہیں رعایتیں کیا کیا حاصل ہیں؟ یہ باتیں خفیہ نہیں تھیں۔ میں نے ہیڈ کلرک کو بلا کر ابا کو اس کے سپرد کر دیا۔

شام کو مجھے دیر ہو گئی۔ گھر پہنچا تو ابا میرا انتظار کر رہے تھے۔ کھانا انہوں نے تقریباً خاموشی سے کھایا۔ میں ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ کسی بہت بڑی "بمباری" کی تیاری کر رہے ہیں۔ اور جب انہوں نے مجھے پاشا کو چھٹی دے دینے کو کہا تو مجھے اس کا یقین ہو گیا۔

میں نے صوفے پر بیٹھ کر سگریٹ سلگا لیا اور تیار ہوتے ہوئے کہا۔

"تو ابا آپ کیا کہنے والے ہیں؟"

"بڑی مدت سے میں تم سے کچھ باتیں کرنے کی سوچ رہا ہوں بیٹے۔ میں تم سے بڑی محبت کرتا ہوں بیٹے کی حیثیت ہی سے نہیں ایک ایسے انسان کی حیثیت سے بھی جس کی سرگرمیوں کو میں گذشتہ تیس سال سے دیکھ رہا ہوں —— لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا ہے ہمارے لئے کھل کر بات کرنا مشکل تر ہوتا جا رہا ہے۔ یہ بہت افسوس ناک ہے۔ اور اس خوف کی علامت ہے جس میں ہم دونوں زندگی گزار رہے ہیں۔"

"لیکن ابا شاید آپ پورے حالات سے واقف نہیں ——"

"یہ صحیح ہے وکٹر کہ تم موجودہ سیاسیات کو مجھ سے بہتر سمجھتے ہو۔ تم پارٹی ممبر ہو اور بڑے افسر بھی۔ پندرہ سو آدمی تمہارے ماتحت ہیں اور تم کروڑوں روبل پیدا کرتے ہو —— لیکن میرا خیال ہے بیٹے —— کہ میں عام آدمیوں کی زندگی کو تم سے بہتر جانتا ہوں۔ تمہیں بہت سی آسائشیں حاصل ہیں۔ کوٹھی، کار، نوکر چاکر ——"

"ابا میرا خیال ہے کہ میں ان طعنوں کا مستحق نہیں۔ حکومت نے یہ آسائشیں مجھے مہیا کی ہیں

اور ان کے بدلے میں زیادہ کام کرتا ہوں ——"

"میں طعنے نہیں دیتا بیٹے۔ مجھے غلط سمجھنے کی کوشش نہ کرو۔ میں تو یہ سوچتا ہوں کہ عام آدمیوں کے لئے تمہارے دل میں کوئی احساس ہے بھی یا نہیں۔ کیا تم بھی دوسرے افسروں کی طرح روسی کسانوں اور مزدوروں کی خستہ حالی پر مطمئن ہو؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ میں حکومت کی مشینری کا ایک حقیر پرزہ ہوں۔ بات یہ ہے ابا کہ میرا کام اتنا زیادہ ہے کہ ان باتوں کی طرف میرا دھیان جا ہی نہیں سکتا"

"تمہاری حالت اس کبوتر کی سی ہے جو بلی کو دیکھ کے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ تمہارے ایسے لوگ انقلاب سے پہلے بھی تھے۔ تمہیں اپنے بھائیوں کے دکھ سے کوئی تعلق نہیں"

"نہیں ابا یہ بات نہیں۔ میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے کچھ معلوم ہی نہیں یا میں اس حکومت سے پوری طرح مطمئن ہوں۔ آپ کو کیا پتہ ہے کہ میرے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ میں کیا کر سکتا ہوں؟ گلی میں جا کے شور مچا دوں کہ اوئے بھاگو دوڑو قتل ہو گیا۔ پھر بعض اور وجوہات بھی تو ہیں۔ نئی کانیں، نئے کارخانے نئی ریلیں ——"

"بے شک ہیں۔ لیکن وکٹر انقلاب کا مطلب نئی کانیں، نئے کارخانے اور نئی ریلیں ہی تو نہیں۔ اصل مقصد تو فرد کے حقوق اور آزادیاں ہیں۔ ان کے بغیر اور انسانیت کے وقار کے بغیر انسان غلام ہے اس کا زندان صنعتی طور پر کیسا ہی ترقی یافتہ کیوں نہ ہو۔ تم کمیونسٹ جب نئی فیکٹریوں پر فخر کرتے ہو تو اس میں یہ بھی شامل سمجھا جاتا ہے کہ انسان بہتر زندگی گزار رہے ہیں۔ کیا تمہارے ملک کے حالات ایسے ہیں؟"

"زار کے زمانے سے تو غالباً اچھے ہی ہیں"

"وکٹر اپنے آپ کو بیوقوف کیوں بناتے ہو؟ کیا تمہیں اپنی وہ زندگی بھول گئی ہے جب تم دادا کے ہاں رہتے تھے؟ ہم امیر نہیں تھے لیکن کبھی فاقہ نہیں آیا۔ دال روٹی دودھ اور کپڑے تو ملتے تھے۔ آج کے مزدوروں کے مقابلے میں ہماری وہ زندگی بڑی امیرانہ تھی! جیسے گھر میں ہم رہتے تھے کتنے مزدوروں کو ویسا گھر ملا ہے؟ جیسی زندگی آج کے مزدوروں کی اکثریت بسر کر رہی ہے ایسے زمانے میں گنتی کے چند لوگوں ہی کو گزارنی پڑتی ہوگی ...... میں نے آج ایک خاص وجہ سے تمہارے پلانٹ کا ریکارڈ دیکھا تھا۔ مجھے انقلاب سے پہلے کے اعداد و شمار دیکھنے سے بہت کچھ معلوم ہو گیا۔ آج کل تالے بنانے والے کاریگر کو ۱۸۰ سے ۲۰۰ روبل ماہوار ملتے ہیں۔ ۱۹۱۷ء سے پہلے اسے ۳۵ سے ۵۰ روبل ملتے تھے۔ لوہا کوٹنے والے کو ۵۰ سے ۸۵ روبل ملتے تھے۔ اب ۲۰۰ سے ۲۵۰ روبل ملتے ہیں۔ اس زمانے میں سیر بھر گوشت ۵ کوپک میں آتا تھا اور اب ڈیڑھ سے دو روبل میں۔ آج مزدور ۲۰۰ روبل کماتا ہے اور کنگال ہے ——

"لیکن اس کو جو مفت آسائشیں حاصل ہیں۔ طبی امداد، چھٹیاں ---- انہیں بھی شمار کیجئے۔"

"انہیں بھی شمار کر لو وکٹر۔ تم انہیں "مفت" کہتے ہو۔ لیکن تمہیں معلوم ہے کہ ان کی تنخواہوں میں سے خاصی کٹوتی ہو جاتی ہے۔ یونین کے چندے، جبری قرضے اور دوسرے فنڈوں میں جو جبری وصول کئے جاتے ہیں مزدور کی اجرت کا بیس فیصدی چلا جاتا ہے۔ پرانے زمانے میں اپنی آمدنی سے بیس فیصدی میں ہر مزدور یہ آسائشیں کسی کا احسان اٹھائے بغیر خرید سکتا تھا۔ اور پھر حکومت کی طبی امداد کا کیا کہنا! تم جب بیمار ہوتے ہو وکٹر تو سرکاری ہسپتال جاتے ہو؟"

"نہیں میں ڈاکٹر کو گھر بلا لیتا ہوں۔"

"سب افسروں کا یہی قاعدہ ہے۔ حکومت کی طبی امداد محض ایک ڈھونگ ہے۔ مجھے رنج اس بات کا ہے بیٹے کہ تم رائی جتنا کام کرتے ہو اسے پہاڑ بنا کے اینڈتے پھرتے ہو۔ اور تمہاری ان پریوں کی کہانیوں پر سوائے چند ایک بھولے بھالے غیر ملکیوں کے اعتبار ہی کون کرتا ہوگا۔ میرے لئے مادی حقائق اتنے اہم نہیں ہیں جتنے روحانی۔ میں تمہارے ہی باتوں سے تمہیں تول رہا ہوں۔"

"اگر یہ باتیں ایسی ہی بری تھیں تو آپ جیل کیوں گئے؟"

"یہ فضول باتیں ہیں۔ مجھے کسی بات پر افسوس نہیں اور مجھے پھر موقعہ ملے تو میں یہی کروں گا ہم نے بدی کے خلاف جہاد کیا۔ ہم نے اقتصادی لوٹ کھسوٹ اور سیاسی دباؤ کا خاتمہ کرنے کے لئے اپنی جانوں کو خطرے میں ڈالا ---- لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ چونکہ ان برائیوں کا نام بدل گیا ہے اس لئے ہم ان پر فخر کرنے لگیں۔"

"لیکن اب ہر چیز عوام کی ملکیت ہے۔ ابا کوئی سرمایہ دار نہیں، کوئی ناجائز نفع نہیں کماتا۔"

بحث کے ساتھ ساتھ میرا غصہ بھی بڑھ رہا تھا اور اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ میں ابا کے ساتھ دل ہی دل میں متفق تھا۔

"بیوقوفوں کی سی بات کرتے ہو۔ جس مزدور کا پیٹ نہیں بھرتا اس کے لئے اس میں کیا فرق ہے کہ سرمایہ دار افراد اسے لوٹتے ہیں یا اجارہ دار حکومت جب اسے جیل میں قمچیاں ماری جاتی ہیں، اسے گھسیٹ کر گھر سے باہر پھینک دیا جاتا ہے یا اسے جلاوطن کر دیا جاتا ہے تو اس کو اس خیال سے کیا تسکین ہو سکتی ہے کہ یہ مظالم خود اس کے اپنے نام پر ڈھائے جا رہے ہیں۔ سرمایہ دار مالک اگر کم اجرت دیتا تھا تو میں کم از کم اس کی نوکری چھوڑ سکتا تھا۔ اپنے ساتھیوں میں اس کے خلاف پروپیگنڈا کر سکتا تھا۔ احتجاجی جلسے کروا سکتا تھا۔ ہڑتالیں کروا سکتا تھا۔ سیاسی پارٹیوں میں شامل ہو سکتا تھا اور اس کے خلاف مضمون لکھ سکتا تھا ---- تم ان میں سے کوئی فعل کر کے دکھاؤ۔ پھانسی پر نہ لٹکے تو کال کوٹھڑی میں ضرور پہنچ کے رہو گے۔"

میں خاموش تھا۔

"کم از کم ہمیں سوچنے کی تو آزادی تھی۔ اور زار کی پولیس اگرچہ ہم انقلابیوں کو گولی بھی مار دیا کرتی تھی لیکن وہ انداز ہی کچھ مختلف تھا۔ اس موت میں بھی شہادت کا رنگ تھا لیکن اب؟ ...... جب ہمارے

سیاسی قیدیوں کی گنتی ہزاروں میں تھی اب لاکھوں میں ہے، جب ہر بے انصافی پر احتجاج ہو سکتا تھا۔ اب قبرستان کا سا سناٹا چھا رہا ہے ...... اور ہاں تمہیں معلوم ہے کہ میں نے خود خدا کو کبھی نہیں مانا۔ لیکن میں ایک چیز ہمیشہ مانتا چلا آیا ہوں، اور وہ یہ کہ اگر لوگ خدا کو ماننا چاہیں تو انہیں اس کا حق ہے۔ کیا یہ حق لوگوں کو حاصل ہے؟ اگر تم گرجے جانا شروع کر دو تو کئے دن یہ تمہاری نوکری رہے گی؟"

زار شاہی کے بدترین زمانے میں بھی لوگ روس سے باہر جا سکتے تھے۔ اب ہم قفس میں بند ہیں۔ اگر کوئی سرحد پار کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اسے کتے کی طرح گولی ماردی جاتی ہے۔ اس کے خاندان کو بھی اذیتیں دی جاتی ہیں۔ ملک سے باہر جانا تو کجا تمہارے مزدور مشینوں کے اور کسان زمینوں کے اسی طرح غلام رکھے گئے ہیں جیسے پرانے جاگیردار مزارعین کو رکھتے تھے۔"

"آپ یہ باتیں اس طرح کر رہے ہیں جیسے ان سب کا ذمہ دار میں ہوں"

"کمیونسٹ کی حیثیت سے تم اس ذمہ داری میں برابر کے شریک ہو وکٹر"

"میں خفیہ پولیس کا افسر نہیں، نہ پولٹ بیورو کا ممبر ہوں ـــــ بس اور آپ کی ہر بات سے میں متفق ہوں آپ شاید یہ بات نہیں سمجھتے کہ ذمہ دار کمیونسٹ بھی یہاں قطعی طور پر بے بس ہیں"

"نہیں انسان کی حدود کو سمجھتا ہوں وکٹر۔ میں صرف یہ محسوس کرنا چاہتا ہوں کہ میری تربیت ضائع نہیں ہوئی۔ کم از کم تم حقائق سے باخبر ہو"

"میں پوری طرح باخبر ہوں ابا۔ آپ کی توقع سے کہیں زیادہ باخبر ہوں۔ لیکن میں ابھی اچھے تصورات رکھنا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے یہ نیا دستور ہمارے لئے ـــــ"

"جب ملک میں ایک پارٹی کا جبری راج ہے اور کا پریسیڈیم پارٹی اور سٹالن کے خلاف ایک لفظ کہنا بھی جرم ہے۔ نیا دستور کیا کر سکتا ہے۔ میں اتنا بوڑھا ہو چکا ہوں کہ یہ تصور مجھے بھلا نہیں سکتا ـــــ اگر مجھے دہشت پسندی میں رتی بھر بھی کمی دکھائی دیتی تو میں مستانہ وار نعروں سے اس کا خیر مقدم کرتا ـــــ مجھے ان باتوں میں مزا نہیں آتا۔ مجھے اس بات پر کوئی خوشی نہیں ہوتی کہ میرا ایک بیٹا ظالموں کا ساتھی ہے خواہ وہ مجرم نہیں ہے .... شاید کوئی ایسا وقت آجائے جب ہم ایک دوسرے کو زیادہ سمجھنے لگیں ......"

"اور وہ وقت آگیا۔ ہم دونوں کی توقعات سے بہت پہلے ......"

دام

پارٹی کی سٹی کمیٹی کی ایک میٹنگ سے اپنے ایک دوست کے ہمراہ واپس آرہا تھا۔ وہ اسی صبح ماسکو سے آیا تھا۔ ماسکو میں اس کا کافی اثر و رسوخ تھا اور توقع تھی کہ وہاں سے کوئی تازہ خبر لے کے آئے گا۔ زنوویف، کامی نیف اور دوسرے پرانے بالشویکوں کی گرفتاری اور ان کے مقدمے کا اعلان ہوچکا تھا اور ہر ایک کی طرح میں بھی ٹوہ میں تھا۔ لینن کے انقلابی رفیقوں کا جیل میں پھانسی کا انتظار کرنا بات ہی کچھ ایسی مہیب تھی کہ اس پر یقین نہ آتا تھا۔

عام لوگ جن کا اندازہ میں نے نکرپول میں لگایا قطعی طور پر بے نیاز تھے جیسے یہ نئے مالکوں کا کوئی داخلی جھگڑا ہو۔ لینن کے ساتھیوں کی بدقسمتی سے کسی کو کوئی خاص ہمدردی نہ تھی۔

لیکن پارٹی ممبر اور غیر ممبر افسر بے حد پریشان تھے۔ اب تک پرانے بالشویکوں کو خطرے سے محفوظ سمجھا جاتا تھا۔ ان پہ گالیاں پڑتی تھیں۔ الزام لگتے تھے لیکن ان کی جانیں سلامت تھیں۔ ٹراٹسکی کو بھی محض وسطی ایشیا میں جلاوطن کر دیا گیا تھا پھر اسے ترکی پہنچا دیا گیا۔ لیکن اب گریگوری زنوویف پہ جس کے ایک غالباً جعلی خط کی وجہ سے انگلستان میں نئے انتخابات ہوگئے جو کبھی کمیونسٹ انٹرنیشنل کا صدر رہ چکا تھا کھلی عدالت میں مقدمہ چلے گا۔ یہ ایک بہت بڑے طوفان کا پیش خیمہ تھا جو تمام پارٹی اور تمام ملک کی جڑیں ہلا کر رکھ دے گا۔

میرے ساتھی نے کہا "ڈوکر تمہاری گردن کافی مضبوط ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ کئی سر بہت جلد جسموں سے کٹ جائیں گے۔"

"میرے سر کو کیا ہو سکتا ہے؟ میں نے کبھی مخالفت نہیں کی۔ اپنا کام کرتا ہوں اور سیاست میں کبھی

دخل نہیں دیتا۔"

"جہالت میں بڑی برکت ہے پیریشو بیا موز۔"

یہ فقرہ اس نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔ لیکن اس میں کچھ سنجیدگی بھی تھی۔

"آؤ پیدل چلیں۔ دیکھو کیسی چاندنی کھل رہی ہے۔"

میں نے اسے کہنی مارتے ہوئے کہا۔ ڈرائیور آگے بیٹھا تھا اور اس کے سامنے کھل کے بات نہیں کی جاسکتی تھی۔

"بات کیا ہے۔ صاف صاف بتاؤ۔"

"ماسکو میں تو بہت گڑبڑ ہے اور لینن گراڈ کے حالات بھی اچھے نہیں۔ ہزارہا گرفتاریاں ہو رہی ہیں اب یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی۔ کمیونسٹوں اور غیر ممبروں کو دن دہاڑے کھلم کھلا ان کے گھروں میں پکڑا جارہا ہے۔ پارٹی کے تقریباً چھ بہت بڑے عہدیدار جنہیں ماسکو میں بہت بڑی اہمیت حاصل تھی غائب ہیں۔ خفیہ پولیس کسی کو نہیں بخش رہی۔ کریملن کے اندر گرفتاریاں ہو رہی ہیں۔ ہر شخص خوفزدہ ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ زنوویف اور کمی نیف کو پھانسی دی جائے گی۔ اور ان کے بعد ہزاروں کو ذبح کیا جائے گا۔ یقین تو نہیں آتا لیکن حالات یہی بتا رہے ہیں ہم سے جاگیرداروں کا سا سلوک کیا جائے گا۔"

"اب کس کی باری ہے؟"

"تمہارا قیاس بھی ویسا ہی درست ہوگا جیسا میرا۔ لیکن ہم میں سے تو شاید کوئی بھی نہ بچے۔ ہمارے دو انجینئر کل رات ہی پکڑ لئے جاچکے ہیں ـــــ یہ بہت بڑا راز ہے ـــــ ڈائرکٹر برانکو کو حکم آیا کہ ان کو فلاں گاڑی سے ماسکو بھیج دو۔ زیپارورزی کے اسٹیشن پر انہیں خفیہ پولیس نے اتار لیا اور ایک بند موٹر کار میں بٹھا کے روانہ کر دیا۔ تم دیکھنا واقعات کی رفتار اب کیسی تیز ہوتی ہے۔"

حالات کی رفتار واقعی تیز ہو گئی۔ صبح جب میں کارخانے پہنچا تو میرے ایک اسسٹنٹ نے ان کی گرفتاری کی خبر سنائی۔ حکومت کے اور بہت سے "رازوں" کی طرح یہ راز بھی تمام کارخانے کو معلوم تھا۔ تھوڑی دیر میں مجھے فیکٹری پارٹی کمیٹی کے سیکرٹری لنسکی (Lensky) نے بلایا۔ لنسکی بات کرنے میں بہت دھیما تھا اور شکل سے ایک دیہاتی سکول ماسٹر معلوم ہوتا تھا لیکن اس کے بارے میں مشہور تھا کہ کافی بے حس اور بے رحم آدمی ہے۔

"کامریڈ کراوچنکو میں ایک نہایت نازک مسئلے پر آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ کامریڈ لمانسکی (Limansky) کو آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ آپ کے گھر بھی آتا جاتا رہا ہے۔ مجھے بتائیے کیا اس نے سیاسیات پر بھی کبھی آپ سے کوئی بات کی ہے؟ میرا مطلب ہے اس نے کبھی اپنے لینن گراڈ کے دنوں کا ذکر کیا ہے؟"

"نہیں ہم نے کام کے سوا کبھی کوئی بات ہی نہیں کی۔ کام کے سلسلے میں ہمیں ایک دوسرے سے سابقہ پڑتا رہتا ہے لیکن ہم نے کبھی سیاسی معاملات پر غور نہیں کیا۔"

یہ بات بہت حد تک درست تھی۔ سوویٹ سسٹم میں ساتھیوں سے بہت کم اتنی بے تکلفی ہوتی ہے کہ آپس میں "نازک" اور "خطرناک" موضوعات پر تبادلۂ خیالات کیا جا سکے۔ مانسکی اور وہ بے تکلفی کی اس منزل پر واقعی نہیں پہنچے تھے۔ لیکن لنسکی نے سمجھا کہ میں ایک مشتبہ آدمی کو بچا رہا ہوں۔

"شام کو مانسکی کیس پر غور کرنے کے لئے پارٹی بیورو کی میٹنگ ہوگی۔ آپ فی الحال اس ملاقات کو راز سمجھیں۔"

شام کو میٹنگ میں مانسکی بڑی کیفیت میں تھا۔ اس کو وہم بھی نہیں تھا کہ "ضروری معاملہ" اس کا معاملہ ہے وہ ۳۵ برس کا آدمی تھا۔ زندہ دل اور اچھے کپڑوں کا شائق۔ وہ جرمنی دیکھ چکا تھا اس کی نظروں میں بین الاقوامی قسم کی وسعت تھی وہ نکوپول کی "صوبہ پرستی" کو حقیر جانتا تھا۔

جلسہ گاہ میں نیلے دھوئیں کے مرغولے اڑ رہے تھے۔ لنسکی صدارت کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک اجنبی بیٹھا تھا جو بہت موٹا تھا۔ اس کا سر گولی کی طرح لمبوترا تھا۔ اس کی آنکھیں بڑی گہری اور تیزی سے گھومنے کی عادی تھیں یہ آنکھیں اس کے شہری کپڑوں کے باوجود اس کی خفیہ پولیس کی نوکری کی غمازی کر رہی تھیں۔ ایک فائل اس کی بغل میں تھی اور اس نے فائل کو جس انداز سے داب رکھا تھا اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ کسی کی کم بختی آئی ہے۔

لنسکی نے اٹھ کر کہا: "ساتھیو میٹنگ شروع ہوتی ہے۔ ایجنڈے پر آج صرف ایک مسئلہ ہے اور وہ مسئلہ ہے چھوٹے پلانٹ کے افسر اور کمیونسٹ پارٹی ممبر آرکڈی وسلی وچ مانسکی۔"

"میں؟" مانسکی بے اختیار کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر خفت تھی۔ یہ ضرب ایسی اچانک تھی کہ مانسکی اسے ہضم نہ کر سکا۔

"ہاں تم مانسکی۔ بیٹھ جاؤ۔ تمہیں کھڑا ہونے کا موقعہ بھی ملے گا۔"

مانسکی اپنی کرسی پر گر پڑا۔ اس کا چہرہ راکھ کی طرح تھا۔ نہ سفید نہ سرخ نہ زرد نہ سیاہ۔

"کسی کو اس موضوع پر کچھ کہنا ہے؟"

کوئی نہ بولا۔

"اچھا مانسکی کھڑے ہو جاؤ اور ہمیں اپنی لینن گراڈ کی سرگرمیوں کے بارے میں کچھ بتاؤ۔"

مانسکی غریب اس طرح کانپ رہا تھا۔ جیسے اسے باری کا بخار ہے۔ وہ عام طور پر خود اعتماد اور خود دار آدمی تھا لیکن اب اس کے ذہن میں کسی بات کا تسلسل ہی نہیں تھا۔ اس نے رک رک کے سوچ سوچ کے اپنی زندگی کے واقعات سنانے شروع کئے شروع میں درمیان کی باتیں سنائیں درمیان میں پہنچا تو شروع کا ذکر کیا۔ پھر پھلانگ لگا کے انتہا کو پہنچ گیا۔ پھر اپنی شادی کا ذکر چھیڑ دیا۔ فائل والا موٹا اجنبی اکتا گیا۔

"تمہاری شادی سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں۔ ہمیں اپنے سیاسی ماضی کا حال سناؤ۔"

"کامریڈ یہ کوئی راز تو نہیں ...... میں تو کوئی سو دفعہ بتا چکا ہوں —— یہی لینن گراڈ کے واقعات جب میں ناتجربہ کار تھا۔ بہکانے میں آگیا اور ٹراٹسکی کے حواریوں کے ساتھ مل گیا۔ یہ کوئی راز نہیں اور پارٹی نے از راہِ کرم مجھے معاف بھی کر دیا ہے۔ مجھ پر اعتبار کیا گیا ہے اور میں نے اپنا کام بھی ہمیشہ ہی محنت سے کیا ہے۔ کسی سے پوچھ لیجئے —— اس کے علاوہ دوستو اس بات کو تو ایک زمانہ ہو گیا ہے۔ ایک مدت ہوئی۔"

"ایک مدت ہوئی! مدت ہوئی جب کہ انسکی زنوولیف اور دوسرے کتوں نے سیاہ مزدگیاں شروع کی تھیں یہ عذر عوام کے دشمنوں کو اب نہیں بچا سکتا۔ لمانسکی صاف صاف کہو تم نے کبھی مرکزی پارٹی یا ہمارے محترم لیڈر کامریڈ سٹالین کی مخالفت بھی کی؟"

"کبھی نہیں۔"

للنسکی نے اجنبی کو اشارہ کیا۔ وہ گرج کے بولا "لمانسکی تم پارٹی کو دھوکہ دے رہے ہو۔ تم نے اگست میں ضلع ن —— میں ایک خفیہ جلسے میں بکواس نہیں کی تھی؟"

"ہاں ہاں مجھے کچھ یاد تو آتا ہے۔" لمانسکی نے آہستہ آہستہ کہا اور کرسی تھام لی۔

"بہتر ہے کہ تمہیں کچھ اور بھی یاد آجائے۔ تمہیں اور کس کا نام یاد آتا ہے جو ناتجربہ کار ہو اور بہک گیا ہو؟"

"اتنے سال گزرنے کے بعد یاد کرنا مشکل تو ہے —— لیکن —— ٹھہریئے —— میں سوچتا ہوں۔"

اس نے پانچ چھ نام گنوائے۔

"اور یہ حضرات اب کہاں ہیں؟"

"مجھے معلوم نہیں۔"

"خیر میں تمہاری اطلاع کے لیے بتا دیتا ہوں۔ ان میں سے ہر ایک گرفتار ہو چکا ہے۔ تم نے ان کے ساتھ کسی عہد نامے پر دستخط تو نہیں کئے؟"

"نہیں —— میرا مطلب ہے —— میں ٹھیک سے کچھ کہہ نہیں سکتا۔"

"تو میں تمہیں یاد دلا دیتا ہوں۔ یہاں آؤ۔ ہمارے پاس ایک مسودے کا فوٹو ہے۔ اس کو دیکھو۔ تم اپنے دستخط تو پہچانتے ہو؟"

لمانسکی نے مسودے پر ایک نگاہ ڈالی اور اندھے کی طرح لڑکھڑاتا ہوا واپس آگیا۔

"تمہیں یاد نہیں تھا نہیں؟ شادی کی تاریخ اور برلن کی سیر کو یاد رکھنے میں بہت مصروف رہتے ہو نا۔"

"یہ تو ایک ذاتی خط تھا۔ جس کی کوئی سیاسی اہمیت نہیں تھی۔ اور اب تو مدت ہو چکی ہے۔"

جرح کوئی گھنٹہ بھر تک جاری رہی۔ لمانسکی بدحواس ہو چکا تھا۔ وہ غیر اہم باتوں کے اقرار سے مکرتا اور جب ثبوت دیکھتا تو اقبال کر لیتا۔ اس کے خلاف جتنی شہادتیں تھیں ان میں کسی ایک میں بھی کافی

قوت نہ تھی۔ لیکن لنسکی اور موٹے اجنبی نے ملانسکی کو گھیر لیا۔ گھنٹے بھر کے بعد فیصلہ ہو گیا کہ اسے پارٹی سے نکال دیا جائے۔ جلسے کے بعد جب ہم سب چپ چاپ باہر نکلے تو کسی نے بات نہیں کی۔ ہم ایک دوسرے سے نظر ملانے سے بھی کتراتے تھے۔

رات کو میں ملانسکی کے دفتر کے قریب گزرا۔ اندر روشنی ہو رہی تھی۔ کسی فوری خیال سے میں بغیر دستک دیئے اندر داخل ہو گیا۔ وہ اپنی کرسی میں گٹھڑی بنا سر دونوں ہاتھوں میں تھامے زار و قطار رو رہا تھا۔

"وکٹر کراوچنکو" اس نے میری طرف دیکھا "آپ کے آنے کا شکریہ۔ میں مارا گیا۔ پارٹی سے اخراج۔ —— پھر گرفتاری —— پھر؟ میری بیوی میرے بچے —— اف خدایا —— میں خودکشی کر لوں تو اچھا ہے!"

اسے تسکین نہیں ہوتی تھی اور ہوتی بھی کیسے۔ سٹی کمیٹی نے اخراج کی توثیق کر دی۔ ملانسکی کو معزول کر کے گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے بعد نکوپول میں کسی کو اس کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہوا۔

اس کے کوئی دس پندرہ روز کے بعد مجھے برانکو کے اسسٹنٹ الکسی سوخن (Alexi Sukhin) سے جو پارٹی ممبر بھی تھا کوئی بہت ضروری کام تھا۔ میں اس کے کمرے میں داخل ہونے ہی والا تھا کہ اس کی سیکرٹری نے مجھے ٹوکا۔

"ٹھیریئے کامریڈ کراوچنکو۔ کامریڈ سوخن بہت مصروف ہیں۔"

"مصروف تو میں بھی ہوں" میں نے خفگی سے کہا۔ اور چک اٹھا کر کمرے میں داخل ہو گیا —— لیکن میں دہلیز پر پیر رکھتے ہی ٹھٹک گیا۔ سوخن کی بغل میں گرشگورن بیٹھا تھا۔ اس کے ہونٹ سختی سے بھنچے ہوئے تھے۔ دیواروں کے ساتھ کوئی ایک درجن انجنیئر بیٹھے تھے۔ گھبرا کر میں نے سب کو سلام کیا۔ صرف سوخن نے جواب دیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ خفیہ پولیس کے چار باوردی آدمی انجنیئروں کے سر پر کھڑے ہیں۔

میں یک دم باہر نکل آیا اور برانکو کی طرف بھاگا۔

"کیا ہے۔ کیا ہوا ہے؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا۔ ایک دن میں بارہ آدمی! آٹھ کل پکڑے گئے تھے اگر رفتار یہی رہی تو؟ —— لیکن میرا سر چکرا رہا ہے۔ وکٹر کراوچنکو!"

برانکو کی آنکھیں نیم وا تھیں۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ بہت تھکا ہوا ہے یا رات بھر میں بوڑھا ہو گیا ہے۔

وہاں سے میں سیدھا ہیڈ کلرک کے دفتر میں گیا۔ مجھے کچھ اعداد معلوم کرنے تھے۔ وہاں کھڑے مجھے دس منٹ ہوئے ہوں گے کہ ایک کلرک نے جو کھڑکی کے پاس بیٹھا تھا چیخ کر کہا "ادھر دیکھو!"

ہم سب کھڑکیوں کی طرف بھاگے۔ کھڑکی کے پاس ہی سیاہ رنگ کا ایک ٹرک کھڑا تھا جس کو جالی لگا کر پنجرے کی طرح بند کر دیا گیا تھا۔ انجنیئر اور مستری جو سوخن کے دفتر میں تھے ایک قطار میں کمرے سے

باہر نکل رہے تھے۔ خفیہ پولیس والے پستول ہاتھ میں لئے ان کے ساتھ ساتھ تھے۔ ان بدنصیب آدمیوں کو ٹرک میں سوار کرایا جا رہا تھا کہ ایک عورت چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی یہ عورت ہمارے کارخانے میں کام کرتی تھی، اتفاق سے یہ بھی کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی اور اچانک دیکھ لیا کہ اس کا خاوند بھی ان بدنصیبوں میں شامل ہے جنہیں خفیہ پولیس ٹرک میں بٹھا رہی ہے ......

جب سب "قیدی" ٹرک میں بیٹھ چکے تو گرشنگورن نے ٹرک کا دروازہ زور سے بند کیا تالا لگا کے چابی جیب میں ڈالی اور خود اپنی لفٹین موٹر کار میں سوار ہو کے ٹرک کے پیچھے روانہ ہوا۔ اب تک یہ خبر تقریباً تمام کارخانے میں پھیل چکی تھی اور ہزاروں مزدور اور مزدورنیاں برف پہ ٹرک اور موٹر کار کے پہیوں کی تازہ لکیروں کو دیکھ رہے تھے جن پہ خون کا کوئی دھبہ نہیں تھا.....

ہمارے کارخانے میں ایک یہودی کمیونسٹ بھی تھا جسے ہٹلر کے اقتدار کے بعد جرمنی سے بھاگ کر روس میں پناہ لینی پڑی۔ وہ چھوٹے سے قد کا آدمی تھا۔ اسے زلمن (Zelman) کہہ کے پکارتے تھے۔ کسی وجہ سے ماسکو میں اس کا پارٹی کارڈ رکھوا لیا گیا تھا۔ زلمن چپ چپ اور گوشہ نشین آدمی تھا، جیسے باہر نکلنے اور بات کرنے سے ڈرتا ہو اس نے ایک روسی لڑکی سے بیاہ کر لیا تھا اور بڑی قناعت کی زندگی گزار رہا تھا وہ غیر معمولی طور پر ذہین کاریگر تھا کام کے سلسلے میں مجھے اس پہ بہت اعتماد تھا۔ ایک دن خفیہ پولیس نے زلمن کو بلا بھیجا۔ کئی گھنٹے بعد جب وہ واپس آیا تو کانپ رہا تھا چہرہ بالکل زرد تھا۔ اس نے اپنی ٹوٹی پھوٹی روسی میں مجھے بتایا کہ مجھے روس چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ واپس جرمنی ...!"

"کامریڈ کرادینکو مجھے بچا لو۔ جرمنی! تم اندازہ کر سکتے ہو کہ میرے لئے جرمنی کا مطلب کیا ہے؟ میں صرف یہودی ہی نہیں کمیونسٹ بھی ہوں۔ کمیونسٹ ہی نہیں یہودی بھی ہوں۔ مجھے سائبیریا بھیج دو۔ جیل بھیج دو لیکن جرمنی سے بچا لو۔ مجھے جرمنی سے بچا لو۔"

اگلے دن زلمن کام پر نہ آیا۔ میں نے تحقیقات کی تو صرف یہ معلوم ہو سکا کہ زلمن اور اس کی بیوی نکوپول سے چلے گئے ہیں۔

مجھے جب ۱۹۳۶ کے آخری مہینے یاد آتے ہیں تو حافظہ پر ستم گزر جاتا ہے۔ یہ چند واقعات ہیں جو کسی خاص ترتیب اور کوشش کے بغیر مجھے یاد آئے اور میں نے لکھ دیئے۔ یہ واقعات ایک ایسی دنیا کی یادگار ہیں جو ہمارے دیکھتے دیکھتے تاریکی میں گم ہوئی جا رہی تھی۔

آخیر میں مجھے انجنیئر سٹیٹس وچ (Stetsvich) کا قصہ بھی یاد آ رہا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کی خوبصورت بیوی اور اس کی بوڑھی ماں کے خدوخال بھی ذہن کی گہرائیوں سے ابھر رہے ہیں یہ خاندان پول قوم سے تھا۔ سٹیٹس وچ پارٹی ممبر نہیں تھا۔ اس لئے وہ ہمیشہ سیاسیات سے کنارہ کش رہنے کی کوشش کرتا اور بڑی محنت سے کام کرتا تھا۔

ایک دن صبح ہی صبح گرشکورن کا ایک اسسٹنٹ اس کے کام کے بارے میں مجھ سے پوچھ گچھ کرنے کے لئے آدھمکا۔ جو کچھ مجھے معلوم تھا۔ میں نے صاف صاف کہہ دیا ——— میری ڈائری میں خفیہ پولیس نے ایک اور اندراج کیا —— "سازشیوں اور باغیوں کی سرکوبی میں تعاون کرنے سے گریز" ——— اور یہی بعد میں میرے خلاف سب سے بڑا الزام سمجھا گیا۔

پول کو گرفتار کر لیا گیا اور اس کی ماں اور بیوی سے ان کا جھونپڑا چھین لیا گیا۔

ایک شام میں کار میں نکوپول جا رہا تھا۔ راستے میں میں نے ایک کبڑی بڑھیا دیکھی جو لاٹھی ٹیکتی ہوئی آہستہ آہستہ چلی جا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک بقچہ سا تھا۔ میں نے اسے پہچان لیا۔ یہ سٹیٹس وِچ کی ماں تھی۔ میں نے کار ٹھہرالی اور اسے اندر بٹھانا چاہا۔ مجھے معلوم تھا کہ مفرور "مجرم" کی ماں سے مہربانی کا سلوک کرنا کیسا خطرناک ہو سکتا ہے لیکن اس وقت تو مجھے یقین بھی ہوتا کہ مجھے گولی ماری جائے گی تو بھی اُسے کار میں ضرور بٹھاتا۔

"تمہارا شکریہ بیٹے وکٹر۔ خدا کرے کہ تمہاری ماں کو مجھ ایسی مصیبتیں نہ اٹھانی پڑیں۔ اللہ تمہیں ان تکلیفوں سے بچائے جو میرا بچّہ اٹھا رہا ہے۔ جس خفیہ پولیس کے دفتر میں جا رہی ہوں وہاں کھڑی رہوں گی۔ شاید مجھ سے یہ بقچہ لے کے اسے پہنچا دیں۔ عورتیں کہتی ہیں بیٹے کہ اُسے کہیں باہر بھیجا جا رہا ہے!"

جب ہم شہر کے قریب پہنچے تو وہ زبردستی گاڑی سے اتر گئی کہ مفت میں میں بھی نہ پھنس جاؤں۔ میرے شوفر نے گردن موڑ کر میری طرف دیکھا اور کہا۔

"کامریڈ ڈائرکٹر میں کنیا کا بچہ ہوں۔ حرامزادہ پلا ہوں کہ آپ جو کچھ کرتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں روزانہ جا کے پولیس والوں کو بتاتا ہوں آپ مانیں یا نہ مانیں لیکن میں اپنی ماں کی قسم کھاتا ہوں۔ اس واقعے کی رپورٹ نہیں کروں گا۔ میری ماں سیدھی سادھی عورت ہے لیکن میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ لیکن خیر کامریڈ کراوچنکو آپ کا شکریہ ——— جیسے ایک روسی دوسرے روسی کا شکریہ ادا کر سکتا ہے"

میرے مصائب کے دنوں میں یہ بات سامنے نہ آئی اگرچہ اس سے کم درجے کے ہزاروں "جرائم" مجھ سے منسوب ہوئے۔ شوفر نے اپنا وعدہ پورا کیا +

نکوپول کی فضا اب پہلے سے زیادہ گھٹی گھٹی تھی۔ پارٹی سیکرٹری کازلوف کو کہیں اور "تبدیل" کر دیا گیا۔ لیکن ہمیں خبر مل گئی کہ اُسے گرفتار کر لیا گیا ہے۔ ایک اور افسر "بیمار" ہو گیا۔ بعد میں یہ بیماری مستقل ہو گئی۔ عام مزدوروں کا پہلے یہ خیال تھا کہ ہم محفوظ اور بے تعلق ہیں لیکن بہت جلد اُن کے ساتھی مرد اور عورتیں پُراسرار طور پر گم ہونے لگے۔ اس سے ان میں ہراس پھیل گیا اور ہراس کی یہ لہر ایسی خوفناک ہو گئی کہ پیداوار کا اوسط گھٹ گیا۔ مزدوروں کے حوصلے پست ہو گئے۔

نکوپول کے کارکنوں کا خاص اجلاس بلایا گیا جس میں وہ کانپتے ہوئے گئے۔ دروازے پر بڑی سختی سے

جائزہ لیا گیا۔ ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے تھے بعض آپس میں بے تکلف تھے اور ان کے درمیان گالی کا لین دین بھی تھا لیکن اس اجلاس میں کوئی کسی کے پاس نہ پھٹکتا تھا۔ ہر شخص دوسروں کی نظروں سے کترا رہا تھا — اپنے آپ کو بچاؤ۔ اپنے آپ کو بچاؤ۔ ہمسایوں سے بچو — یہی ایک خیال تھا جو ہر ذہن میں گونج رہا تھا۔

سٹی کمیٹی کا سکریٹری کامریڈ براڈسکی ہمیشہ مستعد دکھائی دیتا تھا لیکن اس روز ایسے دکھائی دیتا تھا جیسے مدتوں کا جاگا ہوا ہو۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ ہاتھ کانپتے تھے اس کی آواز کھوکھلی اور بھیانک تھی جیسے میگافون پہ بات کر رہا ہو — ہم میں سے کسی کو علم نہیں تھا کہ یہ اس سے آخری ملاقات ہے! کوئی نہیں جانتا تھا کہ کامریڈ براڈسکی جیسا بارعب شخص بہت جلد خفیہ پولیس کی کسی کال کوٹھڑی میں ہوگا!

براڈسکی نے اعلان کیا کہ ماسکو سے کچھ ہدایات آئی ہیں جنہیں سنانے کے لئے ہمیں بلایا گیا ہے۔ اس نے چٹھی آہستہ آہستہ پڑھ کر سنائی جیسے پڑھتے ہوئے وہ اس کی پوری پوری تائید کرنا چاہتا ہو — یہ زنوویف کمی نیف اور ان کے ساتھیوں کی پھانسی سے چند دن پہلے کی بات ہے۔ ماسکو کا مقصد اس خط سے یہ تھا کہ پارٹی ممبروں اور دوسرے لوگوں کو جن کے دل میں کوئی شبہ پیدا ہو سکتا تھا اس صدمے کے لئے تیار کر لیا جائے۔

چٹھی میں لکھا تھا "اب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ٹراٹسکی کے ایجنٹ زنوویف وغیرہ۔ غیر ملکی جاسوس جاگیردار رجعت پسند سرمایہ داروں کے ایجنٹ اور باغی سوویٹ حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے متحد ہو چکے ہیں پارٹی ممبروں کو بہت ہوشیار رہنا چاہئے ...... آئندہ سچے بالشویک کی نشانی یہ ہے کہ وہ عوام کے ان دشمنوں کو جو پارٹی کارڈ کی اوٹ میں چھپے ہوئے ہیں بے نقاب کرے ..... گھٹیا قسم کی "فراخدلی" اور "بورژوائی جذبات پرستی" کی کوئی گنجائش نہیں۔

اس خط کا مطلب واضح تھا۔ پارٹی ممبر اس کا مضمون سنتے ہی لرز گئے۔ پہلے "عوام کے دشمنوں" کا کھوج عام آبادی میں لگایا جاتا تھا اب پارٹی کے اندر چھان بین ہوگی۔ آئندہ اہلیت کا اندازہ اس سے لگایا جائے گا کہ آپ اپنے کتنے عزیز ساتھیوں کو پھنساتے ہیں۔ کمزور طبیعتوں اور نرم دلوں کو جو پارٹی کے مفاد پہ ذاتی تعلقات کو ترجیح دیتے تھے اپنی "دوورخی" کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

براڈسکی نے ان ہدایات کی بڑی تفصیل سے تشریح کی — جیسے اس کی زندگی کا دارومدار ان ہدایات کی تعریف و توصیف میں ہو اس نے سٹالن کو سٹالن اعظم، ہماری سوشلسٹ حکومت کا آفتاب، عقلمند اور مدبر قائد، اور نہ جانے کیا کیا کچھ کہا۔ میں نے اپنے ناخن اپنی ہتھیلیوں میں گاڑ دیئے حتے کہ خون نکل آیا۔ کامریڈ براڈسکی کے بعد بے شمار ممبروں نے تقریریں کیں جن میں انہوں نے اپنی "کوتاہی" پر ندامت کا اظہار کیا۔ ہر شخص ندامت ظاہر کرتا تھا۔ اپنے آپ کو نالائق کہتا تھا اور اپنے آپ کو بچانا چاہتا تھا ......

دروازے پر کھٹکا ہوا۔ ہم نے یکبارگی ادھر دیکھا۔ ریجنل کمیٹی کا سیکرٹری اور مرکزی کمیٹی کا رکن کامریڈ ہیتایوچ آرہا تھا۔ اس کے ساتھ مسلح پولیس بھی۔ کمیونسٹوں کے جلسے میں مسلح پولیس ایک نئی بات تھی۔ قوم کے برگزیدوں

کے ہاتھوں لیڈروں کا تحفظ!

ہنتیا درج تھکا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اس کے چہرے پر بے شمار شکنیں تھیں۔ اس کی تقریر ماسکو کی ہدایات کی روشنی میں تھی —— لیکن وہ اپنا دکھ چھپانے میں کامیاب نہیں تھا۔

اس روز کے بعد پارٹی کے اندر "عوام کے دشمنوں" کو بے نقاب کرنا اور انہیں گرفتار کروانا "عزت کی بات ہو گئی۔ لوگ اپنے عزیز ترین دوستوں سے بات کرنے سے گھبراتے تھے —— اگر ملک بھر میں پھیلی ہوئی سیاسی وبا کے جراثیم ان میں بھی ہوئے تو؟ ہم بھول گئے کہ کسی زمانے میں دوستی اعتماد اور یقین کے نام سے بھی چند الفاظ لغت میں موجود تھے۔

کسی ایک افسر کی تباہی کا مطلب یہ تھا کہ اس کے تمام دوست ماتحت اور متعلقین تباہ ہو جائیں گے براڈسکی کے بعد خفیہ پولیس والوں نے ان آدمیوں کو پکڑا جنہیں براڈسکی نے ملازم رکھا تھا۔ نکوپول گیریژن کا کمانڈر بھی ان میں شامل تھا۔ اس کے بعد سرکاری وکیل اور اس کا تمام عملہ زیر دام آ گیا۔ مقامی بینک میں سے کچھ آدمی چنے گئے۔ اخبار کی "صفائی" ہوئی۔ بہت سی اسامیاں نئے آدمیوں کے ہاتھ آئیں انھوں نے بھی مہینہ پندرہ دن کاٹے پھر ان کی جگہ اور نے لے لی۔

کانوں کان یہ افواہ پھیل گئی کہ شہر کا سب سے بڑا شہری افسر سوویٹ چیرمین بھی دھر لیا گیا ہے۔ وہ پہلے کان کن تھا۔ جنگ میں اس نے اعلیٰ خدمات انجام دی تھیں اسے آدھی رات کے وقت بستر میں پکڑ لیا گیا۔ اس کی بیوی اور بچوں نے ایسی ایسی دلخراش چیخیں ماریں کہ ہمسایے جاگ اُٹھے۔

"میں نکوپول میں سوویٹ حکومت کا نمائندہ ہوں تمہیں کوئی اختیار نہیں کہ مجھے گرفتار کر سکو۔ اپنا وارنٹ دکھاؤ" چیرمین نے باوردی افسر سے کہا۔

"چلتا بھی ہے کہ نہیں کتے کا بچہ۔ چل تجھے بتاتا ہوں کہ کس کے کتنے اختیارات ہیں اور کون کس کا نمایندہ ہے۔" باوردی افسر نے اسے دھکا دے کر دروازے سے باہر دھکیل دیا۔

چیرمین کے بعد دوسرے سرکاری افسروں کی باری آئی اور تقریباً تمام کے تمام دفتروں اور گھروں میں گرفتار کر لیے گئے۔

کازلوف کی جگہ ایک نیا آدمی آیا اس کا نام لوس (Luus) تھا۔ وہ احمق اور متعصب تھا جتنا تومند تھا اتنا ہی کچا تھا جیسے ولیسی خراب۔ اس نے آ کے بڑی شدت اور جوش کے ساتھ "مجرموں" کی "تلاش" شروع کر دی اس سے دل اور بھی بجھ گئے۔ ہم جب ایک دوسرے کو کہیں دیکھتے تو معنی خیز نظروں سے گھورتے —— اچھا تم زندہ ہو!

خفیہ پولیس کے ہیڈ کوارٹر میں رات بھر روشنی رہتی یہاں چوبیں گھنٹے کام ہو رہا تھا۔ اس کا کاروبار بہت ہی ترقی کر رہا تھا۔ درو گن گرشکو دن اور ان کے حواری بڑی کیفیت میں تھے۔ تھکے ہوئے لیکن مسرور۔ وہ ایسی جنگ

کے جرنیل تھے جو جیتی جا رہی ہو۔

نکوپولی روس کا ایک حقیر حصہ تھا۔ روس کے ہر حصے میں گرفتاریوں کا یہی حال تھا۔ جانے کہاں کہاں سے ہدایات پہنچ رہی تھیں۔ ایک دن ہمیں خبر ملی کہ ہتیاورچ بھی گرفتار ہو گیا ہے۔ ہتیاورچ اہم آدمی تھا اور نصف کالم گالیاں تو اس کا کم سے کم حق تھیں۔ چنانچہ ہمیں خاصی تفصیل سے حالات معلوم ہوتے۔ ان دنوں روسیوں کو ایسے ایسے اچانک صدمے ہو رہے تھے اور ایسی ایسی المیہ داستانوں کا کردار بننا پڑ رہا تھا کہ کسی کو صدمہ محسوس ہی نہ ہوتا تھا۔ بڑے سے بڑا تصور بھی حقیقت کو نہیں پہنچتا تھا۔

باہر کی دنیا ماسکو کے خونی مقدمات کا تماشا دیکھتی رہی۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا آج تک معلوم نہیں کہ ماسکو کے مقدمات تو محض نظر کا دھوکا تھے جن کی اوٹ میں پہاڑ پہاڑ جتنے ظلم توڑے جا رہے تھے۔ جن لوگوں پر کھلی عدالت میں مقدمے چلے وہ گنتی کے چند اہم لوگ تھے اور ان مقدمات کی پہلے سے کافی "تیاری" بھی کی جا چکی تھی ——— لیکن جن لوگوں پر کھلی عدالت میں مقدمہ نہیں چلا اور جنہیں محض پارٹی سے "نکالنے" پر اکتفا کی گئی ان کی تعداد ایک کروڑ ہے۔ بڑی تیزی سے ان کا انتخاب کیا گیا تھا اور بڑی تیزی ہی سے ان کا خاتمہ ہوا۔

بلا کی سردی کے باوجود عورتوں اور بچوں کا ایک ہجوم خفیہ پولیس کے ہیڈ کوارٹر کے گرد رہتا تھا۔ پولیس انہیں ادھر مار کر بھگاتی ادھر وہ پھر آجاتے۔ ان میں سے کچھ تو شہر کے باشندے تھے لیکن بہت سے ایسے تھے جنہیں دیہات سے آنا پڑا تھا۔ یہ مناظر میں اپنی یادداشت سے کبھی مٹا نہیں سکتا۔ اور اس طوفان کے درمیان مصیبت زدوں کی آہوں اور دکھیوں کی چیخوں کے درمیان اخبارات اور ریڈیو چلا رہے تھے۔

"نومبر ۱۹۳۶ میں دنیا کا سب سے پہلا جمہوری دستور"

یہ جنون اس حد تک پھیلا کہ پارٹی ممبر رات کو سونے سے پہلے کپڑے نہیں اتارتے تھے کہ کیا جانے کس وقت پولیس آجائے۔ تمام دوسرے ممبروں کی طرح میں بھی ایک سوٹ کیس ان چیزوں کا بھر کے تیار رکھتا تھا جن کی جیل میں ضرورت پڑ سکتی تھی جب پاشا نے وہ سوٹ کیس میری چارپائی کے نیچے دیکھا تو پوچھنے لگی کہیں جا رہے ہو۔

"کون جانتا ہے پاشا کس کو خبر ہے؟" میں نے آہ بھر کر کہا۔

کامریڈ براننگو کسی کام سے نیپر وپیٹر وسک گئے تھے۔ واپس لوٹے تو ایسی ہی خبریں لائے وہاں بھی کارخانے کے تقریباً نصف آدمی پکڑے جا چکے تھے۔ ہر روز پولیس کے کانٹے ٹرک کارخانے میں جاتے ——— وہاں سے کچھ آدمیوں کو لے کر ریلوے اسٹیشن پہنچا دیتے ——— جہاں جانوروں کی گاڑیوں میں انہیں لاد دیا جاتا اور وہ اپنی نامعلوم منزلوں کو روانہ ہو جاتے ——— یہ باتیں سن کر مجھے چار سال پہلے کے واقعات یاد آئے جب سوویٹ حکومت کسانوں کو "اجتماعی کاشت" سکھا رہی تھی۔ اب کے مزدوروں کی باری تھی۔ لیکن ان میں بڑھیا مال بھی تھا کمیونسٹ پارٹی ممبر عہدیدار سرکاری افسر۔ پڑھے لکھے لوگ اور مستری انجنیئر وغیرہ وغیرہ۔

"سٹالین اور پولٹ بیورو آخر چاہتے کیا ہیں ——— یہ تو پاگل پن ہے" ہوبرانکو نے ایک دن مجھے کہا اور پھر اپنے کہے پر پچھتانے لگا۔ ڈر ہے نے پچھتاوہ اس کی خوفزدہ آنکھوں میں فوراً دیکھ لیا۔

سٹالین اور پولٹ بیورو آخر چاہتے کیا ہیں ——— یہی سوال میرے ذہن میں بھی گونج رہا تھا۔ میں نے ایک حماقت کی۔ پولٹ بیورو کے ایک ممبر سے میرے ذاتی تعلقات تھے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اس پاگل پن کا مقصد دریافت کروں کئی راتوں کے بعد میں نے کامریڈ ارزونی کڈزے کے نام خط کا مسودہ تیار کر لیا۔ میں نے حالات کا ایک تفصیلی جائزہ لیا تھا۔ میں نے لوگوں کی وفاداری کی حمایت کی تھی اور کہا تھا کہ اگر حالات یہی رہے تو بہت جلد روس میں صنعتوں کو چلانے کے لئے کوئی آدمی نہیں ملے گا۔ پیداوار بڑی تیزی سے گھٹ رہی ہے۔

میں نے یہ خط دستی بھیجا اور مجھے یقین ہے کہ مکتوب الیہ تک پہنچ بھی گیا۔ لیکن مجھے اس کا جواب نہیں آیا۔ جب میں خود گرفتار ہوا تو اس خط کا کوئی ذکر نہ آیا اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ ارزونی کڈزے نے یہ خط پولیس کے حوالے نہیں کیا۔ اس میں سے ایک پیرا بھی پولیس کے ہاتھ پڑ جاتا تو مجھے پھانسی مل جاتی۔

میری باری نومبر ۱۹۳۶ میں آئی۔

میری باری بھی لمانسکی کی طرح اچانک آگئی لیکن میں نفسیاتی طور پر اس کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو سمجھا لیا تھا کہ حواس کو بہر طور قائم رکھنا ہے۔ میں راتوں کو جاگ جاگ کے سوچا کرتا تھا کہ میرے خلاف کیا الزام لگائیں گے۔ میرے جرائم کیا ہیں۔ کیا کوئی بات میں نے سال بھر پہلے ——— یا پانچ سال پہلے کی یا کبھی تو نہیں؟ میرے کام پر تو اعتراض نہیں کیا جا سکتا؟ لیکن میرے دل میں سب سے بڑا دکھ یہ تھا کہ میں نے سوویٹ حکومت کے خلاف کوئی جرم نہیں کیا تھا لیکن جب میرے خلاف الزامات کا اعلان کیا گیا تو وہ میرے متوقع الزامات سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے تھے

ہم فیکٹری کے تھیٹر میں اجلاس کر رہے تھے۔ مقامی کمیونسٹوں نے پچھے بالشویک ہونے کا ثبوت فراہم کرنا شروع کر دیا تھا۔ آج کے اجلاس میں بہت سے ممبروں کا محاسبہ ہو رہا تھا۔ ظاہر تھا کہ سب کے سب پارٹی سے خارج کر دیے جائیں گے۔ اجلاس ختم ہونے ہی والا تھا کہ لوس اٹھا۔

"کامریڈ میرا خیال ہے اب ہمیں پائپ پلانٹ کے ڈائریکٹر کامریڈ وکٹر کراوچنکو سے جواب طلبی کرنی چاہیئے اس کامریڈ کے خلاف ہمارے پاس بڑی سنگین شہادتیں ہیں۔"

"الزامات کی وضاحت کرو" پیچھے سے ایک آواز آئی۔

لوس نے انجنیئر مکاروف کو تقریر کے لئے بلایا۔ جب مکاروف سٹیج کی طرف بڑھ رہا تھا تو میرے دائیں طرف کا ممبر اٹھ کے چلا گیا۔ بائیں طرف والے کو بھی سگریٹ خریدنے تھے ——— میں یک دم اچھوت ہو گیا سیاسی کوڑھی سمجھا جانے لگا۔ میرے پاس بیٹھے ہوئے ابھی سے اٹھ اٹھ کے بھاگنے لگے۔

میں مکاروف کو خارکوف سے جانتا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو لوگوں کے رحم پر زندہ رہتے ہیں نکوپول میں اسے میں نے ملازم کروایا تھا۔ پھر رہنے کے لئے مکان دلوایا۔ میں دل میں سمجھتا تھا کہ وہ ان باتوں سے میرا ممنون ہوگا۔

"میں کراوچنکو کو کئی سالوں سے جانتا ہوں۔ وہ ڈھلائی کے کارخانے کی پارٹی کا رکن تھا۔ اس کے تمام ساتھی گرفتار ہو چکے ہیں۔ خصوصاً اس کے دوست بریسکوئی اور کاٹز ـــــ لیکن یہ اتفاق ہوا۔ اس کراوچنکو کے ماسکو میں تعلقات ہیں۔ اس کارخانے میں یہ کامریڈ ارزدنی کوز کی سفارش سے آیا ہے ـــــ اس کے ماسکو کے بہت سے دوست بھی پکڑے جا چکے ہیں۔ یہ باتیں میں نے سرسری طور پر کہی ہیں۔ میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ کامریڈ کراوچنکو سال ہا سال سے پارٹی کو دھوکا دیتا آیا ہے۔ اس نے پارٹی سے ایک نہایت اہم حقیقت چھپا رکھی ہے ـــــ اور وہ حقیقت ہے اس کے باپ کا سیاسی ماضی۔ اس نے کیوں پارٹی کو نہیں بتایا کہ اس کا باپ انقلاب سے پہلے ایک سرگرم منشویک تھا اور انقلاب کے بعد غیر ممبر مزدوروں کو ہمارے محبوب راہنما کے خلاف بھڑکاتا رہا ہے ـــــ"

"کراوچنکو کی بات کرو۔ اس کے باپ کا کیا ذکر؟" پیچھے سے ایک آواز آئی۔

"پھل درخت سے دور نہیں گرتا" کامریڈ لوس نے جواب دیا۔

مکاروف گلا صاف کر کے بولا "واقعی پھل درخت سے دور نہیں گرتا۔ کراوچنکو بھی اپنے باپ کی طرح ہے۔ اس نے اپنے گرد "دشمن عناصر" اکٹھے کر لئے ہیں ـــــ آپ کا کیا خیال ہے۔ یہ محض اتفاق ہے کہ اس کے سیکشن میں اکثریت غیر ممبروں کی ہے؟ اس کے اسسٹنٹ کون ہیں؟ فورمین کون ہیں؟ گرفتار شدہ منشویک ڈوبرنسکی کون ہے؟ جرمن فاشسٹ زلمن کون ہے؟ میں کئی اور کا نام بتا سکتا ہوں۔ تمام غیر ممبر ہیں یا "عوام کے دشمن" جن کی ریشہ دوانیوں کا پردہ خفیہ پولیس نے چاک کر دیا ہے؟"

مجھے خیال آیا ـــــ تو اس کے دل میں یہ ہے کہ میں نے اسے اسسٹنٹ کیوں نہ بنایا!

"کامریڈ زلمن یہودی ہے اور کمیونسٹ ہے۔ وہ فاشسٹ کیسے ہو سکتا ہے؟" ایک مزدور نے سوال کیا۔

"تم کہتے ہو کہ وہ یہودی ہے اور کمیونسٹ ہے۔ تو ہٹلر نے یہاں ہزاروں جاسوس نہیں بھیجے؟ یہودی اور کمیونسٹ سے اچھا کون ہو سکتا ہے؟ اور ایسے گندے عناصر کو کراوچنکو سے بہتر پناہ دینے والا کہاں مل سکتا ہے؟"

"کامریڈ لوس میرا خیال ہے کہ مقرر کو حقائق بیان کرنے چاہئیں" کامریڈ براکوف نے کہا۔

"حقائق بھی بتاؤں گا کامریڈ براکوف۔ آپ کو یاد ہے جب کام کے نئے معیار کے سلسلے میں رائے شماری ہو رہی تھی تو ایک مزدور نے شبہات ظاہر کئے تھے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس فراخدل انسانیت پرست کراوچنکو نے کیا کیا؟ اس نے اس غدار کو ترقی دے دی۔ میں اس پر الزام لگاتا ہوں کہ وہ روس دشمن عناصر کو پناہ دیتا

ہے۔ اس نے اپنے باپ کا سیاسی ماضی چھپا کر مقدس پارٹی کو دھوکا دیا ہے۔"

جب وہ اسٹیج سے اترا تو "ٹھیک ہے ٹھیک ہے" اور "بکتا ہے" کی ملی جلی آوازیں آئیں۔

توسس نے اعلان کیا۔ پارٹی ممبر انجینئر شکی ورچ (Shakivich) تقریر کریں گے۔

شکی ورچ چھوٹے قد کا فربہ آدمی تھا۔ چہرہ بندر کی طرح لال اور چھوٹا سا۔ آنکھوں سے کمینگی مترشح۔
"کامریڈ میں نے بھی کراوچنکو کی شکایت کی تھی۔ میں بڑی مدت سے اس کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔ یہ درست ہے کہ اخبارات میں اس کا ذکر بھی آیا ہے اور تصویریں بھی چھپی ہیں اور ریڈیو نے اسے آسمان پر بھی چڑھایا ہے ——— لیکن آپ کو معلوم نہیں کہ یہ سب دھوکہ ہے۔ یہ ایک پردہ ہے جس کے پیچھے یہ آدمی سازشیں کر رہا ہے۔"

"واقعات سناؤ، ثبوت پیش کرو،" براکو نے کہا۔

"تو ثبوت سنئے کراوچنکو ڈھل مل یقین ہے۔ پڑھائی کے دوران میں وہ اجتماعی کاشت پر تنقید کرتا تھا اور یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے۔ کارخانے میں بھی یہی عالم ہے جب دیکھو ابرو پہ شکن ہے۔ ہر چیز مزاج عالی پر گراں گزرتی ہے۔ اس کی ماں آئی تو اس نے معائنہ شروع کر دیا۔ یوں کہئے کہ ماں کیا آئی آفت آ گئی ——— کراوچنکو کو اتنی اچھی نوکری کیسے ملی ——— ظاہر ہے کہ ماسکو اور خارکوف میں اس کے تعلقات ہیں، اور اس کی قابلیت کو نہیں دیکھا گیا سفارش کو دیکھا گیا ہے۔"

"یہ جھوٹ ہے ساتھیو" براکو یک دم بولا: "کراوچنکو کو کامریڈ آشوتن چنکو نے میرے مشورے سے یہ ملازمت دی۔ وہ بہت قابل انجینئر ہے۔ کامریڈ گمسر نے ذاتی طور پر اس کو نہایت اہم اور مشکل کام سونپے تھے۔"

"لیکن تم اس بات سے انکار تو نہیں کر سکتے کامریڈ براکو کہ وہ ایک سابق منشویک کا بیٹا ہے۔ اور پھل درخت سے دور نہیں گرتا۔ اس نے ہم سٹالن کے خادموں کو کبھی ترقی نہیں دی۔"

اور اب میری سمجھ میں بات آ گئی۔ میں نے نالائق شکی ورچ کو کئی دفعہ بچایا تھا۔ لیکن آخر میں میں نے مجبور ہو کے اور براکو کے مشورے سے اس کی تبدیلی کرا دی تھی تاکہ اس کی محدود قابلیت پر زیادہ بوجھ نہ پڑے۔

شکی ورچ کے بعد یداوین (Yudarin) کھڑا ہوا۔ اس کے لہجے میں خفیہ پولیس کے تجربے کا رنگ تھا۔ میں جانتا تھا کہ یداوین جاسوس ہے اور اسی لئے اس کو نظر انداز کرتا رہتا تھا۔ اب وہ مجھے اصل مع سود لوٹا رہا تھا۔ اس نے کہا: "ساتھیو میں نہ صرف سابق مقرروں کے الزامات کی توثیق کرتا ہوں بلکہ ایک نہایت اہم الزام کا اضافہ کرتا ہوں کہ کراوچنکو سازشی ہے۔"

سازشی کا خوفناک لفظ توپ کے گولے کی طرح پھٹا۔ جلسے میں سناٹا چھا گیا۔ اب تک میرے حواس قائم تھے لیکن اب مجھے یک دم پسینہ آ گیا۔ میرا دل اس قدر تیز اور ایسے زور سے دھڑک رہا تھا کہ میرے خیال میں اس کی آواز یداوین کی آواز سے بھی زیادہ سنائی دے رہی تھی ——— یداوین کیا کہے گا؟ اگر گرگون

نے اس کو کیا پڑھایا ہے؟"

"——— ہاں سازشی۔ اس نے دس لاکھ روسی روبل کا نقصان کر دیا ہے۔ اس نے یہ نقصان کیسے کیا ہے یہ بالکل سیدھی سادھی بات ہے۔ اس نے مختلف قسم کے عمدہ عمدہ آلات منگوا کے اپنے پلانٹ میں جمع کروا دیئے ہیں اس کے سیکشن میں سینکڑوں فالتو پرزے پڑے ہیں جنہیں کبھی استعمال نہیں کیا گیا۔ ان میں سے کئی تو ڈبوں میں سے بھی نہیں نکالے گئے۔ میں الزام لگاتا ہوں کہ یہ مال سوویٹ حکومت کا نقصان کرنے کے لئے جان بوجھ کر منگوایا گیا ہے۔"

الزام کی وضاحت کے بعد مجھے کچھ اطمینان سا ہو گیا۔ یہ الزام بہت کمزور تھا۔ اور شاید خود بخود چھوٹ جائے وس کو نیند آ رہی تھی۔ وہ گھر جانا چاہتا تھا۔ اس نے اور کسی کو میرے خلاف بولنے کی اجازت نہ دی۔ اور مجھے صفائی پیش کرنے کو کہا۔ میں نے اسٹیج پر پہنچ کر ایک نگاہ چاروں طرف دوڑائی۔ اپنے حواس مجتمع کئے اور کہا۔

"ساتھیو میں تم سے کھل کر بات کرنا چاہتا ہوں خواہ میرے لئے اس کے نتائج کیسے ہی ہوں۔ میں آٹھ سال سے پارٹی کا ممبر ہوں۔ میرا ریکارڈ میری بہترین سند ہے میں انسان ہوں۔ غلطیاں بھی مجھ سے ہوئی ہیں ممکن ہے میں نے ایسے آدمیوں کو ترقیاں دی ہوں جو اس لائق نہ تھے اور ایسے آدمیوں کی ترقی روکی ہو جو اس کے لائق تھے۔ ذمہ داری کے عہدے پر آدمی کو فیصلے کرنے ہی پڑتے ہیں اور چونکہ وہ بھی ایک انسان ہوتا ہے اس لئے کچھ فیصلے غلط بھی ہو جاتے ہیں۔ تم سب کو معلوم ہے کہ مکاروف اور شیکی ورچ کو ذاتی رنجشیں تھیں۔ ان پر بحث فضول ہے کیونکہ حقائق یہاں ہر شخص کو معلوم ہیں۔

میں اعلان کرتا ہوں کہ میں مجرم نہیں ہوں۔ اور یہی نہیں۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ میں کسی سے ڈرتا بھی نہیں۔ میں تم سے صرف ایک درخواست کرتا ہوں کہ مجھے موقع دیا جائے۔ کہ میں ان آدمیوں کی کینہ توزی کے ثبوت مہیا کر سکوں جنہوں نے مجھ پر بہتان تراشے ہیں۔ ان الزامات کی تحقیقات کے لئے ایک کمشن مقرر کیا جائے۔ اگر میں کمشن کو مطمئن نہ کر سکوں تو کیسی بھی سزا دی جائے میں خوشی سے بھگتوں گا۔

یہ طوفان اس بات پر اٹھا ہے کہ میرا باپ سابق منشویک ہے۔ میں اس کی وضاحت کرتا ہوں کہ میں اپنے باپ کو برا نہیں سمجھتا۔ میں اس سے محبت کرتا ہوں اس کی عزت کرتا ہوں۔ مجھ میں پرولتاری نظریات کا بیج اس نے بویا۔ اسی کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ میں کمسومل بنا۔ اور پھر پارٹی میں شامل ہوا۔ وہ پارٹی ممبر نہیں ہے لیکن مزدور طبقے کے لئے اس کی خدمات مشہور ہیں۔ وہ ان مزدوروں میں جو اسے جانتے ہیں، نیپروپیٹروسک کے مزدوروں میں انتہائی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

اب میں آپ کو اصل بات بتاتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ عمر میں کبھی منشویک نہیں تھا۔ وہ کبھی کسی سیاسی پارٹی کا ممبر نہیں بنا۔ وہ ایک مخلص انقلابی تھا۔ وہ سرمایہ داروں اور زار شاہیوں سے لڑا۔ ۱۹۰۵ء کے انقلاب میں اس نے بندوق اٹھائی۔ اس نے منشویکوں کے ساتھ کام کیا —— اور بالشویکوں کے ساتھ بھی۔ اس

اس نے ہر قسم کے انقلابی کے ساتھ قید کاٹی ---- یہ سب باتیں میں ثابت کر سکتا ہوں لیکن مجھے موقع دیا جائے۔

مجھ پر سازش کا جو الزام ہے بالکل بے معنی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میرے پلانٹ میں بہت سے کل پرزے فالتو پڑے ہیں لیکن محکمہ عالیہ کو ایک ایک کیل کے بارے میں علم ہے۔ میں باقاعدہ اطلاع دیتا رہا ہوں بہر کیف یہ مال ضرورت کے ماتحت منگوایا گیا تھا۔

میرے پاس بڑے بڑے قیمتی اوزار بھی ہیں جن میں سے بہت کم استعمال ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے خاص اہمیت کے کام بھی سونپے جاتے رہے ہیں جن میں خاص قسم کے قیمتی اوزاروں کی ضرورت بھی پڑتی تھی۔ آپ کو باکو کے نلوں کا واقعہ تو یاد ہوگا۔ پہلے آرڈر کچھ تھا بعد میں اس میں تخفیف کر دی گئی۔ اسی طرح کے کئی اور کام تھے جن کے آرڈر سرے سے منسوخ ہی ہو گئے۔ چنانچہ بہت سے قیمتی پرزے جمع ہو گئے۔ میں نے انہیں سنبھال کے رکھا ہے کہ کیا جانئے ان کی کب ضرورت پڑ جائے۔ جو کچھ بھی ہوا کھلم کھلا ہوا۔ اس میں سازش نہیں ہوئی۔ یہ ان فیصلوں کا نتیجہ ہے جو ماسکو میں ہوئے۔ میری "سازش" کا نتیجہ نہیں

یہ سب الزامات نہایت معمولی ہیں اور میں خواہ مخواہ آپ کو پریشان کرنا نہیں چاہتا لیکن میں دست بستہ دعا کرتا ہوں کہ مجھے اپنی قطعی بے گناہی کا ثبوت یہاں پیش کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ یہاں۔ اس ہال میں ---- کہیں اور نہیں ----"

کچھ لوگوں نے تالیاں بجائیں کچھ نے آوازے کسے ---- نکال دو منشویک ---- غدار۔ اپنے تعلقات پر نازاں ہے ----!

ایک بوڑھا مزدور اٹھا اور بولا "جب تک کامریڈ کراوچنکو اپنے پلانٹ کا انچارج ہے اس کے کام میں مداخلت نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ معاملہ بہت پیچیدہ ہے ہمیں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ کراوچنکو کی اپنی تجویز بہت معقول ہے۔ میرے خیال میں سٹی کمیٹی کو کمشن مقرر کر دینا چاہیئے۔"

یہ تجویز منظور ہو گئی۔

جلسہ برخاست ہوا تو صرف براکو اور بوڑھے مزدور کو یہ ہمت ہوئی کہ مجھ سے بات کریں۔ اس کے بعد آئندہ ڈیڑھ سال تک میں سیاسی کوڑھی اور اچھوت سمجھا جاتا رہا۔

زیرِ دام

اگلی صبح اخبار میں مجھ پر تبصرے کیے گئے تھے۔ انہی کالموں میں میری تعریف کے پل باندھے گئے تھے۔ اور شاید اس تعریف ہی کے اثرات زائل کرنے کے لئے اب میری دھجیاں اڑائی جا رہی تھیں۔

"معتبر ذرائع سے خبر ملی ہے کہ یہ شخص کراوچنکو گذشتہ کئی سال سے یہ بات چھپانے میں کامیاب رہا ہے کہ اس کا باپ ایک بہت بڑا جاگیردار تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کراوچنکو سوویٹ حکومت کا دشمن ہے اور اس نے دوسرے دشمن عناصر کو پناہ دے رکھی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس نے لوگوں کو پارٹی سے بدظن کیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سوویٹ حکومت کو لاکھوں روبل کا نقصان پہنچایا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

اور اس تحریر کی بے لبسی ہی سے مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ "ادھر" کے اشارے کا کرشمہ ہے۔

سٹی کمیٹی میں برلوسکی کا جانشین ایک شخص فلائن (Filline) تھا۔ میں ناشتہ کر رہا تھا کہ اس کا فون آیا۔

"کل رات کی مفصل رپورٹ ہمیں پہنچ چکی ہے۔ ہم نے اخبارات بھی دیکھے ہیں۔ آپ فکر نہ کیجیے کامریڈ کراوچنکو کام کرتے رہیے اور خیال رکھیے کہ مال باقاعدہ تیار ہوتا رہے۔ فی الحال آپ کو کوئی کچھ نہیں کہے گا۔"

میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ کم از کم وقتی طور پر تو میں محفوظ تھا۔ فلائن مجھے کبھی ٹیلیفون نہ کرتا اگر اس کا اور اس کے حواریوں کا خیال نہ ہوتا کہ کیس بہت کمزور ہے جب میں کارخانے پہنچا تو کمشن کام شروع بھی کر چکا تھا اس میں لوس تھا۔ براکو تھا اور چیف انجنیئر وشنیف (Vishnev) سب کے سب سپلائی روم میں فالتو پرزوں کا معائنہ کر رہے تھے۔

"گڈ مارننگ۔" لوس نے سرد مہری سے کہا "کام کی بات کریں۔ یہاں پرزے منگوانے والے تھی ہونا؟"

"ہاں"

"تو تم انکار نہیں کرتے کہ یہ پرزے تم نے منگوائے ہیں؟"

"نہیں"

"کاغذات پر اور کس نے دستخط کیئے؟"

"کامریڈ دشنیف چیف انجنیئر نے"

دشنیف گھبرایا کہنے لگا "مجھے تو یاد نہیں۔ اور اگر میں نے کیئے ہیں تو مرکز کا حکم ہوگا"

"ابتدائی فہرست کس نے بنائی؟"

"مستری کزنامینکو (Kiznamenko) نے کامریڈ دشنیف کے حکم سے"

کامریڈ دشنیف جواب مجھ سے بھی زیادہ پریشان اور بدحواس ہو رہا تھا پھر مکر گیا۔

"تو کاغذات سے معلوم ہو جائے گا" براکو نے کہا

"میں کوشش کروں گا لیکن ان کی نقول شاید ہی یہاں ہوں۔ ورنہ خارکوف اور ماسکو سے تو مل ہی سکیں گی" میں نے کہا۔

اور ان نقول کی تلاش آیندہ چند ہفتے میری سب سے بڑی مصروفیت ہو گئی۔ یہ کاغذات میرے لئے بھوت بن گئے۔ کبھی ان کے ملنے کی امید ہوئی کبھی پھر غائب ہو گئے۔ اگر یہ کاغذات میرے ہاتھ لگ جاتے تو میں یہ ثابت کر سکتا تھا کہ یہ پرزے اور خصوصاً وہ جو امریکہ سے منگوائے گئے تھے اور بے استعمال نہیں ہوئے تھے کس وجہ سے منگوائے گئے تھے۔ مجھے کبھی معلوم نہیں ہوا کہ دفتر کی نقلیں واقعی گم ہو گئیں یا انہیں عمداً تلف کر دیا گیا۔ میں براکو کی اجازت سے خارکوف اور ماسکو روانہ ہو گیا کہ کاغذات وہاں سے نکلواؤں اور ثابت کر دوں کہ یہ پرزے روسی حکومت کو نقصان پہنچانے کے لئے نہیں بلکہ فلاں ضرورت سے منگوائے گئے تھے۔

یہ الزام بالکل بے ہودہ اور بے معنی تھا لیکن اگر ٹراٹسکی سرخ فوج منظم کرتے ہوئے جرمن جاسوس ہو سکتا تھا اگر لینن کے رفیق انقلاب کے دشمن ہو سکتے تھے تو کراوچینکو بھی سازشی ہو سکتا تھا۔

فلاش کی شگفتگی میرے لئے کچھ تسکین کا باعث تھی۔ روانگی سے پہلے میں نے اسے بتا دیا کہ میں اپنے باپ کی حمایت میں ثبوت فراہم کرنے کے لئے نیپر وپٹروسک میں رکوں گا۔

اب کے میں نے اپنے خاندان کے سامنے سب راز کھول ڈالے اس کا اثر بڑا خوشگوار ہوا۔ میرے اور ابا کے درمیان جو بیگانگی اور اجتناب پیدا ہو گیا تھا ختم ہو گیا۔ وہ مجھے پھر سے عقیدتمند بالشویک کی بجائے اپنا بچہ سمجھنے لگے۔ میں نے انہیں نکوپول کے حالات سنائے انہوں نے نیپر وپٹروسک کی باتیں سنائیں۔ ہمارے اپنے پڑوس میں تین خاندانوں کو تباہ کر دیا گیا جنہیں ہم برسوں سے جانتے تھے۔ پہلا تو

زاروِن (Zarwin) کا خاندان تھا۔ زاروِن فورڈین تھا۔ اس کا ایک بیٹا ڈاکٹر تھا دوسرا انجینیر لیکن دونو بیٹوں کو اور ان کی ماں کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ زاروِن کو کیوں گرفتار کیا گیا ہے۔ "جلدی کرتے کے بچے" خفیہ پولیس کے افسر نے زاروِن کو سیاہ ٹرک میں دھکیلتے ہوئے کہا تھا۔ یہی الفاظ اس کی گرفتاری کی وجہ تھے۔ یہی الفاظ اس کی گرفتاری کا وارنٹ تھے ——— اور یہی الفاظ تھے جو زاروِن کے خاندان کی تمام بے چینی اور اضطراب کا جواب تھے جس کو انہوں نے زاروِن کی اچانک گرفتاری کے موقعے پر محسوس کیا۔ دوسرا کشلسکی کا خاندان تھا۔ جو پول نسل سے تھا۔ اس کا ایک لڑکا کمسومل تھا۔ میں اس سے ملنے گیا۔

"لیکن کامریڈ کراد جنکو میرا باپ پولینڈ کا جاسوس ہو کیسے سکتا تھا۔ وہ ایسا سادہ لوح اور صاف گو آدمی ہے۔ یہ تو پاگل پن ہے۔ ہم دونوں آپس میں بہت بے تکلف دوست تھے اس میں کوئی بات ایسی ہوتی تو میری نظروں سے کیسے اوجھل رہ سکتی تھی؟"

تیسرا بد قسمت ڈکابلنان (Bilinnoo) تھا جو میرے ماتحت کام کر چکا تھا۔ وہ ایک دراز قد اور خوبصورت آدمی تھا۔ بڑا قابل بڑا ذہین اور بڑا ملنسار۔ ہر آدمی اس کی عزت کرتا تھا۔ وہ بے اولاد تھا دونو میاں بیوی نے ایک لاوارث کسان بچی کو متبنٰے کیا ہوا تھا۔ بے چارے اسی کی دیکھ بھال میں لگے رہتے تھے خفیہ پولیس والے آدھی رات کے وقت آئے اور اسے بستر میں سے گھسیٹ کے لے گئے۔ اس کی بیوی کی چیخیں سن کر ہمسائے جاگ اُٹھے۔ بے چاری شب خوابی کا لباس پہنے ننگے پاؤں برف میں ٹرک کے پیچھے بھاگتی رہی حتٰے کہ ٹرک نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ پھر واپسی پر بالکل خاموش ہو گئی تھی ——— اور صبح معلوم ہوا کہ اس نے خودکشی کر لی ہے۔ اور لڑکی جو پہلے انسانوں کے لائے ہوئے قحط سے یتیم ہوئی تھی اب انسانوں کے لائے ہوئے طوفان کی وجہ سے یتیم ہو گئی۔

ان حالات میں میرے گھر والے میرے بارے میں قدرتی طور پر پریشان تھے۔ ابا کو بڑھاپے کی پنشن مل رہی تھی۔ لیکن وہ اب بھی کارخانے والوں سے ملتے رہتے اور ان کے حالات سے باخبر تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ ۹۹ فیصد واقعات میں محض الزام لگ جانا جرم ثابت ہو جانے کے مترادف ہے ——— لیکن انہیں دل میں کسی طرح یہ امید تھی کہ میں ان ۹۹ میں نہیں ہوں گا۔ سواں ہوں گا۔

رات کو مجھے ڈراؤنے خواب آتے تھے اور میں چونک چونک پڑتا تھا۔ ایک دفعہ میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ اماں کے کمرے میں روشنی ہو رہی ہے۔ دبے پاؤں میں ان کے کمرے میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اماں دوزانو بیٹھی دعا مانگ رہی ہیں۔ ان کے رخساروں پہ آنسو بہنے سے دھاریاں سی بن چکی تھیں۔ لیکن ان کے چہرے پر سکون تھا جیسے ان کے اندر نور ہی نور ہو۔ میں نے ان کی زبان سے اپنا نام بھی سنا۔ تھوڑی دیر بعد میں اپنے کمرے میں چلا آیا اور سو گیا۔ ایسی گہری اور پرسکون نیند مجھے کئی مہینوں کے بعد آئی تھی!

صبح ابّا نے مجھ سے بہت دیر تک باتیں کیں۔ انہیں بڑا تاؤ آرہا تھا۔

"اگر میں نے کوئی قصور کیا ہے تو مجھے کیوں نہیں پکڑتے؟ میرے بیٹے کو کیوں دباتے ہیں کہیں لڑکا باپ کے فعل کا ذمہ دار ہوتا ہے؟ کیا حماقت ہے! جب میں نے بغاوت کی اور پولیس نے مجھے گرفتار کیا تو مجھی کو گرفتار کیا گیا۔ زار کی پولیس نے میرے ابا یا میرے بھائی کو کچھ نہیں کہا —— لیکن اب؟ ماں باپ بہن بھائی بیویاں بیٹیاں ایک دوسرے کے گناہوں میں پکڑی جارہی ہیں! ہماری خفیہ پولیس کے مقابلے میں زار کی خفیہ پولیس تو ایک خیراتی ادارہ تھا۔"

"غصّے سے کچھ نہیں ہوگا ابّا۔ ثبوت مہیّا کرنا چاہیے کہ آپ منشویک نہیں تھے۔"

"جیسے یہ کوئی جرم ہے بڑے بڑے جفاوری انقلابی منشویک تھے۔"

ابّا اپنے وقت کے بہت سے اُن کمیونسٹوں سے ملے جو ان کی سرگرمیوں سے واقف تھے۔ انہوں نے ابّا کے حالات لکھ کے اور کاغذات پر سرکاری مہریں لگوا کے ابّا کو دے دیئے۔ پھر میں ان کے ساتھ ڈاکٹر کراوالیف (Karavayev) کی بیوہ سے ملنے گیا وہ لانبے قد کی ذہین عورت تھی۔ سر کے بال سفید ہو چکے تھے۔ اس کا خاوند پارلیمنٹ کا ممبر رہ چکا تھا اور زرعی اصلاحات کے بل کا مجوز تھا۔ اسے زار کے آدمیوں نے مروا دیا تھا۔ اس کی بیوی کو پنشن مل رہی تھی اور بڑے بڑے کمیونسٹ لیڈر اس کے دوست تھے وہ ابّا کو تیس سال سے جانتی تھی۔

ہمیں وہ بڑے تپاک سے ملی۔ تمام پرانے کمیونسٹ جو اس کے خاوند کے ساتھی تھے اس کے لئے بڑے مقدس تھے۔

"تجھ سے مل کے کیسی خوش ہوں!" اس نے ابّا سے لپٹ کے اور ان کے دونوں گالوں کو چومتے ہوئے کہا "تو یہ تمہارا بیٹا ہے دکتر۔ بڑا خوبصورت جوان ہے ——"

اپنے تمام تعلقات اور ذہانت کے باوجود وہ ایک خود ساختہ دنیا میں رہتی تھی۔ پہلے تو اسے یقین ہی نہ آیا کہ ہمیں "ثبوت" کی ضرورت ہے۔

"بکواس ہے —— اس زمانے کے منشویک بننے کے لئے جانبازی کی ضرورت تھی۔ اس کا مطلب اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھنا تھا —— میرا خیال ہے میں سٹھیا گئی ہوں۔ آج کل کے لوگوں کو سمجھ ہی نہیں سکتی۔"

لیکن اس نے نکوپول سٹی کمیٹی کے نام ایک خط لکھ دیا جس میں ابّا کی انقلابی سرگرمیوں کا ذکر کیا اور اس بات کی تصدیق کی کہ وہ منشویک نہیں تھے۔ وہ آزادی پسند آدمی تھے اور کسی پارٹی کے نظم و ضبط میں بھی نہیں رہ سکتے تھے۔

ادھر اماں پارٹی کے دفتر میں پریشان ہو رہی تھیں —— اور انہوں نے عہدیداروں کی خوشامد کی کہ میرے خاوند کا پرانا ریکارڈ نکال دو۔ ان کی قید کے کاغذات سے معلوم ہو جائے گا کہ وہ کبھی منشویک

نہیں رہا۔ عہدیدار ڈرتے تھے کہ باقاعدہ حکم کے بغیر انہوں نے ریکارڈ دیکھا تو کہیں جان ہی آفت میں نہ آجائے میں نے فلاں کو ٹیلیفون کیا۔ اس نے انتظام کر دیا۔

نیپرو پیٹرووسک میں میری تقریباً تمام مصروفیات ختم ہو چکی تھیں میرے پرانے دوست مجھ سے ملنے سے ہچکچا رہے تھے۔ اس سے میں نے ان کے حالات کا اندازہ لگا لیا۔

کارخانے کا ڈائرکٹر سٹیفن برمن گرفتار نہیں ہوا تھا۔ خفیہ پولیس نے اسے خون کے بھرے ہوئے ایک ٹب میں پایا —— گرفتاری سے بچنے کے لئے اس نے رگیں کاٹ کے خودکشی کر لی تھی۔

کلائی کی رگ کاٹنے سے پہلے اس نے مرکزی کمیٹی کے نام ایک چٹھی میں سٹالین کے وحشیانہ مظالم کی مذمت کی ایسی لاکھوں چٹھیاں مرکزی کمیٹی کو وصول ہوئیں +

امی مجھے خارکوف کی گاڑی پر سوار کرنے آئیں۔ ان کی آواز گلوگیر تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ رو دیں گی لیکن وہ ضبط کرنے کی پوری کوشش کر رہی تھیں۔ میں جانتا تھا کہ ضبط کرنے سے ان پر کیا گزر رہی ہے۔ جب گاڑی چلی تو انہوں نے میرے ہاتھ کو چوما اور ملتجیانہ انداز سے کہا۔

"وکٹر بیٹے اپنے آپ پر قابو رکھو۔ جہاں تم جھک سکو جھک جاؤ۔ آخر وہ انسان ہیں وہ کبھی تو سمجھیں گے ——"

خارکوف کے دفتر میں بے چینی اور رگڑ دبا کی طرح پھیل رہی تھیں۔ ہر آدمی دہشت کی وجہ سے مبہوت نظر آتا تھا۔ کچھ افسروں نے جو میرے دوست تھے دل سے میری مدد کرنے کی کوشش کی لیکن بے سود نکولاپول میں نے ٹیلیفون کیا۔ وہاں سے خبر آئی کہ اس کے بارے میں صرف کامریڈ ارزونی کز بتا سکتے ہیں اور وہ اس وقت سخت بیمار ہیں۔

میں نے ٹیلیفون پر سب حالات براکو کو سنا دیئے۔ اس نے واپس بلا لیا۔

کہا "فوراً آجاؤ"

"کیا ہوا؟"

"ٹیلیفون پر نہیں بتا سکتا۔ تم فوراً آجاؤ"

اگلی صبح میں نکوپول میں تھا۔

کامریڈ براکو کے اندیشے صحیح تھے۔ میرے دشمنوں نے میری غیر حاضری سے فائدہ اٹھایا۔ پہلے تو خفیہ پولیس نے ڈپونسکی سشیاچنسکی باکو انجنیئر اور درجن بھر اور آدمیوں کو گرفتار کرکے میرے دفتر کی صفائی کی۔ پھر میرے ماتحت مزدوروں پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ میرے خلاف "مواد" بہم پہنچائیں۔

فیکٹری کے بہت سے پرانے کارکن میرے پاس آئے اور انہوں نے انتہائی ندامت اور افسوس کے ساتھ بتایا کہ ہم سے جعلی بیانات پر دستخط لئے گئے ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ لوس نے میرے اور میرے ابا کے خلاف "مواد" حاصل کرنے کے لئے آدمی نیپرزویٹرزوسک بھی بھیجے ہیں وہ یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ نیپرزویٹرزوسک کے کارخانے میں جو لوگ گرفتار ہوئے ہیں ان میں سے اکثر میرے گہرے دوست تھے اور اب چونکہ وہ گرفتار ہو چکے تھے اس لئے اصطلاحاً "عوام کے دشمن" کہلاتے تھے —— تو میں "عوام کے دشمنوں" کا دوست تھا۔

چند دنوں کے بعد لوس نے فیکٹری پارٹی کمیٹی کی ایک خفیہ میٹنگ میں میرے "کیس" پر غور کیا۔ میری حالت ایسے پرندے کی طرح تھی جس کا پنجرہ سکڑ رہا ہو۔ میں ایک جنگلی خرگوش کی طرح تھا جس کے گرد کتوں کا حلقہ تنگ تر ہو رہا تھا۔ ان کے بھونکنے کی آوازیں قریب تر ہوتی جا رہی تھیں۔

یہ اجلاس بھی تھیٹر ہال میں ہوا۔ افسر سٹیج پر سرخ جھنڈوں اور لیڈروں کی تصویروں کے سامنے میں بیٹھے تھے۔ فٹ لائٹس روشن تھیں۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی ڈرامہ —— سوویٹ اخلاق کا ڈرامہ —— شروع ہونے والا ہے۔

مجھے اپنے گھٹنے ریت کے بنے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ ٹانگیں اٹھتی ہی نہ تھیں۔ میری تمام کوششوں کے باوجود مجھ میں گھبراہٹ کے آثار پائے جاتے تھے۔ میں نے نہ کسی سے بات کی نہ کوئی مجھ سے بولا۔ میں چپ چاپ آخری قطار میں جا بیٹھا۔ صرف دو کامریڈوں نے مجھ سے بات کرنے کی جرأت کی۔ ایک سلی نن (Silinin) تھا اور دوسرا گوش چن (Gauschin) دونوں بوڑھے آدمی تھے —— اور شاید اسی لئے "بالشویک عزم" کی اعلیٰ تربیت نہیں پا سکے تھے۔

آج لوس تیار تھا۔ اس نے انتظام کر لیا تھا کہ کوئی آدمی مداخلت نہ کرے۔ ہر ایکٹر کو اس کا پارٹ اچھی طرح یاد تھا۔ ان میں سے بعض نے تھوڑی سی پی لی تھی۔ تاکہ اپنے پارٹ زیادہ روانی کے ساتھ ادا کر سکیں۔ میں نے براکو کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا رہا تھا۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ بھی کیا۔ جس کا مطلب تھا —— "تم اپنے آپ کو سنبھالو۔ ابھی امید ہے۔"

لوس کی تقریر سے یہ ناٹک شروع ہوا۔ اس نے کہا کہ کراوچینکو کا جرم بہت حد تک ثابت ہو چکا ہے۔ اس بات میں تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ اس کا باپ آج کل "سوویٹ کی مخالفت کے موڈ" میں ہے وہ سرگرم منشویک رہ چکا ہے۔ کراوچینکو کی غداری کا ثبوت "اور کہیں" اور "کسی کے ذریعے" سے بہم پہنچے گا لیکن کیا یہی ایک عجیب اتفاق نہیں کہ آپ کے پلانٹ میں سے خفیہ پولیس نے اتنے غداروں "سازشیوں" اور "عوام کے دشمنوں کو برآمد کیا ہے جتنے اور کسی پلانٹ میں سے برآمد نہیں ہوئے؟

خفیہ پولیس کے پاس ابھی اس بات کا ثبوت نہیں تھا۔ کہ میں ان سب کا آلہ کار ہوں اس کے لیے صرف یہ بات واضح تھی کہ بات صحیح ہے۔ ثبوت کی کوئی ایسی اہمیت نہیں۔

"ہمارے پاس بے شمار بیانات پہنچے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ کراوچنکو عوام کا دشمن ہے۔ کمیونسٹوں کو تنگ کرتا ہے اور باغیوں کا ہمدرد ہے کوئی بولنا چاہتا ہے؟"

کئی ہاتھ اُٹھے۔ اب کے میکاروف شیکی وترچ اور ریداوین نے اپنے بیانات زیادہ محنت سے تیار کئے تھے۔ یسنیف (Yasnev) بھی اُن میں شامل ہو گیا اور ٹریڈ یونین کا نمائندہ بالابن (Balabin) بھی جسے میں نے "سیاسی تربیت" دیتے ہوئے روکا تھا۔ اُس نے بڑے طنزیہ انداز میں بیان کیا کہ میں نے سٹاخنوزم کو نقصان پہنچایا۔ میں نے اُس گتے کو پھاڑ ڈالا جس پر ایک سست مزدور کی تصویر بنائی گئی تھی۔۔۔۔۔

"کوئی آدمی کراوچنکو کی حمایت میں بولنا چاہتا ہے؟" لوس نے پوچھا۔

گوش چن کھڑا ہو گیا۔ حیرانی اور خوشی سے لوگوں کی آنکھیں اُس پر جم گئیں۔

"میں بولنا چاہتا ہوں کیونکہ اس قابل کامریڈ کے خلاف تمام الزامات کسی گرم دماغ کی اختراع ہیں۔ کراوچنکو ایک پرانے انقلابی مزدور کا بیٹا ہے۔ اس کے سوا اس کے باپ کے خلاف تمام باتیں من گھڑت اور غلط ہیں۔ اس کے علاوہ وہ خود بالغ آدمی ہے اور صرف اپنے افعال کا ذمہ دار ہے ـــــ لیکن میں اس کے علاوہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا ہوں۔ ساتھیو یسنیف نے مجھے دفتر میں بلایا اور مجھ سے کامریڈ کراوچنکو کے خلاف ایک بیان پر دستخط کرانے چاہے میں نے انکار کیا تو وہ گالیوں اور دھمکیوں پر اتر آیا۔ اس سے آپ ان بیانات کی حقیقت کو پرکھ سکتے ہیں۔"

"بکتا ہے" یلسنیف نے گرج کر کہا۔

"بکواس" مکاروف اور اُس کے ساتھیوں نے کہا۔

"نہیں یہ حقیقت ہے ساتھیو۔ آپ جانتے ہیں کہ میں کافی بوڑھا ہوں اور کئی سال سے کمیونسٹ ہوں۔ میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔ میں مزدور ہوں۔ پارٹی کا وفادار ہوں۔ اس قابل ڈائرکٹر کے خلاف یہ مقدمہ ظلم ہے۔ بہتان ہے۔ شروع سے آخر تک جھوٹ ہے۔"

جلسہ گاہ پاگل خانہ بن گئی۔ لوگوں نے شور مچا دیا جس میں بوتلوں کی کھنک بالکل ڈوب گئی۔ سٹالین اور مالوٹوف کی تصویریں ڈرامے کے اس پہلو پر بڑی حقارت سے دیکھ رہی تھیں ـــ یہ اخلاقی ڈرامہ ایک بدمذاق تماشائی نے خراب کر دیا تھا!

جب کچھ سکون ہوا تو برا کو نے بولنے کی اجازت چاہی۔ اُس نے سازش کے الزام میں میری حمایت کی۔ اُس نے بتایا کہ تمام پرزے حزو رتاً منگوائے گئے ہیں۔

"تو کاغذات کہاں ہیں؟" لوس نے کہا

"کاغذات تو میرے پاس نہیں ہیں لیکن مل جائیں گے۔ اگر کراوچنکو مجرم ہے تو میں بھی مجرم ہوں کیونکہ میں اس کا نگران ہوں۔ وشنیف مجرم ہے کیونکہ وہ چیف انجینئر ہے۔

خارکوف میں گرد بوسٹی اور ماسکو میں بکسر یٹ مجرم ہے۔ کیونکہ ہم اُن کے ماتحت ہیں۔ ساتھیو میں تمہاری طرح

دیکھتا ہوں اور شرم سے پانی پانی ہوا جاتا ہوں ۔ یہ پارٹی کا جلسہ ہے یا خون کے پیاسوں کا؟ —— اور آج پارٹی کے جلسے کے دوران میں شراب پینے کی اجازت کس نے دی ہے؟ خدا کے لئے ہوش کرو۔ یہ مذاق نہیں۔ ایک کامریڈ کی زندگی اور موت کا سوال ہے ۔"

یکایک پردے کے قریب ایک بھاری آواز گونجی جس میں براکو کے الفاظ دب گئے ۔ لوگوں نے ادھر دیکھا تو دروازے میں وروگن کھڑا تھا ۔ اُس کی آنکھیں سرد اور منجمد تھیں ۔ وہ ٹانگیں چوڑی کئے ایک ہاتھ دروازے کی چوکھٹ پر رکھے اور دوسرے میں سگریٹ تھامے چپ چاپ کھڑا تھا ۔

"یہ جذباتی پن" کامریڈ براکو ۔ ایسی طفلانہ حرکتوں کے لئے کیا موزوں وقت ڈھونڈا ہے تم نے !"
اس نے حاضرین پر ایک نگاہ ڈالی ۔ براکو نے جلدی جلدی اپنی تقریر ختم کی جیسے اُسے یقین ہو کہ اُس کا وقت آگیا ہے ۔ اس ناٹک کے بعد اُسے فوراً پکڑ لیا جائے گا ۔

"اس مذاق کو ختم کرو ۔ دشمن کو پکڑ لو ۔" میرے خیال میں یہ مکاروف کی آواز تھی ۔ "نہیں کامریڈ ۔ کراوچنکو کو موقعہ دیا جائے گا ۔ اُسے پانچ منٹ دیئے جاتے ہیں" لوس بولا ۔

میں سٹیج کی طرف بڑھا ۔ میں اپنے ذہن میں اس وقت کے لئے تیار تھا لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ مجھے اتنا کم وقت ملے گا ۔ اپنی دلیلوں کو مختصر کرنے کی کوشش میں میں نے انہیں کمزور کر لیا ۔ بولتے ہوئے میں اپنی نظریں وروگن سے نہ ہٹا سکا جو ایک چٹان کی طرح بدستور دروازے میں کھڑا رہا ۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ شخص میرے الفاظ سے زیادہ میری شخصیت سے متاثر ہے ۔

"میں اپنے باپ کی وجہ سے شرمندہ نہیں ۔ میں اُس پر فخر کرتا ہوں ۔ میں بزدلی کی وجہ سے کوئی عذر پیش نہیں کروں گا ۔ اگر میں مجرم ہوں تو تمام محکمہ مجرم ہے ۔ کیونکہ کام اس کی ہدایت پر ہوتا ہے —— لیکن میں اتنا ضرور کہوں گا کہ آپ بے گناہ لوگوں کو تباہ کر رہے ہیں ۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ میں بے قصور ہوں میں مجرم نہیں ۔ مجھے ثبوت پیش کرنے کے لئے دس دن اور دیئے جائیں ۔"

رائے شماری کے دوران میں بھی میں وروگن کے چہرے سے نظریں نہ ہٹا سکا ۔ میری حمایت میں صرف چھ ہاتھ اُٹھے ۔ لوس نے انہیں نظر انداز کرتے ہوئے کہا ۔

"متفقہ طور پر فیصلہ کیا گیا ہے کہ وکٹر کراوچنکو کو پارٹی سے خارج کر دیا جائے ۔"

وروگن نے کہا "اپیل کرو گے ؟"

"ضرور ۔ میں کامریڈ اردونی کِز کو تار دوں گا اور خارکوف اور ماسکو میں احتجاج کروں گا اور کل ہٹی کمیٹی میں اپیل کروں گا ۔" میں نے کہا ۔

"کامریڈ کراوچنکو" اس نے ایک کش لگایا اور فقرہ مکمل کرنے سے پہلے آہستہ آہستہ دھواں چھوڑتے ہوئے بولا ۔ "اتنے لوگوں کو خواہ مخواہ زحمت دینا ۔ افسوس کامریڈ کراوچنکو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

میں باہر نکل گیا ۔ رات بے حد خنک تھی لیکن میں نے کوٹ کے بٹن کھلے رہنے دیئے ۔ معلوم ہوتا

تھا کہ میری جسمانی حسیں مردہ ہو چکی ہیں۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ خفیہ پولیس کا کلرک کہیں پاس ہی کھڑا ہوگا۔ کچھ لوگ میری گرفتاری کا منظر دیکھنے کے لئے میرے پیچھے پیچھے آرہے تھے۔ وہ مایوس ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔ میں گھر کی طرف پیدل روانہ ہوگیا۔ اچانک ایک کھمبے کے پاس دو آدمی کھڑے دیکھے ——

"ڈاکٹر کرادجینکو ہم آپ کے دوست ہیں۔"

یہ گوش چین اور سلی تن تھے۔

"شکریہ۔ تم واقعی میرے دوست ہو۔"

وہ مجھے گھر تک چھوڑنے آئے۔ راستے میں انہوں نے مجھ سے بڑی ہمدردی ظاہر کی اور مجھے تسلی دینے کی کوشش کرتے رہے۔

گھر پہنچ کر میں کمروں میں گھومتا رہا گویا سکونِ قلب تلاش کر رہا ہوں۔ میں نے کامریڈ ارزوفی کوز کے نام تار لکھا پھر پھاڑ دیا۔ آخر میں لاکھوں میں ایک ہوں۔ مجھ پر ان سے زیادہ کون سا ستم ٹوٹا ہے۔ میں پولٹ بیورو کے ایک ممبر کو کوئی کونسی چیز بتا سکتا تھا؟ پھر میں نے اپنے کاغذات ٹٹولنے شروع کر دیئے۔ میں اپنی حمایت میں کسی "تحریری ثبوت" کی تلاش کر رہا تھا لیکن کاہے کا ثبوت؟

آخر کار میں تھک کے کپڑوں سمیت بستر پر گر پڑا۔ کپڑے بدلنے کی کیا ضرورت تھی۔ خفیہ پولیس والے مجھے کسی وقت بھی گرفتار کر سکتے تھے۔ میں سو نہ سکا۔ یا شاید میرا جسم سو گیا۔ ذہن جاگتا رہا جو مسلسل سوچتا رہا۔ طرح طرح کے وسوسے پیدا ہوتے۔ قسم قسم کے خیال آتے اور میرا ذہن ان سے کھیلتا —— پھر میرا ذہن پاگلوں کی سی خوشی سے مسحور ہوگیا —— کہ میں کنپٹی پر گولی مار لوں —— مجھے یقین ہے کہ اگر میرا جسم معطل نہ ہوتا اگر اس میں اپنی قوت ارادی ہوتی تو میں خودکشی کر چکا ہوتا۔ میرے جسم اور ذہن میں یہ کشمکش جاری تھی کہ مجھے اپنی کھڑکی پر دستک سنائی دی —— میرے جسم نے حرکت کی۔ یہ اس کے لئے میرے ذہن کو شکست دینے کا موقعہ تھا۔

تو وہ آگئے ہیں ...... ! میں نہایت مستعدی کے ساتھ اٹھا اور اٹھ کے دروازہ کھول دیا۔ لیکن خفیہ پولیس کے باوردی افسروں کی بجائے کرشکن (Krushkin) کھڑا تھا جسے میں نے ترقی دی تھی۔ جسے میں نے محنت کے نئے معیار کے موقعے پر شاہی عتاب سے بچایا تھا۔

"اندر آؤ کامریڈ کرشکن۔ اتنی رات گئے کیسے چلے آئے؟" میں نے بڑے جوش سے کہا۔

"نہیں میں اندر نہیں آتا —— قالین خراب ہو جائیگا۔ سیدھا کام سے آرہا ہوں۔ ایسی گندی ہے یہ رات!"

"گولی مارو قالین کو۔ اندر آؤ۔ اوورکوٹ مجھے دیدو۔ چائے پیو گے؟ تمہیں میرا گھر کیسے ملا؟"

"آپ کا گھر ڈھونڈنا دشوار نہیں —— اچھا میں اندر آجاتا ہوں —— میرا گھر ڈھونڈنا البتہ مشکل ہے۔"

"جب میں کانوں میں کام کرتا تھا تو ہماری بارکیں بہت ہی گندی تھیں — اور اب تو میں کسی بہت عمدہ قسم کے قید خانے میں منتقل ہو جاؤں گا"۔

"اسی لئے میں یہاں آیا ہوں وکٹر کراوچنکو۔ آپ کی مصیبت کی خبر کارخانے میں مشہور ہو چکی ہے۔ تمام مزدور پریشان ہیں — میں اپنا کیا ذکر کروں۔ ترقی کی بات نہیں۔ اگرچہ اب میری حالت پہلے سے اچھی ہے۔ آپ نے مجھ میں زندگی کا احساس پیدا کیا جس سے میں بالکل محروم ہو چکا تھا۔ میں پڑھا لکھا آدمی نہیں وکٹر کراوچنکو میں سمجھتا ضرور ہوں۔ جب مجھے انقلاب اور تقریروں کا خیال آتا ہے تو مجھے زندگی کے فریب سے اشتعال آتا ہے۔ آپ کے حسنِ سلوک کو یاد کرتا ہوں تو کہتا ہوں ان پتھروں میں ہیرے بھی ہیں"۔

میں نے چائے ابالی اور لیموں اور چینی ڈال کے اس کے سامنے رکھی۔ اس نے آہستہ آہستہ پینی شروع کر دی۔

"گذشتہ چار سال سے میں نے لیموں ڈال کے چائے نہیں پی — لیکن میں یہاں کیا کرنے آیا تھا۔ میں معمولی آدمی ہوں۔ مجھے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ اس لئے مجھے خوف بھی نہیں آتا۔ میرے پاس کھونے کو رکھا ہی کیا ہے — مجھے خیال آیا کہ کامریڈ کراوچنکو کو اس وقت کسی وفادار دوست کی ضرورت ہو گی۔ میں بڑا جانباز تو نہیں لیکن ہمت کر سکتا ہوں۔ ممکن ہے آپ کو کچھ چھپانا ہو یا خطرناک کاغذات کہیں بھیجنے ہوں۔ مجھے سیاسی نظریات کی سمجھ نہیں لیکن "سیاسی عمل" سے واقف ہوں۔ آپ مجھ پر اعتماد کر سکتے ہیں ......"

اپنے مصائب کے باوجود میں ہنس دیا۔ اس سیدھے سادے ان پڑھ مزدور میں کتنا خلوص اور کتنا احساس تھا!

"کرشنکن میں جو کچھ کہتا ہوں اس پر اعتبار کرنا۔ میں سازشی نہیں۔ مجھے کچھ نہیں چھپانا۔ میرے گھر میں یا میرے دل میں کوئی چیز بھی خفیہ نہیں — میں تمہارا بہت ممنون ہوں۔ تمہیں تمام عمر یاد رکھوں گا۔ تمہاری آمد نکو یوں کی سب سے قیمتی یادگار رہے گی"۔

کرشنکن کے جانے کے بعد میں اس کی نیک دلی اور سادگی پر غور کرتا رہا۔ اس کے آنے سے مجھ میں آئندہ مصائب برداشت کرنے کی وقتی طاقت پیدا ہو گئی تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ آخری دفعہ اپنے کاغذات دیکھ لوں۔ آخری دفعہ نقلیں ڈھونڈنے کی کوشش کروں۔ کسی غیبی اشارے پر میں نے ایک الماری کھولی جس میں پرانے ردی کاغذات رکھے رہتے تھے۔ دائیں کونے میں ایک چمڑے کا بیگ رکھا تھا۔ کئی مہینے پہلے میں اس میں کچھ کاغذات ڈال کے ماسکو لے گیا تھا۔ واپس آنے پر خالی کر کے میں نے اسے پھینک دیا تھا۔ اب میں نے پھر اسے کھولا۔ لیکن خالی تھا۔ میں اسے ایک طرف پھینکنے کو تھا کہ مجھے اس کی تہیں ٹٹولنے کا خیال آیا — اور ایک بہت بڑا معجزہ ہوا — جیسے کبھی پیغمبروں کے زمانے میں ہوتے تھے — اس میں پزرسے منگوانے کے احکام کی نقلیں رکھی تھیں!

میں نے ان چہرم کاغذات کو دیکھا۔ آنکھیں مل مل کے دیکھا۔ کاغذات وہی تھے لیکن میری آنکھوں کو یقین نہ آتا تھا۔

ان کاغذات میں تیل کے منصوبے کی کچھ تفصیل بھی تھی جس کے مطابق ہمیں نل بنانے کی ہدایات دی گئی تھیں۔ ان سے یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ جو پرزے فالتو منگوائے گئے ہیں اُن کا منگوانا ضروری تھا۔ کاغذات پر دشنیف کے دستخط بھی تھے۔ مجھے یہ تمام کیس چکنا چور ہوتا دکھائی دے رہا تھا!

میرے لئے سونا ناممکن ہو گیا میں براگو اور خصوصاً دشنیف کو جس کی قسمت میرے ساتھ وابستہ دکھائی دے رہی تھی فوراً اطلاع دینی چاہتا تھا۔ پہلے میں براگو کے دفتر میں گیا اور کاغذات اسکی میز پر رکھدئے۔

"کیا؟ کاغذات؟"

"ہاں وہی بیہودہ کاغذات ہیں۔"

ڈائرکٹر بہت دیر تک انہیں الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس کے چہرے کے نقوش نرم ہوتے جا رہے تھے۔ آخر میں وہ ہنس دیا۔

"دکٹر کراوچنکو تم دنیا کے خوش قسمت ترین انسان ہو۔ دشنیف کو ابھی اطلاع کرنی چاہئے۔ وہ بہت پریشان ہو رہا ہے۔ میں تمہاری سلامتی۔ دشنیف کی سلامتی/ اپنی سلامتی کی وجہ سے بہت خوش ہوں"

کارخانے میں مزدوروں نے مجھے حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔ رات کے وقت میری گرفتاری کی افواہ پھیل چکی تھی۔ بہت سے مزدور مجھے دیکھ کے خوش ہو رہے تھے۔ بعض نے حوصلہ افزائی کے کلمات بھی کہے۔

میں نے ان کاغذات کے فوٹو لے لئے۔ ایک سٹ تو میں نے براگو کو دے دیا۔ دوسرا دشنیف کو اور تیسرا اپنے ایک معتمد دوست کو۔ اس کے ساتھ ہی میں نے الزامات بھی لکھ دئے اور اسے سمجھا دیا کہ اگر میں گرفتار ہو جاؤں تو یہ کاغذات ماسکو میں مرکزی کمیٹی کے سامنے پیش کر دینا۔

ادھر میں نے کامریڈ ارزنی کو تمام واقعات لکھ دئے۔ اور کامریڈ آیون چنکو کو بھی۔ پھر میں نے سٹی کمیٹی سے رسمی طور پر اپیل کر دی کہ فیکٹری کمیٹی کے فیصلے کو منسوخ کر دیا جائے۔ کامریڈ فلاں نے سٹی کمیٹی بیورو کی میٹنگ طلب کر لی۔

کراوچنکو کیس اب نکوپول میں کافی مشہور ہو چکا تھا۔ اس کی وجہ میرا اہم عہدہ تھی۔ اس کے لئے ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ میں پیروی بڑی ہمت اور استقلال سے کر رہا تھا۔ آج تک کبھی کسی میں کھل کے صفائی پیش کرنے کی ہمت ہی نہ ہوئی تھی۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ میری اپنی جان کی سلامتی کی وجہ یہی بدنامی ہو گی۔ مقدمہ شروع کھلی عدالت میں ہوا تھا۔ اب پولیس کے لئے یہ مشکل تھا کہ وہ اسے بند کمرے میں ختم کرتی۔ خفیہ پولیس والے چاہتے تھے کہ میرے باپ کو منشویک بتا کے اور پرزوں کے معاملے میں میری "غداری" ثابت کر کے مجھے عوام کے سامنے ذلیل کر دیا جائے ——— لیکن یہی وہ دگن اور دوس کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ بعد میں انہوں نے اس کا اقرار

بھی کر لیا۔

سٹی کمیٹی بیورو مقررہ وقت پر اکٹھا ہو گیا۔ درووگن اور برانکو کے سوا اس میں سب نئے آدمی تھے۔ لوس نے الزامات سنائے جن میں سب سے پہلا میرے منشویک باپ کا تھا۔ فلائن نے شروع سے آخر تک اس کی باتیں سنیں۔ پھر وہ خطوط اور سرٹیفکیٹ پڑھے جو ابا نے مجھے فراہم کر کے دیے تھے۔

"یہ بہت اہم کمیونسٹوں کی تحریریں ہیں جو بڑے کرادچنکو سے متفق الرائے نہیں ہیں۔ ان کی شہادت اس اختلاف کی وجہ سے اور بھی وزنی ہو جاتی ہے ——— لیکن ساتھیو آج کی ڈاک سے مجھے کچھ اور مواد بھی پہنچا ہے یہ بڑھے کرادچنکو کی قید کا ریکارڈ ہے۔ یہ کاغذات یہاں ہیں۔ جو چاہے انہیں دیکھ سکتا ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک عظیم الشان انقلابی کے حالات پر غور کر رہے ہیں۔ کسی منشویک کا ذکر نہیں۔"

درووگن کو بڑا طیش آیا وہ خاموش کھڑا گھورتا رہا!

پھر لوس نے سب سے بڑے الزام کا ذکر کیا۔

"کامریڈ برانکو اور کرادچنکو کسی کاغذ کا ذکر کرتے ہیں جس سے کرادچنکو کی بے گناہی ثابت ہوتی ہے ——— لیکن صرف زبانی باتیں کرتے ہیں ———"

"نہیں کامریڈ لوس۔ ہمارے پاس ثبوت بھی ہیں" برانکو نے اٹھ کے کہا۔

درووگن کی تو عجیب حالت ہوئی۔ پہلے تو وہ اٹھ کے کھڑا ہو گیا۔ پھر کچھ سوچ کے بیٹھ گیا۔ لوس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ برانکو نے کاغذات میز پر پھیلا دیے اور مختصر الفاظ میں ثابت کیا کہ میں اور شتیف دونوں قطعی طور پر بے گناہ ہیں۔

فلائن نے اپنے اطمینان کا اظہار کر دیا "میرے خیال میں کرادچنکو سچا ہے۔ اس نے کوئی خطا نہیں کی" لیکن مقدمہ کئی گھنٹے جاری رہا۔ لوس نے ایسے کئی آدمیوں کے نام بتائے جو گرفتار ہو چکے تھے اور اس پر جمارہا کہ وہ میرے دوست ہیں۔ اس نے مجھے پھنسانے کے لئے جتنے وار کئے ان میں سے کوئی بھی کاری ثابت نہیں ہو رہا تھا۔ اس سے درووگن کے پیشہ ورانہ وقار کو ٹھیس لگی اور اس نے زیر لب کہا۔

"لوس مجھے بنا رہے ہو؟"

اس پر سوائے لوس کے سب ہنس پڑے۔ لوس بیر بہوٹی کی طرح سرخ ہو گیا۔

"شہادتوں" کے بعد بیورو کے ممبروں نے اپنے اپنے خیالات ظاہر کرنے شروع کئے۔ ان میں سے اکثر کی رائے یہ تھی کہ مجھے بحال کر دیا جائے۔ تلخ ترین حقیقت یہ تھی کہ وہ تحریری شہادتوں سے اتنے متاثر نہیں ہوئے تھے جتنے فلائن کے اشارے سے۔ فلائن نے جو خیال ظاہر کیا تھا میرے حق میں تھا باقی سب اس کی تقلید کر رہے تھے۔ آخر میں مجھے بیان کے لئے طلب کیا گیا۔ میں نے کہا۔

"میں زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہ درست ہے کہ میرے قریب کے بہت سے آدمی گرفتار ہو چکے

ہیں ــــ لیکن میں آخر کام ہی کے معیار پر لوگوں کو ملازم رکھتا ہوں ـــ میرے اپنے مقدمے سے ایک نتیجہ نکلتا ہے ـــ اگر میرے کاغذات نہ ملتے یا زار کے زمانے کا ریکارڈ گم ہو چکا ہوتا تو کیا ہوتا ـــ؟ مجھے اپنی بیگناہی کے باوجود سزا بھگتنی پڑتی ۔ کیا میں امید کر سکتا ہوں کہ کامریڈوں پر ایسے الزامات لگانے میں کچھ احتیاط برتی جا سکیگی؟"

رودوگن نے اپنی بددلی چھپانے کی کوشش نہ کی ۔ بہانکو نے تحریک پیش کی کہ مجھے نکال دینے کا فیصلہ منسوخ کر دیا جائے ۔ لوس اور رودوگن نے رائے شماری میں حصہ نہ لیا لیکن یہ تحریک منظور ہو گئی ۔

رات کو میں نے اپنے دوستوں کو خط لکھے اور اپنی خوش قسمتی کے قصے سنا لئے ـــ لیکن مجھے خفیہ پولیس سے خوف آ رہا تھا ۔ مجھے یقین تھا کہ مجھے بخشا نہیں جائے گا ۔

میری خوش قسمتی محض حسن اتفاق تھا اور روس بھر میں گرفتاریوں کی مہم جاری تھی ۔ ماسکو میں راوک وغیرہ پر مقدمے چلائے جا رہے تھے ۔ سات دن اخبارات میں ان کے سنسنی خیز "اقبال نامے" چھپتے رہے ۔ پھر پھانسیاں ہو گئیں ۔

دوسرے کارخانوں کی طرح ہمارے کارخانے میں بھی ایک جلسہ کیا گیا جس میں غداروں "دہشت پسندوں" اور "عوام کے دشمنوں" کی تباہی پر خوشی کا اظہار کیا گیا ۔

اگر روس بھر میں کوئی آدمی دل سے ان مضحکہ خیز اقبال ناموں پر یقین رکھتا تھا تو میری اس سے ملاقات نہیں ہوئی ۔ مجھے کئی سال بعد معلوم ہوا کہ غیر ملکی اور خصوصاً امریکی اس دھوکے میں آ گئے ۔

ماسکو کے "مجرموں" میں ایک "پیاتاکوف" (Piatakov) کو بہت اچھی طرح جانتا تھا ۔ یہ شخص کامریڈ ارزونی کِنہ کا اسسٹنٹ تھا ۔ وہ لمبے قد کا خوبصورت آدمی تھا ۔ اس کی ڈاڑھی لمبی اور گھنی تھی ۔ ماتھا ابھرا ہوا ۔ شکل سے وہ کوئی بہت بڑا مفکر معلوم ہوتا تھا ۔

جس پیاتاکوف کو میں جانتا تھا اس کو اس پیاتاکوف مجرم سے دور کا واسطہ بھی نہیں تھا جس کا طویل اقبالنامہ میں نے بڑی حیرت سے اخبارات میں پڑھا ۔ کام کے سلسلے میں میں نے تقریباً وہ تمام کارخانے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے جن میں پیاتاکوف نے حکومت کو نقصان پہنچانے کے لئے جائداد کو تباہ کیا تھا ۔ ان داستانوں کی صحت پر کسی کو اعتبار نہیں لیکن بعض آدمی سیاسی وجوہات سے ان مقدموں کو جائز سمجھتے تھے ۔

پیاتاکوف کی خود اقبال کردہ سازش کا مرکز صنعتِ تعمیرات تھی ۔ اس کام کا انچارج گنزبرگ تھا ۔ اور چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اس کے علم میں آئے بغیر نہ رہتی تھی ۔ پروفیسر وشنسکی نے جس عظیم سازش کا انکشاف کیا وہ گنزبرگ کے عملی تعاون کے بغیر ناممکن تھی ۔ لیکن گنزبرگ کو گرفتار نہیں کیا گیا ۔ اس کے کارخانے کا ذکر تو بڑی تفصیل کے ساتھ اخبارات میں آیا لیکن اس کا اپنا نام مقدمے کی کارروائی میں شامل نہیں ہونے دیا گیا ۔ الٹا مقدمے کے بعد سٹالین نے اسے صنعتِ تعمیرات کا افسرِ اعلیٰ بنا دیا ۔ آخری مرتبہ جب میں نے گنزبرگ کو دیکھا تو اسکی چھاتی تمغوں اور میڈلوں سے جگمگا رہی تھی ۔

ایک اور مظلوم جسے میں جانتا تھا نکولائی گولوبینکو تھا۔ اسے مقدمے تک کے تکلف کے بغیر خارکوف میں پھانسی دیدی گئی۔ اس پر الزام لگایا گیا تھا کہ وہ دہشت پسندوں کے ایک گروہ کا سرغنہ ہے جس کا مقصد پولٹ بیورو کے ممبروں کو قتل کرنا ہے۔ گولوبینکو نیپروپیٹروسک کے کارخانے کا ڈائرکٹر رہ چکا تھا۔ میں اسے اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ پارٹی کی خون آشامی کا ہمیشہ سے شاکی تھا اور یہی اس کا سب سے بڑا جرم تھا۔ وہ نڈر آدمی تھا۔ بات کرتے ہوئے ڈرتا نہیں تھا۔ وہ عام طور پر کہا کرتا تھا کہ سٹالین اور اس کی پارٹی انقلاب کا خون بہا رہی ہے ــــ لیکن انقلاب زندہ رہے گا۔ یہ لوگ مرجائیں گے۔

پیاٹاکوف کے مقدمے میں ایک شخص شستوف (Shestov) پر الزام لگایا گیا کہ وہ سائبیریا پارٹی سیکرٹری پی ایچی (Eiche R.) کو قتل کرنے کی سازش کر رہا تھا۔ شستوف کو گولی ماردی گئی۔ اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ایچی کو پکڑ لیا گیا۔ پروفیسر وشنسکی کے قابل اسسٹنٹ ماتلی وچ (Matulevich) نے ملزموں کو قتل گاہ تک لے جانے میں بڑی محنت کی۔ یہ مقدمہ خفیہ پولیس کے سنگدل افسر اعلےٰ ہنری یگوڈا نے تیار کیا تھا۔ لیکن بہت مدت نہ گذری تھی کہ یگوڈا اور اس کے معتمد مشیر گرفتار ہوئے اور مروا دیئے گئے۔ اس وقت سٹالین کانسٹی ٹیوشن مرتب کرنے والوں میں سے اکثر گرفتار ہو چکے تھے یا مارے جا چکے تھے۔ پھر سرخ فوج کے افسروں کی باری آئی جن میں مشہور جنرل تخاچوسکی (Tukhachvsky) بھی تھے۔ ان پر بند کمروں میں مقدمے چلائے گئے اور انہیں موت کی سزا دی گئی۔ بہت مدت نہ گزری تھی کہ اس مقدمہ کے تمام ججوں کو بھی پھانسی دیدی گئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ سٹالین، مالوٹوف اور امریکی سفیر ڈیویز کے علاوہ باقی سب "سازشی" "غدار" اور "عوام کے دشمن" ہیں۔

میں خود فی الحال محفوظ تھا۔ لیکن میرے دل میں دھڑکا لگا ہوا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ مقدمہ چل جانا ہی ایسا بدنامی کا داغ ہے جو مشکل سے مٹے گا۔ میرے گرد ہزاروں آدمی ہر روز غائب ہو رہے تھے۔ اس سے میرے دل پر خوف طاری تھا۔ ہر طرف دہشت پھیلی ہوئی تھی۔ میں سوچنے سے ڈرتا تھا اور سوچنے سے بچنے کے لئے بیس بیس گھنٹے کام کیا کرتا تھا۔ میری ذاتی زندگی ختم ہو چکی تھی۔ کسی کام میں میرا جی لگتا ہی نہ تھا۔ اپنے یا ملک کے مستقبل کے بارے میں مجھے کوئی امید نہ رہی تھی ــــ اس پریشانی کے عالم میں فروری ۱۹۳۷ کا وہ غمناک دن آیا۔ میں کام کر رہا تھا کہ میرا ایک اسسٹنٹ بڑی گھبراہٹ میں داخل ہوا

"وکٹر کراوچنکو۔ کامریڈ ارزونی کڈز کا انتقال ہو گیا!"

میں بت کی طرح خاموش بیٹھا رہا جیسے فالج گر گیا ہو۔ آنکھوں سے آنسو ڈھلک گئے۔

تھوڑی دیر میں گرشنگورن نے ٹیلیفون کیا

"کتنے افسوس کی بات ہے۔ تمہارا سرپرست مر گیا ہے۔ کیا خیال ہے ہم "ملاقات" کریں اور ادھر ادھر کی باتیں کریں"

طوفان کا بند ٹوٹ چکا تھا۔ اور پانی بڑھ رہا تھا! +

انصاف

کامریڈ ارزونی کز کے انتقال پر کارخانے میں ایک جلسہ ہوا۔ مجھے تقریر کرنے کے لئے کہا گیا اور سوویٹ جلسوں میں پہلی بار میں نے دلی تاثرات پیش کئے۔ میں نے کامریڈ ارزونی کز کا ذکر کرتے ہوئے اپنے سچے جذبات پیش کئے ہوں گے جبھی تو بیسیوں مزدور دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے —— عوام جنہوں نے گرفتاریوں اور مقدموں کو خاموشی سے برداشت کیا تھا۔ اور کانسٹی ٹیوشن کے فریب پر چوں نہیں کی تھی مخلصانہ جذبات سے عاری نہیں تھے۔ روسی احساس کی قدیم بہار ابھی پوری طرح مرجھائی نہیں تھی۔

اخبارات میں سٹالن اور پولٹ بیورو کے طویل بیانات شائع ہوئے۔ پولٹ بیورو نے ارزونی کز کی آخری رسوم کے لئے سات ممبروں کی ایک سرکاری کمیٹی مقرر کی۔ چار بڑے ڈاکٹروں نے سرٹیفکیٹ دیا کہ کامریڈ ارزونی کز حرکتِ قلب بند ہو جانے سے فوت ہوئے ہیں۔ یہ باتیں میرے دل میں کھٹکتی رہیں اور اسی سال کے اندر اندر اُن بیس لیڈروں میں سے جنہوں نے کامریڈ ارزونی کز کی وفات پر بیانات شائع کئے تھے صرف ۹ زندہ تھے۔ باقی مارے گئے تھے یا جیلوں میں سڑ رہے تھے۔ جنازے کی کمیٹی میں سے صرف دو زندہ اور آزاد تھے۔ تین کو پھانسی دے دی گئی۔ ایک نے خودکشی کر لی اور ایک کو زندہ دفن کر دیا گیا۔ چار ڈاکٹروں میں سے صرف ایک زندہ تھا —— موت کا سرٹیفکیٹ فراہم کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ صرف اس لئے کہ روسی عوام جانتے تھے کہ سیاسی لیڈر روس میں اپنی موت نہیں مرتے۔ اسی طرح کی ایک موت سٹالین کی نوجوان بیوی نادزدا (*Nadezhda*) کی تھی جو بہت پُراسرار طور پر واقع ہوئی۔ وہ نیک دل عورت تھی۔ اور روسی کسانوں اور مزدوروں کی دردناک حالت پر بے چین رہتی تھی۔ یہ مظالم اُسے بہت مضطرب رکھتے تھے۔ اور اس گھر کے لوگوں کے سامنے اضطراب کا اظہار کر بیٹھتی تھی ——

اس بغاوت کے عین شباب میں اُس کی موت کا اعلان کر دیا گیا۔

ڈاکٹروں کے سرٹیفکیٹ کے باوجود کامریڈ ارزونی کز کی موت کے بارے میں شبہات پھیل گئے۔ مجھے اتفاق سے کچھ واقعات کا علم ہے۔ ابھی میں اپنے ذرائع معلومات کا اعلان نہیں کر سکتا کیونکہ اس طرح وہ بھی مارے جائیں گے۔ لیکن میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ مرحوم کی موت کے صحیح واقعات بتاؤں۔

ارزونی کز کو مدت سے دمے کی شکایت تھی۔ اس کا دایاں گردہ بھی بیکار ہو چکا تھا۔ ۱۹۳۶ء میں جب گرفتاریوں کی مہم شروع ہوئی تو اُس نے پولٹ بیورو میں احتجاج کیا اور خفیہ پولیس کے افسروں سے شیر کی طرح لڑا۔ اُس کے دوستوں اور ساتھیوں کی اندھا دھند گرفتاریوں اور خصوصاً پیاتزکوت کی موت سے اس کی صحت بالکل تباہ ہو گئی۔

میرے ایک دوست کی موجودگی میں اُسے ایک قابل انجینئر کی گرفتاری کی خبر ملی۔ کامریڈ ارزونی کز کو بہت غصہ آیا۔ اُس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگا اور وہ پاگل سا ہو گیا۔ اس وقت خفیہ پولیس کا افسر اعلیٰ یگوڈا جس نے اس مہم کا خاکہ بنایا تھا گولی سے مار دیا جا چکا تھا۔ اُس کی جگہ پر یذات (Yezhov) کو لگایا گیا تھا۔ ارزونی کز نے اُس کو ٹیلیفون کیا۔ اُسے گالیاں دیں اور نہایت غصے سے پوچھا کہ میرے ماتحت افسر کو میری اجازت کے بغیر کیوں گرفتار کیا گیا ہے۔

"حرامی چوہے کے بچے کمینے تمہیں یہ جرأت کیسے ہوئی۔ اُس کے کاغذات فوراً میرے پاس بھیجو"۔

پھر اُس نے سٹالین کو فون کیا۔ اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ آنکھوں میں خون تھا اور وہ اپنے گردے کو دبا رہا تھا۔

"کوبا —— (سٹالین کے بے تکلف دوست اُسے اِسی نام سے پکارتے تھے) خفیہ پولیس کو میری اجازت کے بغیر میرے آدمی پکڑنے کا اختیار کس نے دیا ہے؟"

سٹالین بڑی دیر تک بولتا رہا۔ پھر کامریڈ ارزونی کز نے اُسے ٹوکا:

"—— تو میں مطالبہ کرنا چاہتا ہوں کہ یہ استبداد ختم کر دیا جائے۔ میں ابھی پولٹ بیورو کا ممبر ہوں کوبا اور مرنے سے پہلے ایک موقعہ بھی ملا تو میں قیامت برپا کر دوں گا"۔

میرے دوست نے بتایا کہ اس کے بعد کامریڈ ارزونی کز نے زور سے رسیور رکھا۔ وہ غصے سے کانپ رہا تھا۔ اور اُس کے دانت بھنچے ہوئے تھے۔

ایسے واقعات ہر روز ہوتے تھے۔ اُن سے کامریڈ ارزونی کز کی صحت تباہ ہو رہی تھی۔ وہ پولٹ بیورو میں واقعی قیامت برپا کر دیا کرتا تھا۔ کوزیرز زونک چوبار رانٹی پوٹ عام طور پر اُس کا ساتھ دیا کرتے تھے —— اِن چاروں کو بعد میں گرفتار کر لیا گیا۔

کچھ عرصے کے بعد وہ اتنا بیمار ہو گیا کہ دفتر جانے کے قابل نہ رہا۔ لیکن وہ بستر پر پڑے پڑے بھی اپنے

افسروں ساتھیوں اور دوستوں کی جان اور آزادی کے لئے ٹیلیفون پر جھگڑتا رہتا۔

اُس کی بیماری کے آخری دنوں میں اُس کی پیاری بیوی زنیدہ (Zinaida) کو بھی اُس سے ملنے سے روک دیا گیا۔ خفیہ پولیس والے اُس کے کسی دوست کو اُس کے پاس جانے نہیں دیتے تھے۔ صرف مکایان (Mikoyan) اور ورشلاف (Voroshilov) کو جو پولٹ بیورو کے ممبر تھے اُس سے ملنے کی اجازت تھی۔

کامریڈ ارزونی کِز اگرچہ بستر سے اُٹھنے کے قابل نہ تھا لیکن اُس کی بیماری ایسی نہ تھی کہ موت کا کوئی اندیشہ ہوتا۔ وہ مدت تک بستر میں پڑا سانس لیتا رہتا ـــــ لیکن دو روز کے بعد یکبارگی اعلان ہو گیا کہ اُس کے دل کی حرکت بند ہو گئی ہے ـــ اُس کے گھر والے اور اُس کے معالج سب حیران رہ گئے۔ بعض ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ اُس نے زہر کھا لیا۔ لیکن بعض کہتے ہیں کہ اُسے ڈاکٹر لیوِن (Levin) نے زہر دیا ہے یہ ڈاکٹر لیوِن وہی بزرگ ہیں جنہوں نے بعد میں اقرار کیا کہ میں نے میکسیم گورکی کو زہر دیا تھا۔

کامریڈ ارزونی کِز کے بعد یہ اہم عہدہ مزلوک (Mizlouk) کو دیا گیا۔ وہ ایک قابل آدمی تھا۔ لیکن اثر و رسوخ سے محروم تھا۔ اُس نے مجھے ماسکو طلب کیا۔ غالباً وہ کوشش کر رہا تھا۔ کہ اندھا دھند گرفتاریوں کی وجہ سے صنعتی محکمے کو جس تباہی کا سامنا کرنا پڑا ہے اُسے روکا جائے۔

"میں تمہیں ایک بہت بڑے پلانٹ کا انچارج بنانا چاہتا ہوں کامریڈ کراوچینکو تمہارا نکوپول کا ریکارڈ بہت امید افزا ہے۔ کیا خیال ہے ؟"

"مجھے ازراہ کرم یہ بتائیے کہ میری سفارش کس نے کی ہے ؟"

"تم کیوں پوچھتے ہو ؟"

"نکوپول میں میرے حالات بہت خراب ہیں۔ مجھ پر سازش اور غداری کا الزام لگایا گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ترقی دینے سے پہلے آپ کو یہ حالات معلوم ہو جائیں۔"

میں نے اُسے اپنے حالات کی کچھ تفصیل بتائی۔

"عجیب بات ہے۔ مجھے یہ بتایا ہی نہیں گیا۔ کامریڈ ارزونی کِز تمہاری بہت تعریف کرتے تھے ـــــ میرے خیال میں اس قصے کو فی الحال یہیں رہنے دیا جائے۔"

اِس ملاقات کے چند ہی ہفتوں کے بعد مزلوک کو گرفتار کر کے اِس طرح غائب کر دیا گیا۔ جیسے اُسے زمین کھا گئی ہو۔ اُس کی جگہ اُس کے بھائی آئیون کو دی گئی۔ اگر مزلوک مجھے ترقی دے دیتا تو میں بھی لپیٹ میں آجاتا۔ شکر ہے کہ میں بال بال بچا۔

انہی دنوں سٹالین نے ایک تقریر کی جس کا مفہوم یہ تھا کہ ابھی تو گرفتاریوں اور قتلِ عام کی مہم شروع ہوئی ہے آگے چل کے اُسے بہت شدید کر دیا جائے گا۔

"غدار اور سازشی ہمارے پورے نظام میں پھیل گئے ہیں" اُس نے پارٹی کو یاد دلایا کہ "ابھی "سوویٹ حکومت دنیا کے صرف چھٹے حصے پر قابض ہے۔ پانچ حصوں پر سرمایہ دار حکومتوں کا قبضہ ہے . . . . جب تک یہ حکومتیں باقی ہیں ہمارے ملک میں سازشی اور غدار رہیں گے"۔

اِس تقریر کے اثرات بہت جلد ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔ ایک بہت بڑے زراعتی فارم کا ڈائرکٹر اور اُس کے تمام اسسٹنٹ گرفتار کر لیے گئے۔ نکوپول کی مینگانیز کانوں کا تمام تکنیکی اور انتظامی عملہ پکڑ لیا گیا۔

ایک صبح جب میں دفتر پہنچا تو دیا کو بڑی گھبراہٹ میں میرا انتظار کر رہا تھا۔

"کامریڈ کراوچنکو سٹی کمیٹی کا سیکرٹری کامریڈ فلاں گرفتار کر لیا گیا"۔ شام کو اس نے مجھے بلایا۔ اُس کے چہرے پر فتحمندی کے آثار تھے جو چھپائے نہ چھپتے تھے۔ "تمہارا کیس پھر سے سٹی کمیٹی کے سامنے پیش کیا جائے گا —— پہلے تو تمہیں کامریڈ فلاں نے جو عوام کا دشمن تھا بچا لیا تھا۔ اب تمہاری خبر لیں گے"

میرا خیال تھا کہ میرے مصائب ختم ہو چکے ہیں۔ اب معلوم ہوا کہ ابھی ان کی ابتدا ہوئی ہے! حکم کے مطابق جب میں رات کے گیارہ بجے خفیہ پولیس کے دفتر پہنچا تو گرشگورن موجود نہیں تھا۔ میرے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہو رہے تھے —— میں اِس قتل گاہ سے نکل سکوں گا؟

گرشگورن تقریباً ایک بجے آیا۔ اُس نے ابھی ابھی شیو کرایا تھا۔ اُس کے گالوں پر پاؤڈر موجود تھا۔ اُس کا گھٹا ہوا سر چمک رہا تھا۔ اُس کے پیچھے پیچھے میں بھی داخل ہو گیا۔

"کراوچنکو مجھے تم پر پورا اعتبار ہے اور میرا خیال ہے کہ ہم ایک دوسرے کو بہت جلد سمجھنے لگیں گے۔ پہلے تو تم اُن بے معنی اور لغو کاغذات کی وجہ سے پارٹی کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ لیکن اب ان گھٹیا بہانوں سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ہم پرزوں اور تمہارے باپ کے معاملات کی تہ تک پہنچیں گے اور "عوام کے دشمنوں" کے ساتھ تمہارے تعلقات کی پوری چھان بین کریں گے"۔ اس پہلی رات کے چار بجے تک یہ جرح جاری رہی۔ زیادہ تر سوالات کارخانے کے دوسرے آدمیوں کے متعلق تھے۔ گرشگورن چاہتا تھا کہ میری شہادت سے اُن کے خلاف زیادہ سخت مقدمے بنائے جائیں۔ ان میں سے کسی نے بھی کوئی غداری نہیں کی تھی۔ اگر کی ہوتی تو مجھ سے چھپ نہ سکتی تھی۔

گرشگورن میری "ضد اور ہٹ دھرمی" سے بہت برہم ہوا۔ اور یہ برہمی وقت کے ساتھ بڑھتی گئی۔ شروع کی نرم گفتگو ذلیل دھمکیوں اور گالیوں میں تبدیل ہو گئی۔ وہ سمجھتا تھا کہ میں دوسرے افسروں کے خلاف شہادت نہ دے کر اس کی توہین کر رہا ہوں۔

جب میں خفیہ پولیس کے دفتر سے نکلا تو پو پھوٹ رہی تھی۔ دریائے نیپر نہایت نرمی سے رواں تھا۔ جیسے پانی کی ایک ہموار چادر بچھ رہی ہے۔ میں اِس چادر میں چھپ کے ہمیشہ کے لئے خفیہ پولیس کی نظروں سے اوجھل ہو سکتا تھا —— ! مجھے کام کرنے کیوں نہیں دیتے —— میں کام کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے کام

کرنے کیوں نہیں دیتے ؟ میرے جسم کی طرح میرے خیالات بھی لڑکھڑا رہے تھے ۔ جن لوگوں نے صبح کے دھندلکوں میں دیکھا تھا ، ضرور مجھے بدمست شرابی سمجھتے ہوں گے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

تھوڑی دیر سونے کے بعد میں کام پر گیا ۔ میرے حواس قائم نہیں تھے ۔ میری کنپٹیوں پر ہتھوڑے سے چل رہے تھے ۔ شام کے وقت گرشگورن کا فون آیا ۔ مجھے آج پھر گیارہ بجے اُس کے ہاں حاضری دینی تھی ۔

یہ تحقیقات اسی طرح مہینہ بھر جاری رہی ۔ نکوپول کے بھیڑیئے ، ورونگن گرشگورن لوس اور اُن کے ساتھی میرے خون کے پیاسے تھے ۔ وہ مجھے پھاڑنے کے لئے بے تاب ہو رہے تھے ——— کیوں ؟ میں نے اُن کا کیا بگاڑا ہے ؟ اِن سوالات کے منطقی جوابات موجود تھے ۔ ہمارے کارخانے میں ہزاروں آدمیوں کو پکڑا جا چکا تھا ——— میں مدافعت کر رہا تھا اور یہی میرے قتل کی سب سے بڑی وجہ ہو رہی تھی ۔

مجھ پر نئے الزامات لگائے گئے تھے ۔ پہلے الزامات میں توسیع کر دی گئی تھی ۔ اب زیادہ زور میری "خطاؤں" پر نہیں تھا ، بلکہ "خطاکاروں" "عوام کے دشمنوں" سے میرے میل جول پر تھا ۔ اب میں بھول چکا تھا کہ خفیہ پولیس والے میرے پیچھے کیوں پڑے ہیں ۔ مجھے انصاف کی تلاش تھی ۔ میں گرشگورن کی رات کی طلبی سے اکتا چکا تھا ۔ میں قطعی طور پر مایوس ہو چکا تھا ۔ میں نے ڈائرکٹر براکو سے بات کی ۔

" میں تھک چکا ہوں ۔ میرا سر چکرا رہا ہے ۔ میرے اعصاب خراب ہو چکے ہیں ۔ میں کام نہیں کر سکتا ۔ میں کھا نہیں سکتا ۔ میں سو نہیں سکتا ——— دُنیا میں کہیں تو انصاف ہوگا ۔ براکو میں ریجنل کمیٹی کے پاس جانا چاہتا ہوں "———

براکو میرے فیصلے اور میری حالت سے پریشان تھا ۔ اُسے میری رات کی مصروفیتوں کا علم نہیں تھا ۔ مجھے خاموشی کا حکم تھا ۔

" ریجنل کمیٹی میں جانا بے سود ہے ۔ اِس کے علاوہ تمہارا اس وقت نکوپول سے غیر حاضر ہونا بہت خطرناک ہوگا ۔ لیکن تم پریشان ہو ۔ تمہیں جانا ہی چاہئے ۔ تم کہو تو میں کسی کام سے تمہیں باہر بھیج دوں ۔ ؟ "

چنانچہ میں انصاف کی تلاش میں روانہ ہوا ۔

سب سے پہلے نیپر و پیٹروسک گیا ۔ ریجنل کمیٹی کا اسسٹنٹ سیکرٹری میرا پرانا دوست اور ہم جماعت سوشنی کوف (Soshnikov) تھا ۔ کالج کے دنوں کے دو اور دوست بھی عہدیدار تھے ۔ ایک تو سوروف (Suvorov) تھا ۔ کسی زمانے میں وہ بے حد مفلس اور نادار تھا ۔ میں اُسے گھر لے جایا کرتا تھا تاکہ امی اُسے کھانا کھلا دے اور اُس کے پھٹے ہوئے کپڑے سی دے ۔ دوسرا الاسی اوچ (Ullasyevich) تھا وہ بہت غبی تھا ۔ میں اُسے پڑھایا کرتا تھا ۔

اب یہ تینوں پارٹی آفس میں بیٹھ کے عوام کی تربیت کیا کرتے تھے ۔ ان تینوں کی موجودگی میرے لئے مفید ثابت ہو سکتی تھی ۔

سوشی کوت موٹا ہو چکا تھا۔ فالینوں اور تصویروں سے آراستہ کمرے میں مہاگنی کی میز پر بیٹھے ہوئے ایک منٹ تو اُس نے آنکھیں ہی نہ اُٹھائیں۔ پھر اُس نے سرد مہری سے کہا۔

"کامریڈ کراوچنکو! بتایئے میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔" اُس نے "تم" کی بجائے "آپ" استعمال کیا۔

"تم نے پُرانے دوستوں کو "آپ" کب سے کہنا شروع کیا ہے۔ میں بڑی مصیبت میں ہوں۔"

"اچھا!"

"تم ہی ایمانداری سے کہو مجھ میں تم نے تعلیم کے زمانے میں کوئی غداری دیکھی؟"

"نہیں۔ یہ بکواس ہے کیا؟"

"تو پھر تم یہ بات نکوپول سٹی کمیٹی کے سامنے کہدو ——— تم سوروف اور الاسی وچ۔" اُس نے پہلو بدلا۔ پسینہ پونچھا اور موضوع بدلنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر اُس نے باقی دونوں کو بلایا۔ اُنہوں نے ملاقات میں اجتناب اور احتیاط روا رکھی۔ جس سے مجھے بہت تکلیف ہوئی۔ آخر میں اُنہوں نے رائے دی کہ مجھے حکامِ بالا سے ملنا چاہیئے۔ "ہم جیسے معمولی آدمیوں کو قوم کی زندگی اور سلامتی کے سے اہم معاملات میں دخل نہیں دینا چاہیئے۔"

"تمہارے مشورے کا شکریہ۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں اس کمینگی اور بزدلی کا احساس تو ہوگا۔"

یہ کہہ کے اور بغیر ہاتھ ملائے میں چلا آیا۔

میں برآمدے میں سے گذر رہا تھا کہ کسی نے مجھے پکارا۔

"وکٹر کراوچنکو۔ کیا حال ہے بھئی۔ بڑی مدت کے بعد دیکھا ہے تمہیں ———"

میں نے مڑ کر دیکھا تو آئیون زدلکن کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اُس کے ساتھ میں بہت دیر تک کام کر چکا تھا۔ اِس اتفاقیہ ملاقات سے میں بہت خوش ہوا۔

"کیا حال ہے۔ اتنے پیلے کیوں ہو؟ بیمار رہے ہو کیا؟"

"ہاں ایک طرح سے بیمار ہی رہا ہوں ——— یہی قومی وبا جو ہے ——— غداری اور خدا جانے کیسے کیسے الزامات لگائے گئے ہیں۔"

بڑی بدقسمتی کی بات ہے ——— سیکرٹری سے جلدی ملو ——— بھئی معاف کرنا ———"

اور یہ کہہ کے وہ گھوما اور چل دیا۔ زدلکن سے میں ٹھیک تین سال بعد کریملن میں ملا۔ وہ ایک بہت بڑے عہدے پر فائز تھا۔ مجھے حیرت نہ ہوئی۔ کیونکہ مجھے یقین تھا کہ ایسے آدمی ہمارے ملک میں بڑی ترقی کرتے ہیں۔

سیکرٹری مارگولن کے کمرے پر مسلح پولیس کا پہرہ تھا۔ وہ ہر ملاقاتی کی نگرانی کرتے تھے۔ اور کسی کو ہتھیار لے کے اندر نہیں جانے دیتے تھے۔

ہتیا وچ کے کمرے کے باہر کھڑے مجھے خیال آیا کہ ہتیا وچ بھی پولیس کے پہرے میں رہتا تھا۔ وہ گرفتار

ہو چکا تھا۔ معلوم نہیں زندہ بھی تھا کہ نہیں۔ اُس کے عملے کے لوگ بھی یہاں سے غائب تھے۔ غالباً اس کے قرب کی سزا بھگت رہے تھے۔

میں بیتاوچ کے جانشین مارگولن کو نہیں جانتا تھا۔ میں نے اُسے کبھی دیکھا نہیں تھا۔ اس لئے جھڑکیاں سننے کے لئے تیار تھا۔ لیکن مارگولن انسان نکلا۔ اس نے میری داستان بھی سنی اور مجھ سے ہمدردی بھی کی۔

"کامریڈ مارگولن میں آپ کی امداد کا طالب ہوں۔ میرے کیس پر صرف اس لئے دوبارہ غور کیا جا رہا ہے کہ فلاں گرفتار ہو چکا ہے۔ مجھے اس سے کیا تعلق؟ مجھے تو کاغذات کی شہادت پر بری کیا گیا تھا۔"

"صبر کرو۔ تم سے جو کچھ ہوا ہے اگر غور کرو تو بہت معمولی ہے۔ ہم انقلاب کے نازک ترین دور میں سے گزر رہے ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم پارٹی پر نکتہ چینی کرنے کی بجائے اس کی مدد کریں۔ لیکن میں تمہارے بارے میں سٹی کمیٹی کو لکھوں گا۔"

"شکریہ۔ اگر آپ اپنا وعدہ پورا کریں تو بے حد ممنون ہوں گا۔"

"شکریے کی کیا ضرورت ہے کامریڈ۔ کون جانے کل کون کہاں ہو۔"

نکولول پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ مارگولن نے اپنا وعدہ پورا کیا ہے۔ اُس نے انصاف اور شرافت کی ہدایت کی ہے —— لیکن وہ خود گرفتار ہو چکا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ اُس کی سفارش میرے لئے ایک نئی مصیبت کا پیش خیمہ بن جائے گی۔ یہ اس بات کا مزید ثبوت ہوگی۔ کہ میری دوستی عوام کے دشمنوں کے ساتھ ہے۔

انصاف کی جستجو میں میری دوسری منزل خارکوف تھی۔ مجھے آئیون جنکو کی امداد پر بہت بھروسہ تھا۔ وہ ملک بھر کے ایک درجن صنعتی ماہرین میں سے تھا۔ وہ کام بڑی مستعدی سے لیتا تھا۔ لیکن نرمی اور شرافت بھی اس میں کوٹ کوٹ کے بھری تھی۔ اور مجھے اس کا اچھی طرح علم تھا۔

لیکن خارکوف میں بڑی سراسیمگی تھی۔ آئیون جنکو —— مشہور انقلابی کو لینن کے ہر اعزاز کا مستحق حکومت کا بہت بڑا عہدیدار ماسکو میں طلب کیا گیا تھا۔ اور ماسکو پہنچتے ہی خفیہ پولیس کے ایک دستے نے اُسے پکڑ کے جیل میں ٹھونس دیا۔ خارکوف میں وہ ہر دلعزیز تھا۔ اس لئے اُسے ماسکو بلا کر گرفتار کیا گیا۔ اس کے فوراً بعد اُس کے تمام اسسٹنٹ اور رفیق خارکوف میں پکڑ لئے گئے۔

خارکوف سے میں ایسے نکلا جیسے کوئی آدمی قبرستان سے نکلتا ہے۔ خارکوف ایک ایسا قبرستان تھا جس میں کچھ لاشیں ابھی حرکت کر رہی تھیں۔

صوبائی کمیٹی کے ہیڈ کوارٹر سے نکلتے ہوئے مجھے کئی سال بعد جولیا کا خیال آیا۔ جولیا جو کبھی میری محبوبہ تھی —— جولیا جس کے ساتھ میں نے کام کیا تھا —— وہ کہاں ہوگی! کیسی ہوگی! میں وہاں سے گزر رہا تھا کہ مجھے کسی نے پکارا۔

"وکٹر وکٹر ٹھیرو! کہاں جا رہے ہو؟"

یہ سینیا وولگن کی آواز تھی۔ وہی سینیا وولگن جو اخبارات میں میرے ساتھ کام کرتا تھا۔ وہی سینیا جس نے ایک دفعہ ابا سے بحث کی تھی۔ جسے میں نے ایک دفعہ شراب پینے پر ڈانٹا تھا۔

"سینیا تم کیسے ہو۔"

"مجھے بڑی خوشی ہوئی وکٹر۔ لاؤ میں تمہارا منہ چوموں۔"

اُس نے اپنے بازو میری گردن میں ڈال دیئے۔

"ٹھہرو سینیا۔ تمہیں کہیں پچھتانا نہ پڑے۔ بس آج کل کوڑھی ہو رہا ہوں۔"

"بکو نہیں۔ قصہ کیا ہے۔ میں بھاگنے والا نہیں۔ تمہارا ابا مجھے کہتا تھا، چوزہ تو مرغی کو سبق نہیں دے سکتا خدا کی قسم وہ سچ کہتا تھا۔!"

ہم ایک بنچ پر بیٹھ گئے اور ایک دوسرے کو اپنے حالات سنائے۔ سینیا صوبائی کمیٹی کا ایک اہم عہدیدار تھا۔

"ہاں وکٹر تم اب ایک بہت بڑے پرولتاری لیڈر کے ساتھ بات کر رہے ہو۔ . . . . . . سٹالن کے ایک مرید کے ساتھ۔ تم نے قصائی کی دکان میں گوشت کے لوتھڑے دیکھے ہیں؟ اُن پر مہر ہوتی ہے ——— امتحان شدہ ——— میں بھی گوشت کا ایک لوتھڑا ہوں۔ امتحان شدہ اور سند یافتہ۔ لیکن خفیہ پولیس والے کب مجھے کھانے کے لیے آتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں۔"

"سینیا یہ مذاق کا وقت نہیں۔ رونے کا مقام ہے سینیا۔"

"میرے آنسو ختم ہو چکے ہیں۔ میرے دوستوں کی باری آ چکی ہے۔ میری آیا ہی جانتی ہے۔ میرے لئے تم سے زیادہ ایک اور چیز باعثِ تسکین ہے اور وہ بوتلوں میں بھر کے آئی ہے۔ میں نے بہت پی ہے۔ لیکن وکٹر ایمان سے ان حالات میں مجھے نہ پینے والوں پر بڑا رحم آتا ہے۔"

ہم نے اپنے دوستوں کا جائزہ لیا۔ اُن میں سے اکثر گرفتار ہو چکے تھے۔

"تو وکٹر پھر ہم روئیں؟ نہیں اِس سے کیا ہوگا۔"

ہم نے جدا ہوتے ہوئے پھر ملنے کا وعدہ کیا۔ لیکن اس کی نوبت ہی نہ آئی۔ دو مہینوں کے بعد خفیہ پولیس نے سینیا کو گرفتار کر لیا۔

ماسکو کی گاڑی بہت رات گئے چلتی تھی۔ میں نے ٹکٹ خرید لیا۔ مجھے خیال آیا کہ ایلینا کو ڈھونڈنا چاہیئے۔ میں نے ٹیلیفون کیا۔ ایلینا خود بولی۔ اُس کی آواز سُن کر مجھ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرے مصائب نے میرے جذبات کو کچل دیا تھا۔

ایلینا نے ایک ہوٹل میں مجھ سے ملاقات کی۔ وہ اب بھی حسین تھی۔ وہی لوچ تھا ——— لیکن اُس کی

آنکھوں سے اُداسی کی کیفیت زیادہ نمایاں تھی۔ اُس کا خاوند گرفتار ہو کے کسی نامعلوم کیمپ میں پہنچ چکا تھا۔ وہ اپنی ماں کے پاس رہتی تھی۔ میں نے اُس سے خفیہ پولیس کی ملازمت کا ذکر نہ کیا۔

"وکٹر حالات بہت خراب ہو چکے ہیں۔ مجھے تمہاری تکلیفوں کا علم ہے۔" رات کو وہ مجھے پلیٹ فارم پر چھوڑنے آئی۔ ہم نے بہت جلد ملنے کا وعدہ کیا۔ لیکن ہم دونوں جانتے تھے کہ یہ وعدہ پورا نہیں ہوگا۔

ماسکو میں میں نے ہوٹل میں قیام کرنا مناسب نہ سمجھا۔ کامریڈ مشا (Misha) اور اُسکی بیوی کے ہاں ٹھہر گیا۔ مشا پرانا انقلابی تھا۔ وہ میرے ابا کے ساتھ کام کر چکا تھا۔ اب اُسے پنشن ملتی تھی۔

رات کے کھانے پر میں نے اُسے اپنے حالات بتائے۔ میں نے کچھ بھی نہ چھپایا۔ وہ لینن اور بخارین کے قریبی دوستوں میں سے تھا اور سٹالین کو اب بھی "کوبا" کہہ کے پکارتا تھا۔ لینن کی بیوی کروپسکیا (Krupskya) اُس سے اکثر ملنے آیا کرتی تھی۔

میرے ابا کے الزامات پر اُسے بہت غصہ آیا۔ اُس نے دراز میں سے زنجیریں نکالیں اور اُنہیں لہرا کر کھڑا ہو گیا۔

"میں نے یہ زنجیریں دس سال پہنی ہیں۔ کیونکہ مجھے سچائی سے محبت تھی ——— اور اب بدمعاش جو اپنے آپ کو انقلابی کہتے ہیں ہمارے بچوں کو ایذا دے رہے ہیں۔ اُن پر لعنت۔ اُن پر لعنت جو روس کا خون بہا رہے ہیں۔

پھر ہم نے سوچنا شروع کیا کہ امداد کی درخواست کس سے کی جائے۔ کروپسکیا کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ وہ تو بھلے سے لینن کی بیوہ تھی۔ ورنہ اب تک کبھی کی گرفتار ہو چکی ہوتی۔

کامریڈ مشا کو اچانک یارسلاوسکی کا خیال آیا۔

"اگر وہ بدل نہیں گیا تو ضرور ہماری مدد کرے گا۔"

یارسلاوسکی پرانا کمیونسٹ تھا۔ نظری معاملات میں اُسے پارٹی کا اُستاد سمجھا جاتا تھا۔ سٹالین بھی اُس کا بڑا معتقد تھا۔

صبح اُٹھتے ہی کامریڈ مشا نے اُس سے ملاقات کا وقت لیا۔ یہ بھی بہت بڑی کامیابی تھی۔ جب ہم سنٹرل کمیٹی کے دفتر پہنچے تو اُس کے آدمی ہمارا انتظار کر رہے تھے ——— یارسلاوسکی روسی بلاؤز پہنے تھا۔ اُس نے کامریڈ مشا کا بوسہ لیا اور مجھ سے بڑے تپاک سے ہاتھ ملائے۔

لیکن جب کامریڈ مشا نے میرے حالات سنانے شروع کئے تو اُس کے چہرے کی رنگت بدلنی شروع ہو گئی اور اُس نے اپنے ناخن کاٹنے شروع کر دیئے۔

"تو یہ قصہ ہے یارسلاوسکی ——— اگر تم نے ہماری مدد کی تو میں تم سے محبت کرتا رہوں گا۔ ورنہ

میں سمجھوں گا کہ تم بھی گئے۔"

"معاف رکھنا کامریڈ مشا۔ تم مجھے پرانے دوست کی حیثیت سے ملنے آتے تو اور بات تھی۔ ایک پارٹی لیڈر کی حیثیت سے ملنے آئے ہو تو اور بات ہے۔ میرا فرض ہے کہ میں پارٹی کو 'عوام کے دشمنوں' سے بچاؤں۔ یہاں دوستی کا کوئی سوال نہیں۔ سمجھتے ہو نا؟"

"ہاں۔ لیکن صاف صاف بتاؤ تم میری مدد کرتے ہو یا نہیں کرتے۔ صاف صاف کہو۔"

"جوش میں کیوں آتے ہو دوست ——— کامریڈ کراوچنکو آپ ذرا باہر چلے جائیے۔"

"نہیں۔ وہ نہیں جائے گا۔ ہم دوست ہیں یا کچھ اور؟"

"تو پھر جیسے تمہاری مرضی۔"

ہم دل شکستہ اور پست ہمت ہو کے باہر آ گئے۔ کامریڈ مشا کی آنکھوں میں آنسو مچل رہے تھے۔ اُس نے میرے کندھے پہ ہاتھ رکھ لیا۔

"تو یار رسلاوسکی بھی مر گیا ——— میرا مطلب ہے وہ یار رسلاوسکی جو بہادر اور دلیر تھا۔ جو کبھی میرا ساتھی تھا ——— شکر ہے وکٹر میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ مجھے یہ عفونت بہت دیر تک برداشت کرنی نہیں پڑے گی۔"

میں نے اپنے ماسکو کے دوستوں کی فہرست دیکھی کہ ان میں کون میری مدد کر سکتا ہے۔ لیکن اِس فہرست میں آدھے سے زیادہ نام کٹ چکے تھے۔ یہ گرفتار ہو گیا۔ یہ قتل ہو گیا۔ اس نے خودکشی کر لی۔ یہ غائب ہے ——— آخر میں میری نظر ایک نام پر پڑی ——— لزاریو ——— "میں لزاریو سے ملوں گا ———

ڈونٹز کی کانوں میں اُسی کے اثر سے میں کمسومل ہوا تھا ———!

جب میں نے اُس کے دروازے کی گھنٹی بجائی تو دو بوڑھی عورتیں باہر آئیں۔ اُنہوں نے سہمی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"میرے بچے کو لے گئے ہیں ——— سال بھر کا عرصہ ہوا ——— تمہیں نہیں معلوم؟ کہتے تھے وہ عوام کا دشمن ہے۔ کافر بے ایمان ——— خدا انہیں غارت کرے۔"

"وہ شخص بھی گرفتار ہو چکا تھا۔ جس نے مجھ میں کمیونزم کی سب سے پہلی محبت پیدا کی۔!"

میں نے ایک اور کوشش کی اور اپنے ایک قدیم دوست ا ——— کے گھر پہنچا۔ لیکن دروازے پر تالا پڑا تھا جس پر خفیہ پولیس کی مہر لگی ہوئی تھی۔

کامریڈ مشا کو میں نے کامریڈ لزاریو اور کامریڈ ا ——— کے حالات سنائے تو وہ پہلے تو گرجے۔ اور پھر بیٹھ کے رونے لگے۔

میری آخری امید بھاری صنعتوں کے ڈائرکٹر سے وابستہ تھی۔ تمام دفتر میں انتہائی بے چینی اور اضطراب کی فضا تھی۔ جن لوگوں کو میں جانتا تھا۔ اُن میں سے اب یہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ

کہ کامریڈ ارزدی کز کے تمام عملے کو پکڑ لیا گیا ہے۔

جب میں نکوپول پہنچا تو شام ہو رہی تھی۔ میں دل شکستہ اور مایوس تھا۔ میرے گھر میں اندھیرا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ پاشا کہاں ہے۔ اُسے میرے آنے کی خبر تو تھی۔ دروازے پر تالا پڑا تھا۔ میں نے آوازیں دیں زور سے پکارا لیکن کوئی جواب نہ آیا —— یکایک میرے بدن میں خوف کی لہر دوڑ گئی

میرا گلا رندھ گیا تو بڑی مشکل سے میں نے اپنے ہمسائے کو بلایا۔ اُس نے حیران ہو کر مجھے دیکھا اور دھیمی آواز میں کہا۔

"ڈاکٹر کرادچنکو واقعی یہ تم ہو؟ زندہ؟ گرفتار نہیں ہوئے؟ شکر ہے ——"

"کیا ہوا ہے، پاشا کہاں ہے؟ میں تو ماسکو سے آ رہا ہوں"

"تمہیں نہیں معلوم؟ تمہیں کارخانے سے نکال دیا گیا ہے۔ جانے تمہارا سامان کہاں ہے؟ ایک چھکڑے میں ڈال کے کہیں لے گئے تھے؟

میں نے براکو ٹیلیفون کیا۔

"شکر ہے تم آ گئے ——"

"لیکن براکو میرے گھر پہ تالا پڑا ہے ——"

"فکر نہ کرو۔ اپنے آپ پر قابو رکھو۔ سٹی کمیٹی کے حکم سے تمہیں نوکری سے ہٹا دینا پڑا۔ میں نے تمہیں ٹیکنیکل ڈویژن میں لگا دیا ہے۔ میں بڑا دل شکستہ ہوں۔ کیا کروں"

مجھے معلوم ہے براکو لیکن میں رات کہاں گزاروں؟"

"نکوپول ہوٹل میں میں نے ایک کمرہ ریزرو کر دیا ہے —— کمرہ تو کیا ہے لیکن جو کچھ ہے" ——

میں شہر پہنچا۔ ہوٹل کا منیجر میرے انتظار میں تھا۔ اُس نے کمرہ دکھاتے ہوئے بڑی معذرت کی۔ اُسے معلوم تھا کہ میں کس گھر میں رہتا تھا۔ میری کتابیں اور کپڑے بے ترتیبی سے اِدھر اُدھر پڑے تھے۔ دیوار پر سٹالین کی ایک تصویر لٹک رہی تھی۔ میں بہت تھکا ہوا تھا۔ ان باتوں کو سوچ ہی نہیں سکتا تھا۔ اس لئے پڑتے ہی سو گیا۔

آدھی رات

جب میں نے ٹیلیفون پر گرشنگورن کی آواز سنی تو میرا دل بیٹھ گیا۔

"خوب تو پرندہ اپنے لمبے سفر سے واپس آگیا ہے ——— کہو ہوٹل کا کمرہ تو پسند آیا؟.....

... آج آدھی رات گئے دفتر پہنچو"

پہلے کی طرح مجھے اس کا انتظار کرنا پڑا۔ ٹیکنیکل ڈویژن کے انچارج کی حیثیت سے یہ میرا پہلا دن تھا۔ مجھے زیادہ وقت کھٹراؤ کے گزارنا پڑا تھا اور اس وقت بہت تھکا ہوا تھا۔ مکان سے نکلنے کی پریشانی الگ تھی۔ جب گرشنگورن نے دفتر کھولا تو میں جذباتی پژمردگی اور جسمانی تھکان سے لڑکھڑا رہا تھا۔

اس نے کرسی پر بیٹھ کے سگریٹ سلگایا اور کہا

"کرادچنکو مجھے امید ہے کہ تمہارا سفر بہت سود مند ثابت ہوا ہوگا لیکن میں تحقیقات کے دوران میں غیر حاضری کو پسند نہیں کرتا"

"میں اجازت لے کے گیا تھا"

"مجھے معلوم ہے ——— اور میرا خیال ہے کہ تم سفارش ڈھونڈنے گئے تھے۔ مارگولن اور آنون چنکو وغیرہ بڑے بارسوخ آدمی ہیں ——— لیکن مجھے افسوس ہے کہ وہ دونوں گرفتار ہو چکے ہیں۔ دونوں عوام کے دشمن تھے ——— عجیب بات ہے نا؟ عجیب بات ہے کہ تمہارے تمام دوست اور سرپرست خلائق، مارگولن آنون چنکو وغیرہ غدار نکلے! مجھے یہ بتاؤ کہ مارگولن نے تمہاری حمایت میں چٹھی کیسے لکھ دی پرانا دوست تھا تمہارا؟"

"میں نے اسے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا"

"مجھے تم پر بہت زیادہ اعتبار نہیں ——— لیکن چلئے مان لیجئے۔ میں اس سازشی آنون چنکو کے

بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ وہ غدار تو تمہارا پرانا دوست تھا۔"

"میں اسے غدار کی حیثیت سے نہیں جانتا تھا۔"

"تم نے اس کے ساتھ کام کیا ہے۔ تمہیں اس کی کسی حرکت کا علم نہ ہوا؟"

"نہیں۔"

"پائپ بنانے کے سلسلے میں اس کے کام کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

میں نے اسے اپنی رائے سے آگاہ کیا۔ گرشنگورن کو غصہ آ رہا تھا۔ اس کی انگلیاں بڑی تیزی سے میز پر بج رہی تھیں۔

"کرادچنکو مذاق چھوڑو۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں کیا پوچھ رہا ہوں۔"

"میں صرف یہی جانتا ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ "باقاعدہ تربیت" سے پہلے بھی تمہیں کچھ یاد آسکتا ہے۔ تمہارے ایسے چالاک پہلے بھی ہمارے پاس آئے ہیں ——— ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔ تمہیں آنون چنکو اور کاباکوف کے تعلقات کا علم ہے؟"

"ان کی آپس میں ملاقات تو تھی لیکن میں کوئی خاص بات نہیں جانتا۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم کچھ بتانا نہیں چاہتے۔"

"بتانا تو چاہتا ہوں لیکن تم یہ تو نہیں چاہتے کہ میں جھوٹ بولوں۔"

آسمان پر سرخ دھاریاں دکھائی دے رہی تھیں۔ گرشنگورن سوال کئے جا رہا تھا۔ ایک سوال کے درمیان میں اس نے یک دم کہا

"کرادچنکو تم قید سے اتنا کیوں گھبراتے ہو؟ لوگوں سے سفارشیں کیوں ڈھونڈتے پھرتے ہو ——— یار سلاوسکی تک جا پہنچے! شاید تم جانتے ہو کہ تم مجرم ہو۔"

"مجھے معاف کرو۔ اس وقت پانچ بج رہے ہیں اور آٹھ بجے مجھے کام پر پہنچنا ہے۔ اگر میں ابھی تک گرفتار نہیں ہوا تو کم از کم فلسفیانہ مباحث کے لئے یہ وقت موزوں نہیں۔"

"بہت خوب۔ ہمارے پاس کئی راتیں ہیں۔ جلدی کی کوئی بات نہیں۔ پھر سہی۔"

کرسی کو پکڑ کے میں اٹھا لیکن مجھے چکر آگیا۔ میں نے میز کو تھام لیا۔ جب میرے حواس قائم ہوئے تو میں نے گرشنگورن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے کہا

"گرشنگورن تم کئی سال سے مجھے جانتے ہو اور میں تمہیں جانتا ہوں۔ تم دیانتداری سے سمجھتے ہو کہ میں غدار ہوں؟ خدا کے لئے بتاؤ۔"

"بتاؤں گا۔ ضرور بتاؤں گا۔ ہم خفیہ پولیس والے الزامات کو شروع میں صحیح مانتے ہیں ——— ورنہ ہم کام ہی نہ کر سکیں۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں ہر آدمی کو اس وقت تک مجرم سمجھتا ہوں جب تک وہ

اپنی بے گناہی ثابت نہ کر دے۔ خدا حافظ۔"

شام کے وقت جب میں اپنے دفتر میں تھکا ہوا بیٹھا تھا۔ براکو کا ٹیلیفون آیا۔

"وکٹر کراوچنکو میری باری آگئی۔ مجھے فیکٹری کمیٹی سے نکال دیا گیا ہے۔ بیس سال کے بعد نکال دیا گیا ہے وکٹر کراوچنکو۔"

اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی اور پہچانی نہ جاتی تھی۔

"براکو —— یہ کیسے ہو سکتا ہے ——"

"ہوا ہے۔ آج رات کو پارٹی کی ایک خفیہ میٹنگ ہوگی اور میرا قصہ پاک ہو جائے گا۔ میں تم سے کہنا چاہتا ہوں —— کیسے کہوں —— میں تم سے کہنا چاہتا ہوں کہ تم میری حمایت کی کوشش نہ کرنا۔ اس سے حالات اور بھی بگڑ جائیں گے۔"

شام کو میں اجلاس میں شریک ہوا۔ پارٹی کا نیا سیکرٹری کوندراشین (Kondrashin) بڑا ہوشیار اور کائیاں آدمی تھا۔ ایسے آدمی اپنی ذات پر کوئی ذمہ داری نہیں لیتے۔ اس نے کارروائی لوسں کے سپرد کر دی۔

لوس نے اپنی طویل اور بے معنی تقریر میں براکو پر دنیا کے بدترین الزامات لگائے۔ اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مزدوروں کے گندے مکان۔ کچے مال کا نقصان۔ تھوڑی تنخواہیں اور کارخانے کے ملازموں کی لاتعداد گرفتاریاں وغیرہ سب کا ذمہ دار براکو ہے۔"

تقریر کے بعد بے شمار تالیاں پیٹی گئیں، اور کارخانے کے مزدوروں نے نعرے لگائے "نکال دو" "غداروں کو پکڑ لو" "مار دو۔"

"کوئی صاحب تقریر کریں گے؟" لوس نے پوچھا۔

کئی آدمیوں نے تقریریں کیں اور براکو کے اخراج کا مطالبہ کیا۔ پھر ایک عورت اسٹیج پر آئی۔ اس کے خلوص پر شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"ساتھیو! مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ ہم ایسی خستگی میں کیوں رہتے ہیں۔ ہمارے لئے مکان کیوں نہیں، ہمارے پاس کپڑے کیوں نہیں۔ یہ براکو تو بڑے مزے میں رہتے ہیں۔ پرولتاریوں کی تکلیفوں کا انہیں کوئی احساس نہیں، ان غداروں کو نکال دو۔ یہ بدمعاش ہمارا کافی مذاق اڑا چکے ہیں۔"

اس پر داد و تحسین کی بوچھاڑ کر دی گئی۔

آخر میں براکو اٹھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں۔ اس کے الفاظ بے اثر ثابت ہوں گے۔ پھر بھی وہ بولا۔ اس نے بیس سال کے حالات سنانے شروع کئے۔ اس نے بتایا کہ کس طرح انقلاب سے پہلے فوجی افسر کی حیثیت سے اس نے سپاہیوں کو مزدوروں کی حمایت پر اکسایا۔ اس نے

اپنے آپ کو ایک وفادار کمیونسٹ ثابت کرنے کی کوشش کی۔

لوگوں نے آوازے کسے۔ اس کا مذاق اڑایا ۔ اسے گالیاں دیں۔

براکو کی آنکھوں سے آنسوؤں کے موٹے موٹے قطرے نکلے اور اس کے مرجھائے ہوئے گالوں پر ڈھلک گئے ۔۔۔

لوگ چیختے رہے ۔۔۔ "نکال دو، سازشی کو نکال دو، مار دو"

وہ یکایک سنبھل گیا۔ اور بولنے لگا۔ اس کی آواز گونجنے لگی۔ اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں، ہال میں مجرمانہ خاموشی چھا گئی ۔۔۔

"میں نے اپنی ہاتھوں سے روسی زاروں کے محلوں پر حملہ کیا۔ میں نے دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ میرے جسم پر اب بھی درجن بھر زخموں کے نشانات ہیں ۔۔۔ پھر پندرہ سال میں نے لگاتار تعمیر ۔۔۔ تعمیر ۔۔۔ تعمیر کی کوشش کی ۔۔۔ اور اب میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں اور انتظار کر رہا ہوں کہ کب تم اٹھتے ہو اور مجھے پرزے پرزے کر دیتے ہو۔ کیوں؟ میں نے تمہیں بنایا۔ تم مجھے تباہ کرنا چاہتے ہو۔ تم مجھ پر ان باتوں کے الزامات عاید کر رہے ہو جن کے خلاف میں نے جدوجہد کی۔ میں تم سے کچھ نہیں کہتا۔ میں تم سے کچھ نہیں مانگتا۔ میں تم سے کوئی توقع نہیں رکھتا۔ اٹھو اور مجھے ختم کر دو۔ تم یہاں کوئی فیصلہ بھی کرو میں ختم ہو چکا ہوں ۔۔۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم سوچو۔ تم سوچو تو سہی کہ کیا کر رہے ہو۔ میں اپنی قسمت کا فیصلہ تمہارے ضمیروں پر چھوڑتا ہوں۔ تمہاری کوئی تقریر، تمہاری کوئی گالی اس حقیقت کو تبدیل نہیں کر سکتی کہ میں بے گناہ ہوں" اس بات پر یقین کرو یا نہ کرو دوستو میں اپنے ہم وطنوں سے محبت کرتا ہوں۔ ان کے لئے میں اپنی جان کو ہزارہا دفعہ خطرے میں ڈال چکا ہوں ۔۔۔ اگر وہ اپنے ہاتھوں سے میری جان لینا چاہتے ہیں تو میں ایک سپاہی کی طرح برداشت کر دوں گا۔ مجھے یہی کہنا ہے۔"

اس کے اخراج کا فیصلہ تقریباً متفقہ تھا۔ میں اجلاس سے نکل کے اس کے گھر گیا۔ تھوڑی دیر میں وہ بھی آ گیا۔ اس کے شانے کانپ رہے تھے۔

"مجھے معلوم تھا وکٹر کراوچینکو کہ تم میرا انتظار کرو گے۔ میں تہہ دل سے تمہارا ممنون ہوں۔ اگر تمہیں موقعہ ملے ۔۔۔ اگر یہ پاگل پن تھم جائے ۔۔۔ تو لوگوں کو یہ بتانا نہ بھولنا کہ میں بے گناہ تھا۔

براکو اگلے دن کارخانے سے غیر حاضر تھا۔ وہ نیپرو پیٹروسک میں ریجنل کمیٹی سے اپیل کرنے روانہ ہوا تھا لیکن وہ راستے میں گاڑی سے اتار لیا گیا۔ اس سے زیادہ مجھے اس کے بارے میں آج تک کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ دو روز کے بعد اس کی بیوی اور سالی کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس کی بوڑھی ماں اور چھ سالہ بچی باقی رہ گئیں جن کو گھر سے نکال دیا گیا۔ کچھ روز اس کی ماں نکوپول میں پاگلوں کی طرح گھومتی اور ہر ایک سے پوچھتی رہی ۔۔۔ میرا براکو کہاں ہے ۔۔۔ میرا بچہ گم ہو گیا ہے ۔۔۔ میرا بچہ تم نے دیکھا ہے؟

—— کچھ روز بعد وہ بھی غائب ہوگئی۔

اسی ہفتے سٹی کمیٹی نے "کرادچنکو کیس" کی سماعت کی۔ عام طور پر یقین کیا جاتا تھا کہ میری باری آگئی ہے۔ اسی روز مقامی اخبارات میں ہمارے کارخانے کے کچھ انجینئروں پر الزامات لگائے گئے جن میں مکاریف اور رشیکی وچ کا نام سب سے نمایاں تھا!

یہ دونوں میرے خلاف سب سے بڑے گواہ تھے۔ لوس کو معلوم تھا کہ اب ان کی شہادت میرے خلاف بہت زیادہ باا ثر نہیں رہی۔ لیکن میرے مقدمے کی تاریخ مقرر ہو چکی تھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اخبارات کا "کارنامہ" محض اتفاق نہیں تھا۔ بوڑھے سلی نن اور کچھ اور دوستوں نے دوڑ دھوپ کی تھی۔

براکو کی گرفتاری سے کارخانے میں دہشت اور بھی بڑھ گئی۔ وہ لوگ خصوصیت سے گھبرا رہے تھے جو اس کے قریب تھے۔ چیف انجینئر وشنیف کی تو بری حالت تھی۔ میں کسی کام سے اسے ملنے گیا تو وہ اپنے میز پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اس نے بہترین کپڑے پہن رکھے تھے۔ کوٹ پر وہ تمغہ لگا رکھا تھا جو اس کو لینن سے ملا تھا۔ وہ ایک بچے کی طرح زار و قطار رو رہا تھا۔

"کامریڈ کرادچنکو۔ وہ تو لینن کو بھی نہ چھوڑیں گے .... مجھ سے کوئی بات نہیں کرتا مجھے کوئی چیف انجینئر نہیں سمجھتا"

مجھے دو سال بعد ایک دوست سے معلوم ہوا کہ وشنیف پاگل ہو گیا۔ لیکن پولیس سمجھتی رہی کہ اقبال جرم سے بچنے کے لئے بہانے کر رہا ہے۔ وہ اسے ایذائیں دیتے رہے، حتیٰ کہ وہ ان کے ہاتھوں سے آزاد ہو گیا ——

کچھ دنوں کے بعد آدھی رات کے وقت ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ میں جلدی سے بستر سے نکلا۔ کپڑے پہنے اور ریسیور اٹھایا۔ یہ گرشگورن کی آواز تھی۔ اس نے مجھے فوراً حاضر ہونے کا حکم دیا۔

اور تھوڑی دیر بعد میں اس کے دفتر میں بیٹھا اس کی طبیعت، شگفتگی اور صحت پر رشک کر رہا تھا۔

"تو پھر اپنی باتیں کریں۔ مجھے امید ہے کہ اب کے تم عقل کی بات کرو گے۔ اب کے تم ہم سے تعاون کرو گے"

"مجھ سے چاہتے کیا ہو"؟

"یہاں سوال صرف ہم کرتے ہیں۔ تمہارا کام صرف جواب دینا ہے۔ صحیح جواب دینا سمجھتے ہو"؟

"سمجھتا تو ہوں ..... صرف یہ کہ میں ابھی گرفتار نہیں ہوا۔ میں ابھی پارٹی کا ممبر ہوں ——"

"اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ ہمارے لئے تم غدار ہو۔ میں تم سے پھر پوچھتا ہوں۔ آنون چنکو کی غداری کا تمہیں علم ہے یا نہیں، تمہیں سوچنے کو کافی وقت ملا ہے"

"مجھے کچھ معلوم نہیں۔"

"کراوچنکو تمہارے لئے اچھا ہے —— اور میں کافی تکلیف سے بچ جاؤں گا اگر تم بولنا شروع کر دو —— ورنہ ہمیں لوگوں کو بولنا سکھانا تو آتا ہے۔ ہم انہیں مکھن کی طرح نرم اور ریشم کی طرح ملائم کر لیتے ہیں۔ سمجھے؟"

اس کی آنکھیں گدھ کی آنکھوں کی طرح للچائی ہوئی تھیں۔

"اگر تم اپنا خیال کرو کراوچنکو —— تو ہمارے لئے کافی مفید ہو سکتے ہو......"

"لیکن میں سچ کہہ رہا ہوں کہ مجھے کچھ بھی معلوم نہیں۔"

"تو پھر تم کچھ نہیں کہو گے؟"

اچانک ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ گرشنگورن کو دروگن نے بلایا تھا۔

"ذرا باہر انتظار کرو گے؟"

ہم دونوں باہر نکلے۔ گرشنگورن نے مجھے ایک باوردی سپاہی کے حوالے کرتے ہوئے کہا

"ان سے ذرا میرا انتظار کروانا۔"

برآمدے میں چار پانچ آدمی اور بھی تھے۔ ان کے منہ دیوار کی طرف تھے اور ہاتھ پیٹھ پر بندھے ہوئے۔

"تم بھی منہ دیوار کی طرف کر لو۔" پولیس والے نے کہا۔

"لیکن میں گرفتار نہیں ہوں۔ مجھے تو کامریڈ گرشنگورن نے بلایا ہے۔"

"بکو نہیں۔ منہ دیوار کی طرف کر لو۔ ہاتھ پیچھے کو۔ ادھر ادھر دیکھنے کی جرات نہ کرنا —— سر دیوار کے ساتھ لگنے نہ پائے ——"

میں کھڑا ہو گیا۔ ان چار گھنٹوں کے دوران میں اور آدمی بھی آ کر کھڑے ہو گئے۔ میں نے خفیہ پولیس کی اس نرم ترین سزا کا ذکر سنا تھا۔ اب خود بھگت رہا تھا۔

ساتھ کے کمروں سے دل دوز چیخیں، تھپڑوں اور گھونسوں کی دھمک اور جسموں کے گرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

جب گرشنگورن نے مجھے بلایا تو صبح کی دھیمی روشنی دیواروں پر ہویدا ہو رہی تھی۔

"آؤ کراوچنکو۔ افسوس کہ تمہیں اتنی دیر انتظار کرنا پڑا۔ اتنا کام ہے، اُف......"

اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ کر بھی مجھے آرام محسوس نہ ہوا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ میں ابھی کھڑا ہوں میرے ہاتھ پیچھے بندھے ہیں۔ میرے جسم کا ہر حصہ بوجھل ہو رہا ہے۔ بازو جھڑنے والے ہیں۔ انگلیاں ٹوٹ کے زمین پر گرنے والی ہیں........

گرشنگورن نے مجھ سے سوال کرنے شروع کئے لیکن میں سمجھ نہ سکتا تھا۔

"اچھا جاؤ۔ جاؤ سو جاؤ۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ میں تمہیں پھر بلاؤں گا۔ لیکن —— یہ چھوٹی موٹی باتیں ہمارے تمہارے درمیان ہیں۔ ہمارا راز۔ اگر کسی کو معلوم ہو گیا تو پچھتاؤ گے۔ ابھی کیسے دیتا ہوں۔"

ہوٹل پہنچ کر میں ننگی چارپائی پر گرا ہی تھا کہ میرے دفتر جانے کا وقت ہو گیا۔ دفتر پہنچ کر سب سے پہلے جو کاغذ میرے پاس پہنچا وہ گرشنگورن کا حکم نامہ تھا۔ مجھے آج رات پھر حاضری دینی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اس رات کے شروع میں گرشنگورن انتہائی نرم تھا۔ اس نے چائے بھی پیش کی۔ اس نے گلہ کیا کہ میں اسے غیر شریفانہ سلوک پر مجبور کر رہا ہوں۔ میں اسے حیوان بنا رہا ہوں۔ خواہ مخواہ میں نے اسے مجبور کیا کہ کہ مجھے برآمدے میں انتظار کرایا جائے۔ اسے یہ بات اچھی تھوڑی لگتی تھی! لیکن فرض سے مجبور انسان آخر کیا کرے؟

"آج رات تم ایک احسان کرو کراوچنکو۔ خفیہ پولیس تمہاری ممنون ہوگی۔ پارٹی تمہاری ممنون ہوگی ——
—— یہ کوئی بڑی بات تو نہیں کراوچنکو!"

"کیا احسان کروں؟"

"تم اس کاغذ پر دستخط کر دو۔ نکوپول پلانٹ کے انجینئر، سوویت ڈائرکٹر اور وفادار پارٹی ممبر کی حیثیت سے۔ یہ معاملہ بہت اہم ہے۔ ملکی دفاع کا معاملہ ہے۔ تمہارے کارخانے نے کچھ ناقص نالیاں بنائی تھیں۔ تمہارا قصور نہیں تھا۔ تم دھات نہیں بناتے۔ ظاہر ہے کہ یہ سازش تھی جو ماسکو میں شروع ہوئی پھر خارکوف آئی اور پھر زیپروزیسٹل پہنچی —— جہاں کا ڈائرکٹر عوام کا دشمن ثابت ہو چکا ہے اور جہاں دھات گلائی گئی تھی ——"

"اول تو کامریڈ گرشنگورن میں یہی نہیں مانتا کہ یہ سازش تھی۔ دوسرے میں اس کاغذ کو پڑھنا چاہتا ہوں جس پر تم میرے دستخط چاہتے ہو۔"

"ضرور۔ ضرور۔" اس نے بیس صفحوں کا ایک مسودہ میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ جیسے جیسے میں یہ مسودہ پڑھتا گیا میرے ہاتھ پر ٹھنڈے اور گرم پسینے کی دھاریاں پھوٹتی گئیں۔ یہ انتہائی شر انگیز مسودہ تھا جس میں بڑے بڑے انجینئروں، ڈائرکٹروں اور افسروں کے نام آتے تھے جن میں براگو، آنتون چنکو اور پیاتاکوف کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مجھے یہ مسودہ پڑھنے میں گھنٹہ بھر لگ گیا۔

"میں اس پر دستخط نہیں کر سکتا۔" میں نے صاف صاف کہہ دیا۔ "میرے پاس جو لوہا پہنچا میں نے اس کے نل بنا دیئے۔ بعض اوقات لوہا خالص نہیں ہوتا تھا۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔"

"تو پھر اتنے ماہرین نے اس پر کیوں دستخط کئے؟ تم ان سے بڑے ماہر ہو گیا؟"

"میں یہ لکھ سکتا ہوں کہ دھات خالص نہیں تھی۔"

"مجھ سے مذاق کرتے ہو کراوچنکو؟ تم بھول رہے ہو کہ کہاں بیٹھے ہو؟ دھات خالص نہیں تھی مجھے تمہارا

سرٹیفکیٹ نہیں چاہئے۔ میں تم سے اس بات کی توثیق چاہتا ہوں کہ یہ سب سازش کا نتیجہ تھا۔ تم پائپ بنانے کے انچارج تھے"!

میں خاموش ہوگیا۔ گرشگورن صبح تک مجھ پر برستا رہا۔ پھر مجھے اس دھمکی کے ساتھ چھٹی دے دی گئی کہ اس معاملے کی اہمیت پر غور کروں ورنہ۔۔۔۔۔۔"

میری رات کی حاضری کئی مہینے جاری رہی۔ میری خوشامدیں ہوئیں دھمکیاں دی گئیں اور گالیوں کی تو کوئی کمی نہ تھی۔ مجھے مسلسل بے خواب رکھ کے میرا حوصلہ توڑا جا رہا تھا۔ دن بھر میں کام کرتا اور راتوں کو جاگ جاگ کے گرشگورن کی "ادھر ادھر" کی باتوں کا عذاب سہتا تھا۔

ادھر پارٹی کے انصاف کی چکی چلتی رہی۔ ایک نئے تحقیقاتی کمیشن نے اعلان کیا کہ میرے پہلے الزامات کاغذات سے غلط ثابت ہو چکے ہیں۔ میں بدستور پارٹی کا ممبر تھا اور حکمران طبقے کا ایک ہونہار فرد!

لیکن گرشگورن ہر روز مجھ پر تازہ الزامات لگا رہا تھا۔ میرے اُن "کتوں" مارگولن، براگو، وشنیف، آٹون جنکو، خلاف، روزن گولز وغیرہ سے کیسے تعلقات تھے۔ میں نے منشویک غدار ڈیوبنسکی کو پناہ دی تھی۔ میں نے فاشسٹ جاسوس زلمن کو بچایا تھا ہر نیا نام میرے لئے ایک تازہ مصیبت تھی اور گرشگورن کے لئے "تربیہ ہوا"۔

ایک رات گرشگورن کو ایک نئی بات سوجھی۔

"کراو چنکو! تمہارے پاس دو امریکی رہتے تھے"؟

"ہاں۔ وہ ہمارے کارخانے میں امریکی مشینری نصب کرنے آئے تھے"۔

"غدار براگو نے انہیں تمہارے ہی گھر ٹھیرایا۔ اور کسی کے ہاں کیوں نہیں"؟

"میں غیر شادی شدہ ہوں۔ اور میرا گھر کافی بڑا تھا"۔

"تم نے ان کے سامنے کبھی سوویٹ حکومت کی مخالفت کی"؟

"کبھی نہیں۔ وہ ابھی روس ہی میں ہیں۔ تم ان سے پوچھ سکتے ہو"۔

"میں تمہاری گستاخی سے تنگ آچکا ہوں۔ مجھے نہ بتاؤ کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔ تمہارے اُن سے سیاسی تعلقات کی نوعیت کیا تھی"؟

"کچھ بھی نہیں۔ میں ان سے اچھا سلوک کرتا تھا کیونکہ یہ میرا فرض تھا"۔

"وہ مشینری تو آٹون چنکو نے امریکہ سے منگوائی تھی"۔

"ہاں"۔

"تو آٹون چنکو اور اس امریکی فرم کے درمیان ساز باز تو ممکن تھی"۔

"مجھے اس کا علم نہیں"۔

"تمہیں علم نہیں —— تم تو ایک ننھے سے "بچے" ہو —— لیکن تم ان امریکیوں سے خارکوف میں ملے ——"

"ہاں۔ ان میں سے ایک مجھے راستہ چلتے مل گیا۔"

"پھر تم انہیں ماسکو کے ایک ہوٹل میں ملے؟"

"میں کھانا کھا رہا تھا۔ وہ سامنے کی میز پر بیٹھے تھے۔ انہوں نے مجھے پکارا۔ میں انکار نہ کر سکا۔ لیکن پانچ منٹ بیٹھ کے چلا آیا۔"

"اُن میں سے ایک سٹاک ہالم کیوں گیا اور تمہارے لئے تحفہ کیوں لایا؟"

"میرے خیال میں تو وہ کسی ذاتی کام سے گیا تھا۔ اور تحفے کا جہاں تک ذکر ہے وہ میرے لئے لوہے کا ایک ٹکڑا لایا تھا۔ اس قسم کا لوہا ہم نہیں بنا سکتے تھے۔ وہ میرے لئے اور کارخانے کے لئے بڑا مفید تھا۔"

"اور وہ سٹاک ہالم سے آئیون چنکو کے نام خفیہ پیغام بھی لایا تھا؟"

"مجھے تو معلوم نہیں۔"

امریکیوں کے مسئلے پر کئی گھنٹے لگ گئے۔ پھر دروگن اندر آیا۔ اس کا نچلا ہونٹ بھنچا ہوا تھا۔ اس نے گرشنگورن کی طرف دیکھا اور کہا

"گرشنگورن اس غدار کو کب تک بہلاتے رہو گے؟ تم خفیہ پولیس کے افسر ہو یا بازاری کتے؟"

"گرشنگورن تھر تھر کانپنے لگا۔ پھر کہنے لگا "کامریڈ اجازت ہو تو میں زیادہ موثر ذرائع اختیار کروں۔"

دروگن نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور مجھ سے مخاطب ہوا

"دیکھو کراوچنکو پھر پچھتاؤ گے۔"

گھنٹہ بھر کے بعد جب گرشنگورن نے مجھے چھٹی دی تو مجھے خیال آیا کہ میں دروگن سے بات کروں۔ یہ قصہ ختم ہو جائے تو اچھا ہے۔ اِدھر یا اُدھر۔ میں نے کارڈ بھیجا۔ اس نے فوراً مجھے بلا لیا۔

"کیا چاہتے ہو؟" اس نے کہا

"میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم کیا چاہتے ہو۔ مجھے اتنی ایذا دی گئی ہے۔ ہر بات مجھ پر نئے الزامات لگائے جاتے ہیں۔ کامریڈ دروگن تم سٹی کمیٹی کے بیورو کے ممبر ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ مجھے دو دفعہ بری کیا گیا ہے۔ میں ایک کمیونسٹ کی حیثیت سے ——"

"کمیونسٹ کی حیثیت سے!" وہ غصے سے گرجا اور بدمست بیل کی طرح مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے مجھے چانٹے مارے۔ پھر گلا گھونٹنے اور مجھے زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔ میری آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔

"نکل جاؤ ورنہ مار ڈالوں گا۔" اس نے مجھے دروازے سے باہر دھکیلتے ہوئے کہا۔ میں لڑکھڑا کر دیوار کے ساتھ جا لگا۔ چند منٹ وہیں کھڑا رہا۔ پھر میں نے اپنی رہی سہی قوت کو مجتمع کیا اور ہوٹل

کو روانہ ہوا۔

ایک دن گرشگورن میرے کمرے میں داخل ہوا۔ مجھے یقین ہوگیا کہ مجھے پکڑنے کے لئے آیا ہے۔

"ہیلو کراد چنکو" اس نے آتے ہی کہا۔ اس کی "ہیلو" بڑی بے معنی تھی۔ "انجینیر ویلنٹائن بچکوف (Valentin Bichkov) کہاں ہے؟"

"بھٹی پر ہوگا"

"اسے فوراً بلاؤ"

میں نے بچکوف کو بلا بھیجا۔ اور گرشگورن سے پوچھا

"بچکوف کو کس لئے طلب کیا گیا ہے؟ وہ میرے ماتحت ہے"

"دیکھو کراد چنکو۔ دروگن نے کل تمہاری کافی مرمت نہیں کی تھی؟ تم واقعی بڑے مشکل پسند ہو۔ مجھے یاد آگیا آج رات کو ذرا تکلیف کرنا ——"

"مجھے ایک رات کا آرام بھی نہیں مل سکتا؟"

"تم دستخط کر دو۔ ذرا سا تعاون کرو۔ پھر جب تک جی چاہے سوتے رہنا"

بچکوف آگیا۔ اسے کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ اس کے کپڑے تیل سے تر تھے۔

"گڈ ایوننگ کامریڈ کراد چنکو ——" گرشگورن کو دیکھ کے "گڈ ایوننگ کامریڈ گرشگورن" بچکوف نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن گرشگورن نے کہا

"میری طرف دوستی کا ہاتھ نہ بڑھا سازشی کمینے"

"کیا بات ہے کامریڈ گرشگورن؟"

"میں تمہیں خوب جانتا ہوں —— تمہارا نام"

"بچکوف"

"تم غداری کی وجہ سے زیر حراست ہو۔ چلو میرے ساتھ"

"لیکن بات کیا ہے؟ کچھ پتہ بھی چلے"

"چلو ——" گرشگورن نے اپنا ریوالور نکال لیا۔ اور بچکوف گھبرایا ہوا اس کے ساتھ باہر نکل گیا۔

میں نے دفتر بند کیا۔ مجھ میں سکت بالکل نہ رہی تھی —— مجھے دستخط کر دینے چاہئیں۔ ان سفاکوں کے آگے میری بساط ہی کیا ہے ——"

ایک گھنٹے کے بعد بچکوف کی معصوم بیوی اور اس کی چھ سالہ بچی مجھے ملنے آئیں۔ وہ پاگلوں کی طرح رو رہی تھیں۔ میں نے انہیں تسلی دینے کی کوشش کی لیکن بے سود....... رات مجھے گرشگورن کے

دفتر میں گذارنی پڑی جس سے میرے اعصاب کھچتے گئے .... کھچتے گئے ....

تین چار دن کے بعد بچکوف کی بیوی مجھے پھر ملنے آئی۔ کارخانے کا ایک کیمرہ اور ایک گھڑی بچکوف کے پاس رہ گئی تھی۔ اور جب تک یہ چیزیں واپس نہ کی جاتیں بچکوف کی بیوی کو بچکوف کی تنخواہ نہ مل سکتی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ چیزیں کسی نے چرالیں۔ مجبوراً مجھے گرشنگورن کو خبر کرنی پڑی۔

"مہربانی کر کے بچکوف سے یہ پوچھ دیجئے کہ اس نے یہ چیزیں کہاں رکھی ہیں۔"

"تمہی کو اس سے ملا دیتا ہوں۔"

میں حیران تھا کہ گرشنگورن مجھے بچکوف سے ملانے پر رضامند کیوں ہے۔ میں اس کے ساتھ ہی دفتر میں گیا۔ گرشنگورن نے بچکوف کو بلوایا۔ تھوڑی دیر میں دو پہرے داروں کے ساتھ بچکوف کمرے میں داخل ہوا۔ وہ بڑی مشکل سے پہچانا جاتا تھا۔ اس کو دیکھ کے مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی۔ اس کا چہرہ بری طرح سوجا ہوا تھا۔ ایک آنکھ تو بالکل بند تھی۔ اس کے تیل سے بھیگے ہوئے کپڑے جن میں اسے گرفتار کیا گیا تھا پھٹے ہوئے اور خون آلود تھے۔ اس کے ہاتھوں پر خون جما ہوا تھا۔ اس سے سڑے ہوئے خون اور جیل کی کوٹھڑی کی بو آ رہی تھی۔ مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ یہ زخمی اور پٹا ہوا انسان وہی خوبصورت انجینئر ہے جو چند روز پہلے میرے دفتر میں آیا تھا۔

اور میری سمجھ میں یہ بات آگئی کہ گرشنگورن مجھے اس سے ملانے پر کیوں رضامند ہوگیا تھا۔ وہ مجھے بتانا چاہتا تھا کہ جو لوگ "تعاون" نہیں کرتے ان کی کیا حالت ہوتی ہے۔

"بچکوف تم نے گھڑی اور کیمرہ کہاں رکھا ہے؟"

اس نے کانپتی ہوئی آواز سے کہا "میرے اسسٹنٹ کے پاس تھا۔"

"شکریہ۔ میں یہی پوچھنا چاہتا تھا۔"

"وکٹر کراوچنکو ——— میری بیوی اور میری بچی ——— میری پیاری ماریوسا (*Mariusa*)"

اور وہ سسکیاں بھر بھر کے رونے لگا۔

"خاموش بچکوف" گرشنگورن مکا میز پر مار کے بولا "ختم کرو یہ ناٹک ورنہ ہم تمہیں پھر سے سبق دیں گے ——— اس وقت تو روتے نہ تھے جب تم نے اپنے ساتھیوں کو زہر دیا۔ نکل جاؤ۔"

بچکوف پر یہی الزام تھا۔ ہم نے حال ہی میں زنگ نہ لگنے والے پائپ بنائے تھے جن میں شورے کا تیزاب استعمال کیا گیا تھا۔ چار مزدوروں نے بچکوف کی ہدایات کی پرواہ نہ کی۔ اور وہ اس کے زہریلے اجزاء سے مر گئے۔ اب بچکوف پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ اس نے چار آدمیوں کو جان بوجھ کے مروا دیا ہے۔

خزاں کا موسم اسی طرح گزرتا چلا جا رہا تھا۔ لیکن ۱۹۳۷ کے آخری ایام میں تو شب بیداری کی یہ کیفیت ہوگئی کہ کوئی رات خالی نہ جاتی تھی۔ کارخانے سے سینکڑوں مزدور، مستری اور دوسرے افسر پکڑے

جا رہے تھے۔ ان کی گرفتاری سے نئی نئی پیچیدگیاں پیدا ہو رہی تھیں۔ اور ان نئی پیچیدگیوں کے سلسلے میں خفیہ پولیس سے میرا سابقہ بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ لاچار ہو کے میں نے وہ قدم اٹھایا جس سے میں آج تک اجتناب کرتا رہا تھا۔ میں نے سنٹرل کمیٹی کے کنٹرول کمیشن کو لکھا کہ مجھے غداری کے غلط الزامات کی وجہ سے پریشان کیا جا رہا ہے۔ میں نے خفیہ پولیس کا نام نہ لکھا کیونکہ مجھے بڑی سختی سے تنبیہ کی گئی تھی کہ خفیہ پولیس کی "ادھر ادھر" کی باتوں کا کسی سے ذکر نہ کروں۔ کنٹرول کمیشن کم از کم تحریری طور پر پارٹی ممبروں کے حقوق اور ان کے وقار کے تحفظ کا نگران تھا۔

کچھ دنوں کے بعد پارٹی کا ایک عہدے دار تحقیقات کے لئے نکوپول پہنچ گیا۔ اس نے آتے ہی مجھ سے ملاقات کی، میری شکایات معلوم کیں، پھر پارٹی کے کچھ عہدے داروں سے ملا کچھ اور لوگوں سے باتیں کیں کاغذات دیکھے اور واپس چلا گیا۔ میری رات کی حاضری جاری رہی۔ میرا وزن کم ہو گیا تھا۔ آنکھیں سوجی ہوئی رہتی تھیں اور مدت کے بچھڑے ہوئے مجھے پہچان نہ پاتے تھے۔

ان دنوں نکوپول میں جگہ جگہ "پہلے جمہوری انتخابات" کے پوسٹر لگ رہے تھے۔ ۱۲ دسمبر ۱۹۳۷ کو روس کے عوام کو بیلٹ رائے شماری کے ذریعے سپریم سوویٹ کا انتخاب کرنا تھا۔ اخبارات اور ریڈیو چلا چلا کے کہہ رہے تھے

> پارٹی کے جھنڈے تلے جمع ہو جاؤ! اشتراکی نظام حیات کو ووٹ دو!
> بیلٹ رائے شماری سے فائدہ اٹھاؤ! زندہ باد سٹالین۔ روسی عوام کی خوشی
> اور خوشحالی کا ضامن! زندہ باد!

مجھے ایسے محسوس ہوتا تھا کہ میرے اور مجھ سے لاکھوں کے دکھوں کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ انتخابات کو کوئی بھی اہمیت نہیں دیتا تھا۔ پارٹی کے جلسوں کی طرح لوگوں نے یہاں بھی ووٹ ڈال دیئے ——— عین انتخاب کے وقت ہمارے کارخانے میں گرفتاریاں ہو رہی تھیں۔ ہمارے خزانچی ——— بجلی کے انجینئر رومن چنکو اور کچھ اور افسروں کو خفیہ پولیس اپنے ٹرک میں لاد رہی تھی۔

۱۲ دسمبر ۱۹۳۷ کو مجھے بھی خفیہ ووٹ کی پرچی ملی جس پر پارٹی کے نامزدگان کے ناموں کی فہرست تھی۔ اس فہرست کے علاوہ پرچی پر "ہاں" یا "نہیں" کے لئے بھی جگہ نہیں تھی۔ ہمیں ہدایت تھی کہ اگر ہم کسی ایک ممبر کے خلاف ہوں تو اس کا نام کاٹ دیں۔

میں نے اپنی پرچی کو تہہ کیا اور چپ چاپ صندوق میں ڈال دیا۔ ہمارے کارخانے کے پانچ ہزار ووٹروں میں سے کسی ایک نے بھی کوئی نام کاٹنے کی جرات نہ کی ——— اخبارات اور ریڈیو "اشتراکی نظام حیات" کی اس متفقہ تائید پر چلائے۔

انتخاب کا دن چھٹی کا دن تھا۔ گرشگورن نے یہ چھٹی مجھے کئی گھنٹے برآمدے میں کھڑا کر کے منائی۔ اس

کے سوالات سے میں نے اندازہ لگایا کہ آئیون چنکو پر پائپ فیکٹری میں سازش کرنے کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا ہے اور خفیہ پولیس کے ذہن میں اس مقدمے کا جو خاکہ ہے وہ اس صورت میں مکمل ہو سکتا ہے کہ میں سازش کا اقرار کروں۔

"میں دیانت داری سے کہتا ہوں مجھے کچھ بھی معلوم نہیں" میں کہتا رہا۔

"بھاڑ میں ڈالو اپنی ذلیل ایمانداری کو۔ مجھے واقعات کی ضرورت ہے ——— افسوس ہے کہ ہم نے تمہیں اس وقت نہ پکڑا۔ اس وقت تمہارے سب بل نکلے ہوتے"

میری ہمت ٹوٹ رہی تھی۔ میں اس عذاب سے ہر صورت بچنا چاہتا تھا ——— کبھی کبھی عالم تصور میں میں دیکھتا کہ میں نے اپنے دستخط کر دیئے ہیں۔ باجے بج رہے ہیں۔ میں ایک بہت نرم اور گدگدے بستر پر پڑا ہوں۔ امی میرے سر پر ہاتھ پھیر رہی ہیں ...... لیکن پھر چونک اٹھتا۔ اب میری تمام قوتِ ارادی ختم ہو چکی تھی۔ زیادہ سے زیادہ میں پانچ سات روز جاگ سکتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ چند دن اور ایذا برداشت کر سکتا تھا ——— افسوس کہ میں لوہے کا بنا ہوا نہیں تھا!

میں اس منزل پر پہنچ چکا تھا کہ سلی نن مجھے ملنے کے لیئے ہوٹل میں آیا۔

"تمہاری حالت ایسی خراب کیوں ہے؟ مجھے بتا دو۔ تم مجھ پر اعتبار کر سکتے ہو"

"میں تو ایسا بھرا بیٹھا تھا کہ پھٹ پڑنے کو تھا۔ سلی نن نے ذرا سی بات کی اور میں پھوٹ پڑا اور اس کو بلا کم و کاست تمام حالات سنا دیئے۔ اس سے یہ بات بھی نہ چھپائی کہ میں ہمت ہار بیٹھا ہوں۔

"میں تمہاری منت کرتا ہوں کامریڈ ——— تم نے اتنا صبر کیا ہے ——— اب ڈٹے رہو۔ دستخط کرنے سے تم بچ نہیں سکتے۔ اس سے تو تمہارا پھندا اور بھی سخت ہو جائے گا"

"لیکن کب تک سلی نن؟"

"میں سمجھتا ہوں۔ میں مانتا ہوں کہ صبر اور برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے ——— لیکن میرا خیال ہے کہ سختی کی مہم اب اتنی شدید نہیں رہی۔ اب سختی کی بھی کس پر جائے۔ ضلع نکوپول میں تقریباً ۸۰ فیصدی کمیونسٹ گرفتار ہو چکے ہیں۔ اور ایک پارٹی ممبر کے مقابلے میں آٹھ غیر پارٹی ممبر پکڑے گئے ہیں ——— باقی رہا ہی کون ہے۔ میں نے سٹی کمیٹی کے ایک ممبر سے سنا ہے کہ نئے احکام آ گئے ہیں۔ اب پارٹی کی اجازت کے بغیر کسی کو گرفتار نہیں کیا جائے گا۔ خدا کے لئے کچھ دن اور انتظار کرو۔ درو گن نے پانچ مرتبہ تمہیں گرفتار کرنے کی اجازت چاہی ہے۔ اب تم جھک گئے تو ہم سے بڑی بے انصافی ہو گی"

میں نے اس سے وعدہ کیا کہ میں نہیں جھکوں گا۔ میں اس کی نصیحت سے کہیں زیادہ اس کے اعتماد سے متاثر ہوا۔

"تو آؤ پھر نوروز کی خوشی میں پئیں"

اس وقت تک مجھے خیال ہی نہیں آیا کہ آج سال کا آخری دن ہے۔ رات کو خفیہ پولیس کے دفتر میں گیارہ سے تین بجے تک دیوار کی طرف منہ کئے کھڑا رہا۔ رات بھر دل دوز چیخوں کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ گرشگورن یا وروگن میں سے مجھے کسی نے طلب نہ کیا۔ وہ غالباً اپنے بال بچوں کے ساتھ نو روز کی خوشیاں منا رہے تھے۔

جنوری کے پہلے ہفتے میں گرشگورن نے میرے سامنے کچھ نئے کاغذات رکھے۔ یہ ایک بیان تھا جو میری طرف سے لکھا گیا تھا۔ اس میں میرے دوستوں اور کارخانے کے ساتھیوں کے خلاف بڑے بڑے خوفناک الزامات تھے۔ میرا اپنا ذکر بہت کم تھا —— ہر بات کی ذمہ داری کسی دوسرے پر ڈالی گئی تھی۔

"خدا کے لئے سوچ کر او جنکو۔ خفیہ پولیس اس سے زیادہ نرمی کا سلوک نہیں کر سکتی۔ اب سودا بازی کی گنجائش نہیں۔ اگر تم دستخط نہیں کرو گے تو اس کا مطلب خفیہ پولیس کو چڑانا ہو گا۔ اس بک بک سے میں بھی ویسا ہی تھکا ہوا ہوں جیسے تم ہو۔ عقل سے کام لو۔ دستخط پنسل سے کرو گے یا قلم سے؟"

"کسی سے بھی نہیں۔ یہ الزامات غلط ہیں .... اور میں نے کسی چیز کا اقرار نہیں کیا۔ تم نے جو کچھ لکھا ہے خود لکھا ہے۔"

"میں کہتا ہوں تم دستخط کرو گے! جیسے بجکوف نے کئے! جیسے آئیون جنکو نے کئے!"

"جو جی میں آئے کر دیکھو۔ میں ایسے جرائم کا اقبال کیسے کر لوں جو مجھ سے سرزد نہیں ہوئے؟"

گرشگورن مجھ پر ٹوٹ کے گرا۔ اس کے بھاری گھونسے میرے منہ پر ہتھوڑوں کی طرح چلنے لگے۔ میری ناک سے خون بہا۔ میرا منہ گرم گرم خون سے بھر گیا۔ میرا چہرہ جلنے لگا —— "کیوں دستخط کرتے ہو یا نہیں؟"

اور یہ بوچھاڑ پھر شروع ہو گئی۔ میرے ماتھے سے جھر جھر خون بہا اور میری آنکھوں میں گرا۔ میری نظروں کے سامنے گاڑھا سرخ پردہ سا پڑ گیا۔

میں نے وروگن کے بھاری قدموں کی چاپ سنی۔ اس نے آ کے گھونسوں کی تازہ بارش شروع کر دی۔ میں زمین پر گر کے گیند کی طرح لڑھکنے لگا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ میں اپنی کھال کے اندر ہی اندر سکڑتا جا رہا ہوں ...... میں نے چیخنا چاہا لیکن گلے میں خرخراہٹ سی ہوئی اور بس ......

"اس حرامی کو باہر پھینک دو" وروگن غالباً پہرے داروں سے کہہ رہا تھا۔ اور جب وہ مجھے گھسیٹتے ہوئے باہر لے جا رہے تھے تو میری گدی پر ایک زور کا دھماکا ہوا۔ جس سے میری نظروں کے آگے تارے سے ٹوٹ گئے اور ریڑھ کی ہڈی میں پھلجھڑیاں چل گئیں۔ غالباً یہ وروگن کے گھونسے کا رخصتی سلام تھا۔

پہرے دار مجھے ایک تنگ کوٹھڑی میں پھینک گئے لیکن اس کا دروازہ کھلا تھا۔ یہاں میں گھنٹہ بھر پڑا رہا۔ —— شاید دو گھنٹے کیونکہ مجھے وقت کا کوئی احساس ہی نہیں رہا تھا۔ میری تمام حسیات مردہ تھیں۔ مجھے غصہ

بھی نہیں آیا تھا۔ پھر گرشنگورن اندر آیا

"دستخط کرتے ہو؟"

"نہیں۔"

"تمہیں تین دن دیتا ہوں سوچ لو۔ ہمیں بہتر طریقے بھی آتے ہیں۔"

میں وہاں سے چلا آیا۔ پارٹی کا کارڈ ہنوز میری جیب میں تھا۔

باہر نکلا تو برف کا خوفناک طوفان چل رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا اور برف کے گالے میرے زخموں پر مرچیں سی چھڑک رہے تھے۔ ہوٹل پہنچا تو میری نظر ایک اشتہار پر پڑی جس پر لکھا تھا

"دائمی خوشی کے لئے سٹالین کے پیچھے چلو۔"

میں کمرے میں جا کے بستر پر گر گیا۔ سامنے سٹالین کی تصویر تھی۔ اسے دیکھ کے مجھے درد کا احساس بھی جاتا رہا۔ مجھے ہنسی آرہی تھی۔ میں نے کہا "تو اب کامریڈ سٹالین ہم ایک دوسرے کو جان گئے ہیں۔ کوئی پردہ نہیں رہا۔ مبارک ہو کامریڈ"۔۔۔۔۔۔ پھر میں بے ہوش ہو گیا۔ میرا جسم سن ہو گیا لیکن میرا ذہن بیدار تھا۔ آہستہ آہستہ مجھ پر انتہائی مایوسی اور شکست خوردگی طاری ہوتی گئی اور خودکشی کرنے کا خیال خود کر آیا —— لیکن میرا جسم جکڑا ہوا تھا۔ مجھ میں اٹھنے، پستول نکالنے اور لبلبی دبانے کی طاقت نہ تھی —— یوں تو میں بے ہوش تھا، لیکن میری آنکھیں دیکھ رہی تھیں، کان سن رہے تھے، ذہن سوچ رہا تھا۔۔۔۔۔۔ میں نے دروازے پر دستک سنی لیکن اٹھ نہ سکا۔ دستک پھر ہوئی مجھے یقین ہو گیا کہ گرشنگورن آپہنچا ہے۔ میں بڑی مشکل سے اٹھا۔ در و دیوار میرے سامنے چکرا رہے تھے۔ لڑکھڑاتے ہوئے میں نے دروازہ کھولا۔

سامنے ایک عورت کھڑی تھی۔ اس کے کوٹ پر برف کے گالے تھے۔ ہاتھ میں سوٹ کیس تھا۔ میں پہچان نہ سکا کون ہے۔ میں نے زور زور سے آنکھیں جھپکیں۔ پھر غور سے دیکھا اور —— "امی! امی!" کہتا ہوا اس کے بازوؤں میں گر پڑا۔

امی روئی نہیں —— اس نے سوال نہیں کئے۔ اس نے میرے زخم دھوئے۔ اور اپنی باتیں کرنے لگیں۔ وہ میری توجہ میری ذات سے ہٹانا چاہتی تھیں۔ وہ بے پناہ قوت ارادی کی مالک تھیں۔

وہ میرے لئے گرم جرابیں لائی تھیں۔ کچھ قمیصیں تھیں۔ ایک کمبل تھا

"وکٹر میں تمہارے ابا کے لئے بھی یہ چیزیں بنایا کرتی تھی جب وہ جیل میں تھا۔ مجھے تمہاری ضروریات کا علم ہے وکٹر۔۔۔۔۔۔ وقت گذر گیا ہے لیکن جیلیں ابھی باقی ہیں۔ خدا ہم پر رحم کرے وکٹر۔"

امی میرے لئے گرم پانی کا انتظام کرنے گئیں تو مجھے سٹالین کی سرد آنکھوں کا خیال آیا جو ابھی مجھے گھور رہی تھیں، اور جنہیں میں بھول چکا تھا۔ میں بڑی مشکل سے اٹھا۔ تصویر دیوار سے اتاری اور اسے غور سے دیکھا۔ میرا دل

نفرت سے بھر گیا۔ ہمیشہ کے لئے میں سٹالین سے، سوویت حکومت سے متنفر ہو گیا۔ ایسی بھرپور اور فیصلہ کن نفرت میرے دل میں پہلے کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ ایک لمحے کے لئے مجھے محسوس ہُوا کہ میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ آسمان سے تاریکی کے بادل چھٹ گئے ہیں۔ مطلع صاف ہو گیا ہے۔ میں نے سٹالین کی تصویر کو آہستہ آہستہ پھاڑا۔ پھر اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کئے اور نالی میں پھینک دیا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ آئندہ میں حکومت کا حکم مانوں گا۔ تقریریں کروں گا ——— لیکن یہ محض دھوکا ہوگا ——— اور اس وقت کا انتظار کروں گا جب مجھے بھاگنے کا موقعہ ملے گا۔ یہ فیصلہ میری جدوجہد کی انتہا نہیں تھا۔ یہ فیصلہ میری کشمکش کی ابتدا تھا۔

کارخانے میں میں نے بہانہ بنایا کہ موٹر ٹکرا گئی تھی۔ لیکن میں لوگوں کی آنکھوں سے محسوس کر رہا تھا کہ انہیں یقین نہیں آیا۔ نیپروپیٹروسک سے میرے نام ایک چٹھی آئی جس میں لکھا تھا کہ میرے کیس پر پرسوں غور ہوگا۔ مجھے حاضر رہنا چاہئے۔ کارخانے کے نئے ڈائرکٹر کامریڈ شالاکوف (Shalakov) نے مجھے چھٹی دینے سے انکار کر دیا۔ لیکن میں نے فیصلہ کیا کہ میں چھٹی کے بغیر جاؤں گا۔

کنٹرول کمیشن کے دفتر کے باہر باوردی پولیس کا پہرہ تھا۔ آٹھ دس آدمی باہر ایک بنچ پر بیٹھے تھے۔ تھوڑی دیر میں وہ تحقیقاتی افسر جو نکوپول پہنچا تھا کمرے سے باہر نکلا۔ اس نے مجھے پہچان لیا اور اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

کمرہ بڑا وسیع اور کشادہ تھا۔ قمقمے جل رہے تھے۔ سامنے ایک لمبی میز پر پانچ آدمی بیٹھے تھے۔ میں گھبرا گیا۔ مجھے ٹھیک سے اندازہ نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ ان کے چہرے رحم اور ہمدردی سے قطعی عاری تھے۔

لیکن جب میں کرسی پر بیٹھ گیا تو میرے حواس کچھ قائم ہو گئے۔ میں نے غور سے پانچوں چہروں کو دیکھا۔ ایک پر نرم سی مسکراہٹ تھی۔ میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ ابا کے وقت کا انقلابی تھا۔ اور ابا کو جانتا تھا۔ مجھے کچھ تسکین ہوئی کہ کم از کم ایک آدمی ایسا ہے جو جانتا ہے کہ ابا منشویک نہیں تھے۔

میں گھنٹہ بھر تک مختلف سوالوں کا جواب دیتا رہا۔ ایک آدمی کا رویہ خاص طور سے معاندانہ تھا۔ چیئرمین اور وہ بوڑھا انقلابی کچھ شفیق تھے۔ سوالات کے دوران میں بوڑھے انقلابی نے یکبارگی پوچھا "کامریڈ کراوچنکو، میں تمہیں اور تمہارے خاندان کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ مجھے صاف صاف بتاؤ کہ تمہارے جذبات کیا ہیں"۔

"صاف صاف بات تو یہ ہے کہ میں تو اُکتایا ہُوا ہوں۔ مجھے گذشتہ ایک سال سے ایذا دی جا رہی ہے ——— ایذا آپ سمجھتے ہیں ——— "۔ میرا ہاتھ غیر ارادی طور پر میرے چہرے کی طرف اٹھ گیا جو ابھی سوجا ہُوا اور زخمی تھا۔ "آپ کو شاید معلوم نہیں کہ میں یہاں اجازت لئے بغیر آیا ہوں۔ جانے مجھے اس کے بدلے کونسی سزا بھگتنی پڑے گی۔

"تمہیں یہ ایذائیں کون دیتا ہے؟"

"میں بتا نہیں سکتا۔"

"نہیں تم کہو —— ڈرو نہیں۔"

اور تھوڑی دیر بعد میں باہر کھڑا تھا۔ پندرہ منٹ کے بعد مجھے پھر طلب کیا گیا۔ چیئرمین مسکرا رہا تھا

"کامریڈ کراوچنکو۔ ہم نے نکوپول سٹی کمیٹی کے فیصلے کی توثیق کا فیصلہ کیا ہے۔ تم آزاد ہو۔ اور کام پر واپس چلے جاؤ

آئندہ تمہیں کوئی پریشان نہیں کرے گا لیکن میرا مشورہ ہے تم کہیں بدلی کرالو۔ اچھا خدا حافظ۔"

اس وقت اس کو کیا خبر تھی کہ دو ماہ کے بعد وہ اور اس کا بوڑھا ساتھی "عوام کے دشمنوں" کی حیثیت سے جیل میں ہونگے۔

دوسرے دن میں نے ماسکو کے محکمہ عالیہ میں ٹیلیفون کیا اور افسر اعلیٰ کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ میں نے یہ بھی بتایا کہ

کنٹرول کمیشن نے مجھے بدلی کرالینے کا مشورہ دیا ہے۔ افسر اعلیٰ نے نکوپول کے ڈائریکٹر کو تار دے کے مجھے ماسکو بلوالیا۔

نکوپول میں گرشنگورن نے مجھے طلب نہیں کیا۔ اور میں معمولی کپڑے لے کے ماسکو چلا گیا۔

کامریڈ ارژونی کڈ کی جگہ اب سٹالین کے معتمد دوست اور پولٹ بیورو کے ممبر لازر کاگنووچ (Lazar

Cognovich) نے سنبھال رکھی تھی۔ بہت رات گئے اس نے مجھے باریابی بخشی۔

میں نے اسے اپنے تمام حالات مختصراً بتا دیئے۔ وہ کسی خاص دلچسپی کے بغیر سنتا رہا۔ پھر بولا

"پارٹی اپنے دشمنوں کا مقابلہ کر رہی ہے کبھی کبھی غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں۔ جنگل کٹتا ہے تو کھپچیاں اڑتی ہی ہیں۔"

"لیکن اس سے میری مشکلات میں تو کوئی کمی نہیں ہوتی کامریڈ کاگنووچ۔"

"بالشویک کو جفاکش اور دلیر ہونا چاہیئے۔ سرمایہ داروں کے ایجنٹ ہمارے پیچھے لگے ہیں اور ان کو چن چن کے ختم کرنا ضروری ہے۔

—— تلوار ہی کیوں نہ استعمال کرنی پڑے۔"

میں خاموش رہا۔

دوسرے دن مجھے تگن روگ (Tayanrog) کے کارخانے میں کام کرنے کے احکام مل گئے۔

نکوپول میں جب چارج دے رہا تھا تو وروگن آپہنچا۔

"تو تم جا رہے ہو میں؟ سمجھتے ہو کہ ہمارے ہاتھوں سے نکل گئے ہو —— دنیا کا کوئی کونا ایسا نہیں جہاں تم ہم سے بچ کے جا سکو۔"

"یہ تمہارا اپنا معاملہ ہے۔"

"افسوس میں نے تمہیں جیبی کیوں نہ پکڑ لیا۔"

"لیکن وروگن تم میرے اتنے دشمن کیوں ہو رہے ہو؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"

"یہ میرا اپنا معاملہ ہے۔"

میں اپنے ملک اور عوام کی خدمت کا عزم لے کے ۱۹۳۵ میں نکوپول آیا تھا —— لیکن اب تین سال کے

بعد قطعی طور پر مایوس اور دل شکستہ ہو کے جا رہا تھا!

پھولوں کا شہر

تکن روک کبھی باغوں اور پھولوں کا شہر ہوتا تھا اب چمنیوں دود کشوں اور لمبی لمبی بارکوں کا شہر تھا جن میں میلے کچیلے مزدور رہتے تھے، اینڈریف (Andreev) پلانٹ میں ریل گاڑی کے پہیئے لوہے کی چادریں اور نالیاں بنتی تھیں مجھے نالیاں بنانے کا انچارج مقرر کیا گیا تھا۔ اور رہنے کو ایک خوشنما سا مکان مل گیا۔

افسروں کے مکانات ایک جگہ تھے۔ اُن کے گرد لمبے لمبے گھنے درختوں کے جھنڈ تھے مزدوروں کی تاریک جھونپڑیاں جن کی اوٹ میں چھپ جاتی تھیں۔ افسروں کی کوٹھیوں کے درمیان بہت خوبصورت سڑک تھی جس پر سُرخ بجری بچھی ہوئی تھی۔ پاس ہی نہانے اور مچھلیاں پکڑنے کے تالاب تھے جو افسروں کی تفریح کے لئے مخصوص تھے۔ اس کے علاوہ ایک پارک تھی جس میں شام کو پرندے میٹھی تانیں اڑاتے۔ ایک چھوٹا سا خوبصورت ہوٹل بھی تھا جس میں افسر شام کو کچھ کھایا پیا کرتے تھے

لیکن اس خوبصورت ماحول میں ایک بہت بڑی کمی تھی جو بڑی شدت سے محسوس ہوتی تھی اور وہ کمی تھی کسی ہنستے ہوئے چہرے کی جو درختوں کے جھنڈ میں مچھلیاں پکڑنے کے تالاب پر پارک میں کہیں بھولے سے بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔

اس کارخانے کے تقریباً نصف مزدور منشری اور افسر گرفتار ہو چکے تھے۔ استبداد کی لہر جو چند مہینے پہلے بڑے شباب پر تھی اب کسی قدر سرد ہو چکی تھی لیکن اس کا دھڑکا دلوں میں اسی طرح باقی تھا۔ ردستوف صوبہ کمیٹی کا سیکرٹری بھی نیا تھا جسے سٹالین نے اپنے دفتر سے بھیجا تھا اور کارخانے کا ڈائرکٹر سیمان رسنی کوف (Semonresnikov) بھی نیا تھا

کارخانے کا سابق ڈائرکٹر امریکہ میں رہ چکا تھا اور امریکہ کے کام کرنے کے طریقوں سے بڑا متاثر تھا اُس نے اس کارخانے کو بھی اُسی صفائی اور سلیقے سے چلانے کی کوشش کی تھی لیکن اب اس کی گرفتاری کے بعد اس کی حالت بڑی خراب تھی کام میں باقاعدگی نہیں تھی۔ ہر جگہ گڑبڑ تھی۔ اور کام کرنے کو سرے سے کسی کا جی نہیں چاہتا تھا۔

یہاں پہنچتے ہی مجھے معلوم ہو گیا کہ میرے حالات کی اطلاع مجھ سے پہلے یہاں پہنچ چکی ہے۔ نکر پول کمیٹی اور

وردگن نے تمام "مواد" بھیج دیا تھا۔ مقامی افسر آتے ہی مجھے شُبے کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔

یہ حالات بڑے افسوسناک اور حوصلہ شکن تھے۔ میری مایوسی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یہاں بیگار کا رواج تکوپول سے بھی زیادہ تھا۔ خفیہ پولیس والے پیسے خود وصول کرتے اور کسانوں کو پکڑ لاتے اور ان سے مفت کام کرواتے۔ مسلح پہرے میں اُنہیں ہر روز تقریباً بارہ گھنٹے سامان اُتارنے اور لادنے کا مشکل اور کٹھن کام کرنا پڑتا۔

مجھے یہاں آئے ہوئے مشکل سے دو ہفتے ہوئے ہوں گے کہ خفیہ پولیس نے مجھے دفتر میں طلب کیا۔ پولیس کے اقتصادی ڈویژن کے نائب افسرِ اعلیٰ نے مجھ سے ملاقات کی۔ جب میں اُس کے کمرے میں پہنچا تو وہ اُن کاغذات کا مطالعہ کر رہا تھا جو وردگن نے اُسے بھیجے تھے۔ اُس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"میں تمہارے کام کی خاص طور سے نگرانی کروں گا۔ میں نے تمہیں بلایا ہے کہ تم سے ملاقات ہو جائے۔ مجھے کچھ اپنے حالات سناؤ"۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کون سے حالات سنائے جائیں۔ معلوم تو ہوتا ہے کہ آپ کو سب کچھ معلوم ہے"۔

"نہیں نہیں محترم کامریڈ جنکو سب کچھ تو کسی کو بھی معلوم نہیں ہوتا۔ مثلاً مجھے یہ بتاؤ کہ تم انجینئر نکولائی کو کب سے جانتے ہو اور کیسے جانتے ہو؟"

نکولائی اسسٹنٹ چیف انجینئر تھا۔ ہم اکٹھے کام کر چکے تھے اور میرے دل میں اُس کی بڑی عزت تھی۔ خفیہ پولیس کے افسر نے کہا: "تمہارے یہاں آنے میں اُس کا کہاں تک ہاتھ ہے؟"

"مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ یہاں ہے"۔

"تو پھر اُس نے روسی کوف سے تمہاری تعریف کیسے کی؟"

"مجھے معلوم نہیں۔ مجھے جانتا تھا۔ شاید اُس نے بے مقصد ہی بات کی ہو"۔

"ہمیں تو یہ بات بے مقصد معلوم نہیں ہوتی۔ مجھے تو اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ ایک غیر کمیونسٹ جس کی وفاداری قدرتی طور پر مشکوک ہے، ایک کمیونسٹ کی بے مقصد تعریف کرے!"

پھر اُس نے سابق ڈائریکٹر کولونیکوف (Kolonikov) کے متعلق سوالات پوچھنے شروع کر دیئے۔

"میں نے ذرا درشتی سے کہا: کامریڈ میں نے ان سوالوں کا ہزاروں دفعہ جواب دیا ہے۔ ڈیڑھ سال میں انہی سوالوں کا جواب دیتا رہا ہوں۔ میں تنگ آچکا ہوں۔ مجھے ماسکو سے یہاں کام کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے"۔

"جوش میں نہ آؤ کامریڈ کراوچنکو۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی ایک دفعہ بری ہو جانے کے بعد بھی گرفتار ہو جاتا ہے"۔

میں نے اُس کا اشارہ پا لیا اور اس کے سوالوں کا جواب دینا شروع کر دیا۔ اُس کی باتوں سے مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ نکوپول کی طرح یہاں بھی ہر شخص کے پیچھے جاسوس لگے ہوئے ہیں۔ یہ بھی مجھے معلوم ہو گیا کہ یہاں کی خفیہ پولیس نکولائی کو پھنسانے کی فکر میں ہے۔ اور وہ بیچارہ میری طرح "اِدھر اُدھر" کی باتوں کی تلخی بھگت رہا ہے۔

اگلے دن صبح ہی صبح میں سوویت حکومت کے کروڑوں روبل خرچ کر رہا تھا! مجھے اس طنز پر بڑی ہنسی آئی۔

میرا یہاں کا قیام بہت مختصر ثابت ہوا۔ ایک صبح مجھے ماسکو سے تار آگیا کہ میں فوراً ماسکو پہنچ جاؤں۔

کمسر کاگنووچ بڑی جلدی میں تھا۔ اُس نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

"یورال کا نیا کارخانہ غداروں اور سازشیوں سے بھرا پڑا تھا۔ وہاں بڑا نقصان ہوا ہے۔ ہمیں وہاں قابل اور سیاسی طور پر قابل اعتماد انجینئروں کی ضرورت ہے ــــ"

"لیکن میں تو بڑا پاپی ہوں ــــ" میں نے ہنس کے کہا۔

"مجھے معلوم ہے۔ لیکن ہم تم پر اعتماد کرتے ہیں۔ ان باتوں کو چھوڑو کراوچنکو۔ جو ہوا سو ہوا۔ ہم تمہیں پائپ بنانے کے سب سے بڑے کارخانے کا انچارج بنانا چاہتے ہیں۔ یہ کارخانہ روس ہی کا سب سے بڑا کارخانہ نہیں۔ یورپ کا سب سے بڑا کارخانہ ہے"

"لیکن میں یورال جانا نہیں چاہتا۔ میں تھک گیا ہوں میں وہاں کیا کروں گا؟"

نووٹربنی (Novo Trubni) پلانٹ سوردلوسک سے چالیس میل کے فاصلے پر پرودرسک (Pervouralsk) کے مقام پر ایک ویرانے میں بنایا گیا تھا۔ اس کے گرد ہمیشہ طرح طرح کے خطرناک سانپ اور کیڑے مکوڑے گھنے جنگل اور قیدیوں کے کیمپ تھے۔ تکمیل سے بہت پہلے اس میں کام شروع ہو گیا۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ جو مال تیار ہوتا تھا سخت ناقص تھا۔ لیکن اس کی سزا وہاں کے ہزاروں مزدوروں مستریوں اور انجینئروں کو بھگتنی پڑی جو عوام کے دشمن ثابت ہو کے پاس کے کیمپوں میں پہنچ گئے یا مارے گئے۔

"میں وہاں کے حالات جانتا ہوں اس لئے تمہاری پوری مدد کروں گا۔ تمہاری ہر ضرورت ہر آرزو پوری کی جائیگی"

"میری آرزو یہی ہے کہ میں تگن روگ میں رہوں"

"بہت افسوس ہے۔ میرا خیال تھا کہ تم پارٹی کے اعتماد کی قدر کرو گے۔ بہرحال تمہیں حکم دیا جاتا ہے ــــ"

نووٹربنی میں ماہوار جتنا مال تیار ہو رہا تھا وہ اُس کے معیار کے تیس فی صدی سے زیادہ نہیں تھا۔ اخبارات میں آئے دن اس کے بارے میں مضمون نکلتے رہتے تھے جن میں اس کارخانے کے انتظام کو بہت بدنام کیا جا رہا تھا۔ مجھے روس کے سب سے بدنام کارخانے کا افسر مقرر کیا جا رہا تھا! قسمت کے اس کھیل پر مجھے ہنسی آگئی۔

ماسکو میں اس وقت جو حالات تھے وہ میری مایوسی میں اضافے کا باعث بن رہے تھے۔ مارچ ۱۹۳۸ء کا دوسرا ہفتہ تھا اور دورِ استبداد کا تیسرا اور سب سے بڑا مقدمہ چل رہا تھا۔ روسی عوام لینن کے ساتھیوں پر بڑے بڑے الزامات سننے اور اُن کے اقبال نامے سننے کے عادی ہو چکے تھے۔ اب انہیں اُن پر حیرت بھی نہیں ہوتی تھی۔ رائکوف کرسٹنسکی بخارین اور لینن کے دوسرے ساتھیوں کو اپنی آنکھوں سے گولی کا نشانہ بنتے دیکھ چکے تھے۔

میں کامریڈ مشا سے بھی ملا۔ وہ ان باتوں پر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتے تھے۔ سسکیوں کے درمیان انہوں نے مجھے بتایا کہ سٹالین اپنے گناہوں پر پردہ ڈالنے کے لئے کمیونسٹ پارٹی کی نئی تاریخ لکھوانے والا ہے ...... تمام پرانی کتابیں لائبریریوں سے نکلوائی گئی ہیں ــــ "ہم تو خیر اس نئی تاریخ پڑھیں گے یا اپنا سر پیٹ لیں گے وکٹر لیکن ایک نئی

پود پیدا ہونے والی ہے جو ان باتوں کو نہیں جانتی!" ان حالات کے درمیان مجھے یورال کے کارخانے کو سنبھالنے پر مقرر کیا گیا۔

سوردلوسک کے سٹیشن پر نوو ٹربنی کا ایک افسر میرے استقبال کے لئے موجود تھا۔ اتفاق سے وہ میرا دوست تھا۔ میں اس سے کھل کے باتیں کر سکتا تھا۔ ہمیں چالیس میل کا راستہ موٹر میں طے کرنا تھا۔ اُس نے مجھے جو حالات بتائے ان سے میرے بدترین خدشات کی تصدیق ہو گئی۔ چھ ہزار مزدوروں کے خاندان تقریباً ۱۸ ہزار افراد نہایت بدحالی اور خستگی کی زندگی گذار رہے تھے۔ جو لوگ اُس علاقے کے باشندے تھے یا جو بیگار میں پکڑے ہوئے تھے انہی پر بھروسہ کیا جا سکتا تھا۔ کہ وہ نہیں بھاگیں گے۔ ورنہ جس کو موقعہ ملتا تھا وہاں سے بھاگ جاتا تھا۔ کاریگر بہت دل شکستہ تھے اور ذمہ داری سے گھبراتے تھے۔ تنہائی اور ویرانی کی وجہ سے انہیں محسوس ہوتا تھا کہ وہ جلاوطن کر دیئے گئے ہیں۔ وہ ہر لحظہ تبدیلی کرانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔

کارخانے کا نیا ڈائرکٹر اوسادچی (Osadchi) مجھ سے پہلے پہنچ چکا تھا۔ یہ حالات دیکھ کے اُس کے ہوش بھی اڑ رہے تھے۔ ملاقات کے بعد جب ہم دونو اکیلے رہ گئے تو اُس نے کہا۔

"دکٹر کراوچنکو۔ آپ مانیں گے کہ ہم آفت میں پڑ گئے ہیں۔ پوری طرح کام چلانے میں تو کئی سال لگیں گے۔ یہاں تو کچھ بھی نہیں۔ اسے کارخانہ کہا ہی نہیں جا سکتا۔ یہ تو کارخانے کی ابتدا ہے۔"

اور مزدوروں کی کوٹھڑیوں کو دیکھ کے میری مایوسی کی تکمیل ہو گئی۔ "عوام کے دشمن قیدیوں" اور "آزاد پرولتاریوں" کی بارکوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ گرمیوں میں تنور کی طرح گرم ہو جائیں۔ برسات میں ٹپکنے لگتیں اور برف گرے تو یخ کی طرح جم جاتیں۔ میں نے کچھ عورتوں سے باتیں کیں۔ وہ بڑی جلی ہوئی تھیں۔ سمجھتی تھیں کہ اُن کی مصیبتوں کا ذمہ دار میں ہوں کھیتی اور کاشتکاری کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ ہمارے پاس چھ گاڑیاں تھیں۔ اور اٹھارہ ہزار افراد کی ضروریات زندگی انہی کے ذریعے منگوائی جاتی تھیں۔

مزدوروں کے جھونپڑے دیکھ کے میں اپنے مکان میں آیا تو شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ میرا مکان نہایت خوبصورت اور عالیشان تھا۔ کمروں میں قالین بچھے تھے۔ دیواروں پر تصویریں لگی تھیں۔ اور صوفوں پر بڑی نفیس اور کاڑھی ہوئی گدیاں رکھی تھیں۔ ادھیڑ عمر ڈیوبنا کھانا پکانے کے لئے ملازم تھی۔ گیراج میں ایک خوبصورت اور نئی کار بند تھی۔ کیچڑ میں چلنے کے لئے ایک زرد گاڑی اس کے علاوہ تھی۔ میری تنخواہ ۳۷ ہزار روبل تھی۔ مزدور کو ۱۵۰ اور مستری کو ۲۵۰ روبل ملتے تھے۔ اور تربیت یافتہ انجینئر کو تقریباً ۶۰۰ روبل

سب سے پہلے میں نے کارخانے کی صفائی کرائی پھر اُن کے اوزاروں کا معائنہ کیا اور ان کی مرمت کی۔ جب یہ کام ہو چکا تو میں بھٹیوں کی طرف متوجہ ہوا۔ تیاریوں میں ہمیں بہت دن لگ گئے۔ آخر کار جب ہم کام کرنے کے قابل ہوئے تو میں نے مزدوروں کا ایک جلسہ بلایا اور اُس میں مزدوروں سے تقریریں کرائیں۔ مزدوروں میں پہلی بار کام کرنے کی امنگ پیدا ہوئی۔ اگلے دن کام نئے عزم سے شروع ہوا۔ مئی میں ہم مقررہ معیار کے ۸۰ فیصد تک پہنچ گئے۔ مال کی ساخت بھی بہتر ہو گئی۔

اگر میں ۲۴ گھنٹے ان تھک محنت نہ کرتا تو یہ ترقی ممکن نہ تھی۔ کارخانے کے کام کے علاوہ میں مزدوروں کے کھانے

پیشنے اور ان کے بچوں کی صحت اور طبی امداد کی خود نگرانی کرتا ۔ میرے ماتحت افسروں نے بھی مجھ سے تعاون کیا اور مزدور، اور افسر آپس میں بے تکلف باتیں کرنے لگے ۔

یہاں کی فضا اندرونی طور پر تو صاف ہو چکی تھی لیکن خارجی اثرات ابھی تک پریشان کن تھے ۔ خفیہ پولیس کی آنکھیں اندھیرے میں گھورتی ہوئی دکھائی دیتیں ۔ جاسوسوں کی موجودگی کا احساس ہر وقت ذہن میں موجود تھا، اور اکثر واقعات ایسا ہوا کہ خفیہ پولیس کو کارخانے کی بعض تفصیلات کا علم مجھ سے بھی پہلے ہو گیا ۔

آئے دن تحقیقاتی کمشن کام کا معائنہ کرنے یا کارخانے کے ملازموں سے سوالات پوچھنے کے لئے آتے رہتے کبھی ریجنل کمیٹی سے کبھی ماسکو کی مرکزی کمیٹی سے کبھی محکمۂ صنعت سے اور کبھی خفیہ پولیس کے ہیڈ کوارٹر سے ۔ یہ کمشن "غداروں" اور "سازشیوں" کی ٹوہ لیتے پھرتے تھے ۔ اور معصوم مزدوروں کا ذہنی سکون درہم برہم کرتے رہتے ۔ لیکن ہمارا کام جاری تھا ۔

کام کے معیار کو پورا کرنے میں ہم نے جو ترقی کی تھی اُس سے میرے لئے کافی خوشگوار فضا قائم ہو گئی ۔ ایک صنعتی اخبار میں کارخانے کے حالات چھپے جن میں لکھا گیا ۔ "پلانٹ تباہ ہو چکا تھا لیکن اب ایک کمیونسٹ پارٹی کے ایک نوجوان ممبر انجنیر کامریڈ کراوچینکو کی محنت سے کیفیت بدل گئی ہے ۔"

اُس نے میری تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے ۔ وہ میرے پاس کئی گھنٹے بیٹھا رہا ۔ تعریف کے بعد اس نے مجھے کُریدنا شروع کر دیا ۔ اُس نے کام کے بارے میں تفصیلات پوچھیں اور مختلف افراد کے "سیاسی خیالات" کے بارے میں سوال کئے ۔ معلوم ہوتا تھا کہ اُسے کارخانے کے تمام حالات کا علم ہے ۔ اس پر دل میں مجھے سخت غصہ آیا ۔ آخر میں اُس نے کہا "سازشوں کے لئے آپ نے واقعی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی" اور اُس کے منہ سے ان الفاظ کا سننا واقعی تعریف تھا ۔ "اس لئے میں آپ کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا ۔ لیکن آج رات آپ مجھ پر ایک احسان کریں ۔ میں آپ کو تھوڑی دیر میں اطلاع دوں گا کہ آپ کس وقت آئیں ۔"

رات کے دو بجے میں دفتر پہنچا ۔ پارشین نے بڑی گرمجوشی سے میرا خیر مقدم کیا اور بڑے تکلف سے کرسی پر بٹھایا ۔

"آرام سے بیٹھئے ۔ ممکن ہے آپ کو زیادہ دیر بیٹھنا پڑے ۔"

"بات کیا ہے ؟"

"بات یہ ہے کہ ہم نے یہاں ایک "عوام کے دشمن" کو گرفتار کیا ہے ۔ ہمارے پاس اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ سے پہلے کارخانے کو جو نقصان پہنچا تھا اسی کی سازش کا نتیجہ تھا ۔ لیکن آدمی ضدی ہے ۔ میرا خیال ہے کہ میں آپ کی موجودگی میں اُس سے بات کروں ۔ آپ جیسے ماہر کی موجودگی میں وہ مجھے دھوکا نہیں دے سکے گا ۔"

"سچی بات یہ ہے کہ مجھے سرے سے ان باتوں سے نفرت ہے ۔"

"کمال ہے ! لینن نے نہیں کہا تھا کہ ہر اچھے کمیونسٹ کو خفیہ پولیس کا رکن ہونا چاہیئے ؛ لیجئے میں اُسے بلاتا ہوں ۔"

اُس نے گھنٹی بجائی ۔ اور پہریدار کو حکم دیا ۔

"قیدی کو حاضر کرو ۔"

پارشین نے میز کی دراز سے کچھ فائلیں نکال لیں۔ اپنا ریوالور جیب سے نکال کے میز پر رکھ دیا۔ تھوڑی دیر میں دروازہ کھلا اور دو پہریداروں کے ریوالوروں کے درمیان ایک ڈھانچہ سا لڑکھڑاتا ہوا آکے کھڑا ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر جمے ہوئے خون کی دھاریاں تھیں۔ کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور سر جھکا ہوا تھا۔ اُس کے ہاتھ پیٹھ پر بندھے ہوئے تھے۔

پارشین نے اُس کے الزامات پڑھنے شروع کر دیئے تاکہ میں "حالات" سے باخبر ہو جاؤں۔ وہ گزشتہ ۲ ماہ قید میں تھا۔ اُس کی عمر چالیس سے کچھ زیادہ تھی۔ وہ کارخانے کی تعمیر کا انچارج تھا۔ نووٹربنی پلانٹ سارے کا سارا اُس نے بنوایا تھا۔ اس کی طرف دیکھ کے میں دل میں کہے بغیر نہ رہ سکا ۔۔۔ خُدا کا شکر ہے۔ ورنہ یہاں کرادچنکو کھڑا ہوتا!

الزامات کے اعلان کے بعد پارشین نے گرج کر قیدی سے پوچھا۔

"تم نے بھٹیوں کے اوپر لکڑی کی چھتیں ڈلوائیں۔ تمہیں معلوم نہیں تھا کہ انہیں آگ لگ سکتی ہے؟"

قیدی نے بڑے سکون سے جواب دیا "تجویز تو تھی کہ چھت لوہے کی ہو لیکن ماسکو سے حکم آگیا جس پر کامریڈ ارزونی کڈزے کے ذاتی دستخط تھے۔ کہ لوہے کی کمی کی وجہ سے لکڑی کی چھتیں ڈالی جائیں۔ میں حکم کو غلط سمجھتا تھا۔ لیکن کر ہی کیا سکتا تھا؟"

"آپ کا کیا خیال ہے؟" پارشین نے مجھ سے پوچھا۔

"میرے محترم ۔۔۔"

"محترم نہیں۔ یہ عوام کا دشمن ہے" پارشین بولا۔

"خیر۔ قیدی صحیح کہتا ہے۔ اُس زمانے میں میں نکوپول پلانٹ میں تھا۔ یہ حکم ہمیں بھی پہنچا تھا۔ ہم نے بھی لکڑی کی چھتیں ڈالی تھیں۔"

کامریڈ پارشین کے چہرے پر خفت کے آثار نمودار ہو گئے۔

"کامریڈ کرادچنکو ۔۔۔ آپ کو شہادت کی ذمہ داری کا احساس تو ہو گا!"

"مجھے معلوم ہے"

"دوسرا سوال۔ تم نے ضروری انتظامات کئے بغیر بڑے پائپ بنانے کیوں شروع کر دیئے؟"

"بڑے پائپ بنانے کے لئے جن انتظامات کی ضرورت تھی وہ میرے بس میں نہیں تھے۔ ماسکو سے خط آیا تھا کہ تمام اوزار بہت جلد بہم پہنچا دیئے جائیں گے۔ لیکن ان کے بہم پہنچنے کی بجائے وہاں سے حکم آگیا کہ اتنے پائپ فلاں تاریخ تک تیار کر دو۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ ناممکن اور نقصان دہ ہے لیکن میں مجبور تھا ۔۔۔" میں دل ہی دل میں قیدی کی قابلیت کا قائل ہو رہا تھا۔

"آپ کو کیا کہنا ہے؟" پارشین نے مجھ سے خطاب کیا۔

"قیدی ٹھیک کہتا ہے۔ وہ چیزیں تو اب بھی نہیں پہنچیں ۔۔۔ اور شاید ابھی سال بھر اور لگ جائے۔"

"قطعی یقین کے ساتھ کہہ رہے ہیں؟"

"قطعی .... میں قیدی کو ایک سگریٹ پلا سکتا ہوں؟"

"ہاں"

میں نے سارا ڈبہ قیدی کی طرف بڑھایا لیکن پارشین نے ہاتھ بڑھا کے پکڑ لیا

"اس کے لئے ایک ہی کافی ہے"

انجنیر نے سگریٹ پکڑنے کو ہاتھ بڑھایا تو میں نے دیکھا کہ خون سے لتھڑ رہا ہے۔ جرح کئی گھنٹے جاری رہی۔ ہر معاملے میں دیانتداری کے ساتھ مجھے اسی کے ساتھ اتفاق کرنا پڑا۔ تقریباً ساڑھے پانچ بجے بیچارہ بیہوش ہو کے گر پڑا۔ میں نے آہستہ آہستہ گرتے ہوئے اُسے دیکھا۔ وہ مٹی کے ایک ڈھیر کی طرح بیٹھ گیا۔ پارشین نے اُس کے منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے۔ تھوڑی دیر میں اُس نے آنکھیں کھول دیں ایک سپاہی اُس کے لئے کرسی اٹھا لایا۔ وہ بیٹھا تو جرح پھر شروع ہو گئی۔ ساڑھے چھ بجے کے بعد غریب کو چھٹی ملی۔

پارشین مجھ سے مخاطب ہوا۔

"میں اس تحقیقات کا مقدمہ لکھنے والا ہوں۔ آپ اس پر دستخط کریں گے .... تکلیف معاف ......"

"اب سونا تو ممکن نہیں۔ آپ مجھے ذرا دفتر کی سیر کرا دیجئے" میں نے کہا

پارشین میری درخواست پر ٹھٹکا۔ پھر بولا۔

"سیر کی کیا بات ہے اس میں؛ لیکن آپ اصرار کرتے ہیں تو چلئے .... شاید آپ کو اندازہ ہو جائے کہ سوالات کے صحیح جواب کتنے ضروری ہوتے ہیں"!

ہم نے اپنے اوور کوٹ پہن لئے، پارشین نے پستول جیب میں ڈال دیا اور ٹوپی پہن لی۔ میں اُس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ ایک آہنی پھاٹک کے اندر گذر کے ہم ایک تنگ زینے سے نیچے اتر گئے۔ یہ ایک طویل تہ خانہ تھا۔ بجلی کی دھندلی روشنی اس کی اداسی میں اضافہ کر رہی تھی۔

تہ خانے میں چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں جن کے دروازے بند تھے اور باہر پہریدار کھڑے تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی پہریداروں نے سیلوٹ کیا۔ پھر ایک کوٹھڑی کا دروازہ کھولا۔ ہم اندر داخل ہو گئے۔

بیس آدمی اس چھوٹے سے کمرے میں موجود تھے جو ہمیں دیکھتے ہی گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔ اُن کی داڑھیاں بڑھی ہوئی تھیں، کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ چہرے زخمی تھے اور آنکھوں سے حسرت ٹپکتی تھی۔

کمرے میں سوائے ایک بالٹی کے جو پانی سے بھری تھی کوئی چیز نہیں تھی ایک ٹین کا ڈبہ اس کے ساتھ لٹک رہا تھا۔ کمرے میں زیادہ سے زیادہ پانچ آدمیوں کی جگہ تھی ـــــ لیکن یہاں بیس آدمی ٹھسے ہوئے تھے۔

باقی کوٹھڑیوں کا بھی اسی سے اندازہ کر لیجئے۔

"یہاں سے ہو کے جاتا ہوں تو میری بیوی گھر میں گھسنے نہیں دیتی۔ یہیں سے نہا کے جاتا ہوں۔ ورنہ میری بیوی کہتی

ہے کہ میرے کپڑوں سے بو آتی ہے — بات یہ ہے کہ یہاں کے روشن دان ہی خراب ہیں ——" پارشین نے ہنس ہنس کے کہا۔

چند دن کے بعد پارشین کا ڈرائیور میرے دفتر میں آیا۔ اُس کے پاس وہ مسودہ تھا جو پارشین نے بدنصیب انجنیر کے مقدمے کے بارے میں تیار کیا تھا۔ اور مجھے اس پر دستخط کرنے تھے۔

میں نے اسے غور سے پڑھنا شروع کیا۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ مجھ سے ایسی ایسی باتیں منسوب کی گئی تھیں۔ جو میں نے کبھی نہیں کی تھیں۔ پارشین نے اسے مجرم ثابت کر دیا تھا۔ میں نے سُرخ روشنائی سے اس کی تصحیح شروع کی اور کئی گھنٹوں کے بعد اُسے مکمل کیا۔ میں دستخط کرنے والا تھا کہ پارشین کا ٹیلیفون آیا وہ اس غیر ضروری تاخیر سے بہت ناراض تھا۔ میں نے اُسے کہا۔

"کامریڈ پارشین آپ نے جو کچھ لکھا بالکل غلط لکھا۔ میں نے اس کی اصلاح ——"

"آپ کو خفیہ پولیس کے کام میں مداخلت کرنے کی اجازت کس نے دی؟"

"کامریڈ پارشین آپ بھول رہے ہیں کہ میں کارخانے کا افسر اعلےٰ ہوں۔ اگر آپ نے مجھے پریشان کرنا شروع کر دیا تو میں کاگنووچ کو اطلاع دے دوں گا۔" اس دھمکی کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ پارشین نے فوراً معذرت کی۔ اور میں نے تصحیح شدہ مسودے پر دستخط کر دیئے۔

اس کے تین ہفتے بعد بدنصیب انجنیر کو رہا کر دیا گیا۔ وہ بالکل بے گناہ تھا اب اُس کی زندگی موت سے بدتر تھی — لیکن خفیہ پولیس کے جن افسروں نے اس کو زندگی کے تمام حسن اور لذت سے محروم کر دیا تھا وہ من مانی کرنے کے لیئے آزاد تھے۔ انہیں معمولی تنبیہ بھی نہیں کی گئی تھی!

ہمارے گیس سٹیشن کے لئے کوئلے کی کانی یورال ٹرسٹ سپلائی کیا کرتا تھا۔ اگر گیس میں کوئی خرابی ہوتی یا کوئلے کی کافی مقدار میں نہ پہنچتی تو میں یورال ٹرسٹ کے افسروں کو ٹیلیفون کرتا۔ وہ خفیہ پولیس سے پوچھتے کیونکہ یہ اُن کی ذمہ داری تھی۔ سوردلوسک میں ہزاروں قیدی عورتیں اور مرد کوئلہ نکالتے تھے۔ بجلی کا انتظام بھی اسی کوئلے سے کیا جاتا تھا میں اس منظر سے بچنے کی کوشش کیا کرتا تھا۔ کیونکہ ہفتوں میرا دل پریشان رہتا تھا۔ لیکن ان سے بچنا ہمیشہ میرے بس کی بات نہیں تھی اس علاقے میں کیمپوں کی اتنی کثرت تھی کہ اب لوگ ان کی طرف دیکھتے تھے تو ان کے دل میں کوئی جذبہ پیدا ہی نہیں ہوتا تھا۔

ایک دفعہ میں اپنے ایک دوست کے ساتھ گھومتا ہوا ادھر ادھر کی طرف نکل گیا۔ درختوں کے ایک جھنڈ کی اوٹ سے نکلتے ہی میں نے دیکھا کہ تقریباً تین سو مرد و عورتیں گھٹنوں گھٹنوں گہرے کیچڑ میں کھڑی کوئلہ نکال رہی ہیں۔ انہوں نے میری طرف دیکھنے کی تکلیف گوارا نہیں کی۔ اُن کے چہرے بے حد پژمردہ اور میلے تھے۔ وہ بالکل خاموش تھے اور چپ چاپ کام کئے جا رہے تھے۔ آپس میں بات تک نہیں کرتے تھے . . . .

یورال کے ویرانوں میں

یورال کی یادوں میں ایک واقعے کا تاثر میرے ذہن پر سب سے گہرا ہے۔ ہم نے کام بڑی محنت اور ترتیب سے شروع کیا تھا۔ اور بہت سی دقتوں کے باوجود آہستہ آہستہ اسے مقررہ معیار پر لے آئے ایک دن اچانک مجھے خبر ملی کہ ماسکو سے ایک کمشن یہاں پر سٹاخنوفزم رائج کرنے کے لئے آرہا ہے۔

مزدوروں نے تو چپ سادھ لی۔ لیکن مستری اور انجنیئر سخت دہشت زدہ تھے۔ ڈائرکٹر اوسادچی کے چہرے پر غم کی گھٹائیں چھا گئیں۔ اس نے مجھے کہا "وکٹر کراوچنکو ہماری شامت آگئی۔ ماسکو کے اخبارات بہت شور مچا رہے ہیں اور ہمیں کامیاب ہونا ہی پڑے گا۔ میری اور تمہاری جان خطرے میں ہے۔" لیکن کیا کیا جائے تم جانتے ہی ہو اس سے زیادہ کام ممکن ہی نہیں۔ باتوں سے اوزاروں اور مشینوں کا کام تو لیا نہیں جا سکتا۔"

لیکن اوسادچی کے دل میں کچھ اور ہی تھا۔ اس نے مجھ سے اس مال کی تفصیل مانگی جو ہمارے پاس تیار پڑا تھا۔ لیکن جس کی اطلاع ہم نے ماسکو نہیں بھیجی تھی۔

مجھے بعد میں اس کی سکیم کا علم ہوا۔ اس نے کمشن سے مل ملا کے ماسکو سے اس مال کا آرڈر لے لیا جو ہمارے پاس پہلے ہی تیار تھا۔ ہمیں صرف اُسے صاف کرنا اور بھیجنا تھا۔ یہ مال ہمارے تازہ کام میں شمار ہونے والا تھا۔

یہ بہت خطرناک قسم کا فریب تھا۔ کیونکہ ایک مہینے کے بعد ہم سٹاخنوفزم کا معیار قائم نہ رکھ سکتے تھے۔ اس بات کے کھل جانے کا یقین تھا۔ خفیہ پولیس والے بھی اس سازش میں شامل ہو گئے۔ کیونکہ سازش کی کامیابی کی صورت میں تحسین ملتی تو انہیں بھی حصہ پہنچ جاتا۔ اور اگر بھید کھل جاتا تو وہ کچھ اور آدمیوں

کو پکڑ سکتے تھے۔

میں نے اس میں شریک ہونے سے انکار کر دیا۔ جون کا مہینہ ختم ہوا تو میں نے تمام کاغذات فراہم کرلیے اور ایک مفصل رپورٹ لکھ کے رکھ لی۔ اس کی کاپیاں میں نے او سادچی اور سٹی کمیٹی کے سیکرٹری ڈف بنکو (Duvbenko) کو بھجوا دیں۔ انہوں نے مجھ سے ملاقات کی۔

"پاگل ہوئے ہو کراوچنکو؟ رنگ میں بھنگ ڈالنا چاہتے ہو۔ مقصد تو مزدوروں کا حوصلہ بڑھانا ہے۔ تمہیں اپنے فرض کا احساس نہیں؟"

میں نے انہیں صاف جواب دے دیا۔

سٹاخنوفزم کا مہینہ ختم ہو گیا۔ اور ہمارے شاندار کام کا چرچا روس بھر کے اخباروں میں ہوا۔ ماسکو سے رپورٹر آئے۔ انہوں نے ہمارے کارخانے کی اور ہماری تصویریں کھینچیں۔ کامریڈ کاگنووچ نے مبارکباد کا تار دیا۔

سب لوگ خوش تھے۔ لیکن میرا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ میں نے اسی رات کامریڈ کاگنووچ کے ملاحظے کے لئے ایک مفصل رپورٹ مرتب کی جس میں تمام واقعات بیان کئے اور ماسکو روانہ ہو گیا۔

ماسکو میں میں نے اپنے افسروں سے بات کی لیکن انہوں نے کوئی خاص توجہ نہ کی۔ پھر میں "فار انڈسٹریلائزیشن" کے ایڈیٹر سے ملا۔ کہانی سن کر اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس نے مجھ سے ایک مضمون مانگا۔ میں نے لکھ دیا اور اس کی ایک نقل "پراودہ" کو بھی بھیج دی —— لیکن یہ مضمون آج تک شرمندۂ اشاعت نہیں ہوا نہ کاگنووچ نے رپورٹ کا جواب دینے کی زحمت کی ہے ——!

۱۹۳۸ میں کمیونسٹ پارٹی کی تاریخ پر "نظر ثانی" ہو چکی تھی۔ اس کی اشاعت کے ساتھ استبداد کا دور ختم ہو گیا۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ دہشت ختم ہو گئی۔ لیکن سیاہ ٹرکوں کا استعمال ضرور ختم ہو گیا۔ بغیر مقدمے چلائے گرفتاریاں، پھانسیاں، جلاوطنیاں اور ایذائیں جاری تھیں۔ لیکن ان کا زور شور وہ نہیں تھا۔ کریملن کے افسروں کا ذاتی اندازہ یہ تھا کہ ڈیڑھ کروڑ آدمی نظربندوں کے کیمپ میں ہیں یا بیگار میں پکڑے ہوئے ہیں۔ روس کے صحیح حالات کا اندازہ باہر کی دنیا نہیں کر سکتی اس کی مثال ایک میدانِ جنگ کی سی تھی۔ جس میں ہر طرف لاشیں بکھری ہوئی تھیں اور جو زندہ تھے وہ زندہ رہنے کی کوشش میں ایسے مصروف تھے کہ ان لاشوں کی طرف توجہ نہیں کر سکتے تھے۔

پیپلز کمسرز کی کونسل کے تمام ممبروں میں سے صرف مالوتوف باقی تھا۔ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے جو نظری اعتبار سے حکمران ٹولی کا "دل و دماغ" تھی۔ ۱۳۸ ممبروں میں سے صرف ۲۰ باقی تھے

روس کی پارلیمنٹ کے ۷۰، ممبروں میں سے چند درجن کے سوا باقی سب گرفتار ہو گئے یا مارے گئے کمیونسٹ پارٹی کے اٹھارہ لاکھ ممبر خارج ہوئے اور اسی لاکھ کمسومل ممبروں کو قید جلاوطنی یا پھانسی کا شکار ہونا پڑا۔

لیکن ان اعداد سے اس خوفناک استبدادیت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا یہ اعداد بھاری تو ہیں۔ لیکن ان میں وضاحت نہیں، معنی نہیں، ان میں خون کی حرارت نہیں ہے چنگیز خاں جس کا نام تاریخ بہت مشہور قاتلوں میں شمار کرتی ہے۔ سٹالین کے سامنے ایک بچہ تھا۔ اناڑی تھا——— سٹالین نے اپنے ہموطنوں کا قتل عام کیا۔

کمیونسٹ پارٹی کی نئی تاریخ کی اشاعت قتل عام کے خاتمے کی علامت تھی۔

اس تاریخ کا کوئی ماضی نہیں تھا۔ کمال بے حیائی سے رُوس کے گذشتہ ایک سو سال کی تاریخ پر "نظر ثانی" کر دی گئی تھی۔ واقعات کو توڑ موڑ کے پیش نہیں کیا گیا۔ واقعات کو بدل دیا گیا——— اور اس غلط بیانی اور فریب کاری کے خلاف جتنی شہادتیں زندہ تھیں۔ انہیں مٹا دیا گیا۔ ادارہٴ تعلیمات مارکس انجیلز و لینن کے ڈائرکٹروں کو ہٹا دیا گیا۔ اس ادارے کی ماتحت درسگاہوں کا بھی یہی حشر ہوا زیادہ اہم آدمیوں کو قتل کر دیا گیا۔ معمولی آدمی گرفتار کر لیئے گئے۔ کمیونسٹ پارٹی کے شعبۂ نشر و اشاعت کے افسر اعلیٰ سیٹیٹسکی (Stetsky)، اور چیف ڈائرکٹر ایڈورالسکی بھی نئی تاریخ کا شکار ہو گئے۔ ہزاروں سیاسی، تاریخی اور ادبی انجمنوں کے کارکنوں کو راہی ملکِ عدم کر دیا گیا——— اور لامحدود دروغگوئی کی راہ ہموار ہو گئی۔ نئی "تاریخ" ممکن ہو گئی ....

مجھے اس نئی تاریخ پر ایک تقریر کرنی پڑی۔ میرا ہر لفظ میرے لئے ایک نشتر تھا۔ جو میرے پُرانے زخموں کو کریدتا تھا۔ مجھے محسوس ہوتا تھا۔ کہ میں اجتماعی کاشت اور یتیم بچوں کی مظلومیت کا مذاق اڑا رہا ہُوں۔ میں ان لاشوں پر ناچ رہا ہُوں جو میں نے دیہات میں سڑتی ہوئی دیکھی تھیں۔ مجھے یقین تھا۔ سامعین جانتے ہیں کہ میں جھوٹ بول رہا ہُوں۔

میں اور سامعین اس ذلّت کو برداشت کیسے کر گئے؟

سرکاری پروپیگنڈے کی مشینری پوری قوت سے حرکت کر رہی تھی۔ ایک طرف تو سرمایہ دار ملکوں کے عوام کی بدحالی کا نقشہ کھینچا جاتا تھا۔ دوسری طرف رُوس میں غیر ملکیوں کے "حملوں" کی تشہیر کی جاتی تھی۔ غیر ملکی اخبارات سے وہ اقتباسات شائع کئے جاتے تھے جن میں رُوس کی برائی کی گئی تھی ان "سازشوں" کا ذکر کیا جاتا جو روس کے خلاف کی جاتی تھیں روسی عوام کے حُب الوطنی کے جذبات اور ان کی قومی حمیت کو مشتعل کیا جاتا تھا۔

سرما کے آغاز میں ڈف بینکو نے مجھے بتایا کہ سپریم سوویٹ کے آئندہ انتخابات میں مجھے نمایاں حصّہ لینا پڑے گا۔ سنٹرل کمیٹی نے کامریڈ کزمن (Kuzmin) کو امیدوار نامزد کیا ہے اور نامزدگی کی رسمی تجویز میرے نام سے پیش کی جائیگی۔

"لیکن کزمن تو یہاں کبھی رہا ہی نہیں وہ ماسکو میں رہتا ہے —— اس کے علاوہ میں اُسے جانتا ہی نہیں۔"

لیکن میری آواز دبا دی گئی۔ مجھے اپنے امیدوار کے بارے میں کافی "مواد" مہیا کر دیا گیا اور میں نے اپنی تقریر کی تیاریاں شروع کر دیں۔

کئی دن کے بعد خوبصورت موٹروں کا ایک جلوس کارخانے پہنچا۔ میرا "امیدوار" جسے میں نے دیکھا بھی نہیں تھا۔ مسلح پہرے میں ایک کار سے نکلا۔ اس کی شکل و صورت عجیب تھی۔ اس کی ڈاڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ کپڑے میلے، بلوز پھٹا ہوا۔ سر پر مزدوروں کی ٹوپی۔ پاؤں میں فوجی بُوٹ —— مختصر یہ کہ وہ ایک پرولتاری کے بھیس میں تھا!

چار بجے جلسہ شروع ہوا۔ میں نے اپنی تقریر میں کہا "کزمن پارٹی اور عوام کا سچا خادم ہے۔ ملک کا سپوت ہے"۔ لوگوں نے تالیاں بجائیں اور "زندہ باد سٹالین" "زندہ باد سوویٹ روس" کے نعرے لگائے آخر میں کزمن سامنے آیا۔ اس نے لوگوں کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اگر وہ اسے منتخب کریں تو وہ "عوام کی خدمت" کرے گا۔ اس نے تقریر اس نعرے پر ختم کی "روسی عوام اور پارٹی کا دل و دماغ ہمارا محبوب لیڈر، اُستاد اور دوست کامریڈ سٹالین زندہ باد!"

سائبیریا

"نوجوان انجینئر کامریڈ وکٹر کراچینکو ممبر کمیونسٹ پارٹی کو سٹالنسک (Stalinsk) سائبیریا میں لوہے کے نئے کارخانے کا انچارج مقرر کیا گیا ہے"

یہ سطور ماسکو کے مشہور اخبار "انڈسٹریلائزیشن" کی ۲۸ فروری ۱۹۳۸ء کی اشاعت میں چھپیں۔ کارخانے کی ابھی نیو نہیں رکھی گئی تھی۔ لیکن نقشے وغیرہ مکمل تھے اور پروگرام یہ تھا کہ ۱۹۴۱ء میں کام شروع ہو جائے گا۔ اس کارخانے کی استعداد ۷۰۰۰۰۰ ٹن سالانہ مقرر کی گئی تھی۔ مولوتوف نے کمیونسٹ پارٹی کے آٹھویں اجلاس کیلئے جو تقریر لکھی۔ اس میں بھی اس کارخانے کی اہمیت کا ذکر آیا تھا۔

اتنے بڑے کام کیلئے منتخب ہو جانا مولوتوف اور سٹالن کی نظروں میں چڑھے بغیر ممکن نہیں تھا۔ اس خیال نے میرے گرد عظمت کا ایک ہالہ سا بنا دیا تھا۔ ایک اور قابلِ ذکر بات یہ تھی کہ میری تقرری کا اعلان کھلے اجلاس میں کیا گیا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ میں سیاسی اور اقتصادی امرا کے بہت اونچے حلقوں میں شامل ہو گیا ہوں۔ اُن دوستوں اور ساتھیوں کو جو میری مصیبتوں کے دنوں میں مجھ سے نظریں چراتے تھے فوراً یاد آ گیا کہ میں اُن کا گہرا دوست ہوں۔ اُنہوں نے تار دیئے اور اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا۔

سٹالنسک کا کام سنبھالنے سے پہلے مجھے ماسکو میں بہت سی ابتدائی تیاریاں کرنی تھیں۔ مجھے سرکاری خرچ پر میٹروپول ہوٹل میں ایک خوبصورت کمرہ مل گیا۔ روپے کی بھی کوئی کمی نہ تھی۔ سنٹرل کمیٹی کا "فرزند خاص" ہونا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ ان اونچے حلقوں کو قریب سے دیکھیئے تو وہ اتنے ظالم اتنے سنگدل اور اتنے وحشی معلوم نہیں ہوتے۔

یہی اندیشہ ابا کے دل میں تھا جب انہوں نے کچھ سچے دل سے اور کچھ طنزاً مجھے نصیحت کی کہ دیکھو عوام سے کٹنے کی کوشش نہ کرو۔ مجھے اُن سے یہ سن کر اور یہ محسوس کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ دولت نے "اونچے حلقوں" کے خلاف اُن کی نفرت اور عوام کے لئے محبت کو کمزور نہیں کیا۔

میرے اس "اعلیٰ" عہدے نے خفیہ پولیس والوں پر کوئی اثر نہ کیا۔ میں جب اپنے کمرے میں آتا تو اکثر محسوس کرتا کہ میری تلاشی لی گئی ہے۔ میرے نئے دوست مجھ سے کھل کر باتیں کرنے کی کوشش کرتے لیکن میں ہوشیار رہتا "حسینانِ ماسکو" سے بھی غافل نہ ہوتا اور اُن کی قربت سے بچنے کی کوشش کرتا۔ ماسکو میں حسین عورتوں کو "لیوبیانکا لیڈیز" کہا جاتا تھا۔ لیوبیانکا خفیہ پولیس کے ہیڈکوارٹر کا نام تھا۔

ایک رات میں اپنے کمرے میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ ایک سریلی آواز آئی۔ "پائٹر پیارے، میں بڑی اداس ہوں پیارے"

"خاتون! یہاں اس نام کا کوئی آدمی نہیں"

"مذاق نہ کرو ۔۔۔ پیارے ۔۔۔"

"میں تمہارا پیارا نہیں"

"ہوں۔ کسی اور کو لئے بیٹھے ہو نا۔ میں ابھی آتی ہوں"

اور بیس منٹ کے بعد میرے دروازے پر دستک ہوئی۔ لانبے قد کی ایک نہایت حسین اور خوش لباس عورت کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اس کی ٹوپی پر برف کے ننھے ننھے گالے چمک رہے تھے ۔۔۔ اس نے حیرانگی کا اظہار کیا لیکن مسکرائے جا رہی تھی۔

"پائٹر اندر ہوگا"

"یہاں کوئی پائٹر نہیں رہتا، میں رہتا ہوں۔ مجھے اجازت دیجئے کہ"

"لیکن تم سے خوبصورت نوجوان کو یہ اکھڑپن زیب نہیں دیتا"

"میں بہت مصروف ہوں"

"دلکش چہرے ہمیشہ مصروف رہتے ہیں ۔۔۔ کیسے ہو تم بھی۔ کرسی بھی پیش نہیں کرتے"

"خدا حافظ۔ تم بہت چالاک نہیں ہو۔ ابھی کچھ روز اور مشق کرو"۔ اور میں نے دروازہ بند کر لیا۔

مجھے تبلیس و پیٹرز بُرگ کے کارخانے میں کچھ کام تھا۔ گاڑی کا ایک پورا ڈبہ میرے لئے ریزرو کروا دیا گیا۔ میرا بھائی کانسٹن ٹائن مجھے لینے کیلئے پلیٹ فارم پر آیا ہوا تھا۔ اُس کی بیوی بھی اُس کے ساتھ تھی۔ میں سال بھر باہر رہا تھا۔ اور اُسے جانتا نہیں تھا۔ میں نے دونوں کا منہ چوما۔ پھر ہم نے سامان اٹھوایا اور دو گاڑیوں میں گھر کو روانہ ہوئے راستے میں وکٹر نے مذاق سے کہا۔

"وکٹر تم تو ماسکو کے کبوتر معلوم ہوتے ہو۔ تم تو چھوٹے پیمانے پر سٹالن ہو۔ میں نے کہا نہیں تھا کلو! کہ میرا بھیا بہت بڑا آدمی ہے؟"

اس کی باتوں میں ایا کے سے طنز کا انداز نہ تھا۔ اُسے عوام سے اور اپنے وطن سے بڑی محبت تھی۔ اسی لئے کئی سال کے بعد جب جرمنوں نے ہم پر چڑھائی کی تو وہ سب سے پہلے محاذ پر گیا اور مارا گیا۔

ابا اور امی بہت زیادہ ضعیف ہو رہے تھے جیسے بڑھاپا یکدم اُن پہ ٹوٹ پڑا ہو۔ تین بیٹوں کی مالی امداد سے وہ بہت ہی امیرانہ زندگی گذار رہے تھے لیکن زندہ رہنا اب بھی بہت کٹھن تھا جس قسم کی خوراک کی انہیں اس عمر میں ضرورت تھی دستیاب نہ ہو سکتی تھی۔ مزدوروں کی بدحالی کے زخم ابا نے اپنے دل پر کھائے تھے۔ ان کی صحت تباہ ہو چکی تھی تمام عمر انہوں نے اسی جدوجہد میں گذاری تھی۔ اور اب ان کی ذاتی سلامتی بھی ان کے لئے کسی تسکین کا باعث نہ تھی امی بہت کمزور تھیں لیکن ان کے چہرے پر سکون تھا۔ وہ سکون جو قناعت سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ مجھے مدت تک بھتی رہیں۔ انہیں یقین تھا کہ ان کی دعاؤں نے مجھے تباہی سے بچا لیا ہے۔

شام کو یوجین اور اس کی بیوی بھی آ پہنچے۔ یوجین کی بیوی انجینئر تھی۔ کانسٹانٹن کی استانی۔ ہم سب روس کی سیاسی زندگی سے اچھی طرح واقف تھے۔ ابا نے بار بار سیاسی موضوعات پہ بات کرنے کی کوشش کی لیکن ہم سب ایسے خوش اور مسرور تھے کہ انہیں موقعہ نہ مل سکا۔

اگلے دن میں کارخانے گیا۔ تمام کا تمام عملہ نیا تھا۔ مزدوروں میں البتہ کچھ ایسے تھے جو مجھے دس دس، پندرہ پندرہ سال سے جانتے تھے۔

"تم تو بڑے آدمی ہو گئے ہو ڈاکٹر۔ بڑی خوشی کی بات ہے" ایک نے کہا۔

"ہاں بوڑھے کرادچنکو کا بیٹا ایک دن کمسر ہو جائیگا" دوسرا بولا

لیکن ایک آدمی نے زیادہ متانت سے بات کی۔ وہ کہنے لگا۔ "ڈاکٹر ہم تو مشینوں کے ساتھ بندھ گئے ہیں۔ جیسے کسی زمانے میں مزارع زمینوں کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ زندگی بڑی مصیبت ہو گئی ہے ڈاکٹر۔ اب تم اُن میں ہو۔ تمہیں بتاؤ گے ہم انسانوں کی طرح کب زندگی گذاریں گے۔ ہم نے بائیس سال انتظار کیا ہے"

جب میں گھر پہنچا تو ابا کو منتظر پایا۔ یوجین اور کانسٹانٹن باہر تھے اور ابا اپنی "نظریاتی گفتگو" کی لذت سے محروم ہونے کیلئے تیار نہیں تھے۔ وہ مجھ سے تبادلۂ خیالات کرنا اپنا فرض بھی سمجھتے تھے کیونکہ میں نے ان سے "سیاسی جذبات" کا کچھ ورثہ بھی پایا تھا۔ انہیں یہ اندیشہ بھی تھا کہ کہیں طاقت اور شان و شوکت کے زعم میں مَیں بھی مزدوروں سے بے نیاز نہ ہو جاؤں۔

میں نے انہیں یقین دلانے کی کوشش کی۔ ہم گھنٹوں باتیں کرتے رہے دنیا میں وہی ایک ایسے انسان تھے جن کے سامنے میں اپنے زخم ننگے کر سکتا تھا۔ وہ خود مایوس تھے۔ میری حالت ان سے بدتر تھی۔ میرے شکوک اب نئے آقاؤں کیلئے سخت نفرت میں تبدیل ہو چکے تھے۔ مجھے اُن کے اشتراکی ڈھونگ سے نفرت تھی۔ مجھے اُن کی دہشت پسندی سے خوف آتا تھا۔

واپسی پر امی میرے ساتھ ماسکو چلی آئیں۔ انہوں نے دارالحکومت کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بڑی مشکل سے میں نے انہیں ساتھ چلنے پر رضامند کیا۔ میں نے انہیں لاکھ یقین دلایا تھا کہ راستے میں کھانے کو بہت کچھ ملے گا لیکن انہوں نے کھانے پینے کی چیزوں سے سوٹ کیس بھر لیا۔

انہوں نے ہوٹل ماسکوا کی شان و شوکت اور آرائشیں دیکھیں تو حیران رہ گئیں۔ میں نے انہیں ماسکو کے بڑے بڑے ہوٹل، تھیٹر، رقص گاہوں اور باغوں میں وہ ہفتے خوب گھمایا۔ ارینا (Irena) جسے میں کئی ہفتوں سے جانتا تھا عام طور پر ہمارے ساتھ رہتی تھی۔

ایک ہوٹل میں بیٹھے ہم چائے پی رہے تھے کہ امی نے کہا۔

"وکٹر تم مجھے ماسکو کیوں لائے تھے؟"

"کیوں امی تم خوش نہیں ہوئیں۔ میں تمہیں ماسکو دکھانا چاہتا تھا"

"ہاں ہاں ——یا شاید اس لئے کہ تم مجھے ارینا دکھانا چاہتے تھے؟" امی نے شرارت سے مسکرا کر کہا"

"شاید یہ بھی صحیح ہو امی۔ میں در اصل تنہائی سے اکتا گیا ہوں۔ مجھے بڑی اچھی لگتی ہے۔"

"تمہاری پسند کی میں تعریف کرتی ہوں۔ تم نے شادی کر لی ہے؟"

"نہیں لیکن ہم نے فیصلہ کر لیا ہے۔ وہ آجکل بہت مصروف ہے اور میں ویسے خوش ہوں —— میں اتنا بڑا کام شادی شدہ آدمی کی حیثیت سے شروع کرنا نہیں چاہتا"

ارینا لانبے قد کی خوبصورت لڑکی تھی۔ اس کی آنکھیں نیلی اور بڑی بڑی تھیں۔ بال سرخی مائل بھورے جو دھوپ میں چمکتے ہوئے بڑے دلفریب معلوم دیتے تھے۔

اُس کا باپ فرانسیسی تھا۔ ماں روسی تھی۔ وہ ماسکو کے ادبی اداروں کیلئے جرمن اور فرانسیسی کتابوں کا ترجمہ کیا کرتی تھی۔ میری اُس سے ایک دعوت میں ملاقات ہوئی تھی۔ اُس کی باتوں کی شیرینی ہونٹوں کی حلاوت آواز کے ترنم یا اسکی سادگی کسی نہ کسی چیز سے میں بہت متاثر ہوا۔ میں نے اُس سے اُس وقت کوئی بات نہ کی۔ اس کی موجودگی کا اگرچہ ہر لحظہ مجھے شدید احساس ہو رہا تھا۔ آخر میں جب میں نے اس سے کہا —— چلئے میں آپ کو گھر تک چھوڑ آؤں —— تو اس نے کسی حیرت کا اظہار نہ کیا جیسے وہ اسکی متوقع ہو۔

ہماری ملاقاتوں میں روایتی عشق و عاشقی کا سا کوئی قصہ نہ تھا۔ لیکن چند ہی ملاقاتوں کے بعد ہمیں معلوم ہو گیا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔

ایک دن میں امی کو زراعتی نمائش دکھانے کیلئے لے گیا۔ وہاں عمدہ نسلوں کے مویشی بھی تھے اور اچھے اچھے بیج بھی۔ امی ان چیزوں کو بڑے ذوق و شوق سے دیکھتی رہیں لیکن ان کے چہرے پہ خوشی کے تاثرات نہیں تھے جب ہم نمائش سے نکلے تو امی نے کہا۔

"وکٹر میں شاید پرانے زمانے کی عورت ہوں ...... ہمارے پاس اچھی نسل کے مویشی ہیں۔ اچھے اور ترقی یافتہ بیج بھی ہیں لیکن —— ہمارے ہاں دودھ نہیں گوشت نہیں۔ کھانے کو اناج نہیں۔ یہ چیزیں کیا ہوئیں؟ کال کیوں پڑا ہوا ہے؟ .... کاش میں ماسکو نہ آتی۔ یہ شہر روسی عوام کا شہر نہیں۔ زار کے زمانے کے جاگیرداروں کا شہر ہے۔ یہ امیروں کا شہر ہے جن کو مزدوروں اور کسانوں سے کوئی واسطہ ہی نہیں"

مغربی سائبیریا روس کے دفاع کیلئے بہت اہم تھا۔ جنگ کی صورت میں یہ علاقہ بہت مفید ہو سکتا تھا۔ اس علاقے کی صنعتی ترقی کے ساتھ ساتھ اسکی دفاعی اہمیت کو بھی پیش نظر رکھا گیا تھا۔ سٹالنسک کا پرانا نام کزنزگی تھا۔ اس کا نیا نام ہی اس بات کی ضمانت تھا کہ یہ شہر روسی حکومت کی نظر میں بہت اہم ہے۔ اور اسے بڑی ترقی دی جائیگی۔ اس شہر کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا اخباروں میں بڑے زور شور سے چرچا کیا جاتا تھا۔

میں نے اپنے محکمے کے افسر اعلیٰ کامریڈ کوزنی کوف سے درخواست کی کہ عمارت شروع کرنے سے پہلے مجھے جگہ دیکھنے کی اجازت دیجائے۔ اُسے غصہ آگیا۔ اسے حیرت ہوئی کہ میں اس مقام کا معائنہ کرنا چاہتا ہوں جسے محکمۂ عالیہ نے پسند کیا ہے۔ لیکن میں مُصر تھا۔ میں جانتا تھا کہ کافی تحقیق کے بغیر ذمہ داری قبول کرنے کے معنی اور ملکوں میں تو زیادہ سے زیادہ موقوفی ہیں لیکن روس میں جان کا خطرہ بھی ہے۔

چار دن کے سفر کے بعد میں اپنے چیف انجینئر جرارروف (Gerarrov) کے ہمراہ سٹالنسک پہنچ گیا۔ سٹیشن کی حالت بہت افسوسناک تھی۔ چاروں طرف غلاظت پھیلی ہوئی تھی۔

اسٹیشن کے گرد میلوں تک عمارتیں بن رہی تھیں ـــــ لیکن مزدوروں کے رہنے کا انتظام نہیں تھا۔ اس شہر میں زیادہ سے زیادہ تیس ہزار آدمیوں کی گنجائش تھی لیکن اب اس میں ہیں لاکھ آدمی رہتے تھے۔ بیگار کا رواج عام تھا اور قریب کے کیمپ میں آٹھ ہزار آدمی اسی سلسلے میں رکھے گئے تھے۔ ان سے بہت زیادہ کام لیا جاتا تھا اس لئے ان کی بنائی ہوئی عمارتیں بڑی کمزور تھیں۔

شہر کے پرانے مکانوں میں اسقدر آبادی تھی کہ تصور نہیں کیا جا سکتا۔ مزدوروں کیلئے عالیشان عمارتوں کے عقب میں چھوٹی چھوٹی بے شمار کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ ان کے علاوہ زمین میں تہ خانے بنائے گئے تھے جن میں ہوا کے گذر کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ ان ربلوں میں مزدوروں کے خاندان رہتے تھے انہی میں کھانا پکاتے اور یہیں سوتے تھے۔ روس میں افسروں کے رہنے کے بنگلے پہلے بنائے جاتے ہیں اور مزدوروں کی کوٹھڑیاں بعد میں ـــــ مزدوروں اور افسروں کا طبقاتی فاصلہ ماسکو کے "غیر طبقاتی" پروپیگنڈے پر ایک گہرا طنز تھا۔ سرکاری اعلانات اور غیر سرکاری حقائق میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

سٹالنسک کے مقامی افسروں نے ہماری بڑی آؤ بھگت کی وہ اپنے شہر کی عالیشان ترقی پر بہت خوش تھے ـــــ لیکن جب ہم نے ان سے اپنے کارخانے کی تعمیر کی باتیں کیں تو ان کے لب و لہجے سے اضطراب جھلکنے لگا۔ اور جرارروف اور میں نے بہت جلد محسوس کر لیا کہ یہ اضطراب بے وجہ نہیں تھا۔

سٹالنسک میں نئے کارخانے کا قیام قطعی طور پر ناممکن تھا۔ پہلے ہی جو کارخانے بن رہے تھے ان کو سیمنٹ اینڈھن اور غلے کی فراہمی میں بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ یہ چیزیں ملتی ہی نہیں تھیں۔ بیگاریوں کے باوجود مزدوروں کی بڑی کمی تھی۔ جو مزدور رہتے ان کیلئے رہنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ ایک کارخانے کا ڈائرکٹر دوسرے کارخانے کے مزدور چرا لیتا تھا اور حکومت کو اسی بات کے روکنے میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ بجلی

کا انتظام بہت ناقص اور ناکافی تھا۔

جب ہم نے اپنے کارخانے کی مجوزہ جگہ دیکھی تو گھبرا گئے۔ شہر سے کئی میل دور ایک گندے نالے کے کنارے کیچڑ اور ریت کا ایک وسیع قطعہ تھا جس تک پہنچنے کیلئے نہ تو سڑک تھی نہ ریلوے لائن اور نہ بجلی کے تار ہی وہاں تک پہنچائے گئے تھے۔ ہمیں ایک ویرانے میں شہر بسانا تھا اور اس کیلئے ہمیں جو وقت اور روپیہ ملا۔ بہت ناکافی تھا۔ زمین بھربھری اور گیلی تھی۔ اس پر پائدار عمارت نہیں بن سکتی تھی نہ اس میں بھاری مشین نصب کی جاسکتی تھی۔ جار روف اور میں دونوں سخت پریشان تھے۔ ہماری سمجھ میں یہ بات نہ آتی تھی کہ یہ کس کی سفارش پر منتخب کی گئی ہے اور کس کے کہنے پر ایک ایسے مقام پر کروڑوں روبل خرچ کئے جارہے ہیں جہاں کبھی کامیابی ممکن ہی نہیں۔

ہم اندھیرے میں تھے۔ لیکن ہم دونوں کا فیصلہ یہ تھا کہ اس کام کو سنبھالنا خود کشی کے مترادف ہے۔ ہم نے ضروری تفصیلات فراہم کیں۔ تصویریں بنوائیں اور ماسکو واپس آئے۔

مرکولوف اور اس کے تمام عملے کیلئے میری رپورٹ بجو نچال سے کم نہ تھی۔ کونی کوف کی آنکھیں بھی کھلی کی کھلی رہ گئیں ہر ایک کو اس بات کی فکر تھی کہ کسی طرح وہ آنے والی تباہی سے بچ جائے۔ جو لوگ اس کے ذمہ دار تھے وہ مجھے بری طرح گھور رہے تھے جیسے سارا قصور میرا ہے۔

اس کے بعد کانفرنسیں شروع ہوئیں اور ہفتوں جاری رہیں۔ مجھے دھمکیاں دی گئیں کہ اگر تم نے غوغا آرائی بند نہ کی تو تمہارا سر کاٹ دیا جائیگا لیکن میں اس بات پر اڑا رہا کہ میں کام نہیں سنبھالوں گا۔ آخر اس مسئلے کا ایک حل تلاش کر لیا گیا۔ سٹالنسک سے ۱۶۰ میل پرے کمی روفو کا شہر تھا کارخانہ قائم کرنے کے سلسلے میں سٹالنسک کے علاوہ یہ شہر بھی زیر غور رہا تھا۔ چنانچہ محکمے کے افسروں نے خوف کے مارے اسی شہر میں کارخانہ قائم کرنے کی تجویز کی حمایت شروع کردی ——— اور اس حمایت کیلئے انہیں بڑی بڑی دلیلیں بھی سوجھ گئیں۔

"بین الاقوامی سیاسی کھچاؤ خصوصاً جاپان سے ہمارے تعلقات اور سائبیریا کی صنعتی ترقی اس بات کی مقتضی ہے کہ یہ کارخانہ کمی روفو میں نصب کیا جائے۔ سٹالنسک کا کیا ہے!"

اب تک کسی کو یہ بات کہنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔

اب میں نے کمی روفو کے معائنے کی درخواست کی اسے کوئی رد نہیں کر سکتا تھا۔

خوش قسمتی سے یہ جگہ بہت مناسب تھی۔ شہر بہت وسیع و عریض تھا۔ اور اس میں کافی سے زیادہ مکانات ایسے تھے جو ہمارے کام آسکتے تھے۔ یہاں بھی بیگاریوں کا کیمپ تو تھا لیکن مقابلتہ چھوٹا تھا۔ شہر کی عام حالت خوشگوار تھی۔ اردگرد کے کسان اپنے گھر کے باغیچوں کی سبزیاں وغیرہ لا کے شہر میں بیچ دیتے تھے۔ قیمتیں ماسکو سے بہت کم تھیں۔ یورال کے مقابلے میں یہ شہر بہشت معلوم ہوتا تھا۔

میں نے جو جگہ کارخانے کیلئے منتخب کی وہاں پہلے ایک اور کارخانہ بن رہا تھا لیکن کسی نامعلوم وجہ سے اس کی تعمیر روک دی گئی۔ کچھ عمارتیں ادھوری کھڑی تھیں۔ بعض کی بنیادیں کھڑی تھیں۔ ریل کی پٹڑی بچھی ہوئی تھی۔ پانی بجلی

اور گیس کا انتظام موجود تھا - یہ انتظامات بہت مفید تھے - اس کے علاوہ شہر بالکل قریب تھا - مزدوروں کے رہنے کیلئے مکانات دستیاب ہو سکتے تھے - چنانچہ میں اور بعد میں سب حد خوش تھے - کمی روفو کے مقامی افسروں نے ہماری بجد تواضع کی - ہمارے کارخانے کے قیام کا مطلب شہر کیلئے ۵ کروڑ روبل تھے - مقامی اخبارات خوشی سے چلا رہے تھے - یہاں آنے کے فوراً بعد سٹی کمیٹی کے سیکرٹری سفرونوف ( ) سے ہماری ملاقات ہوئی خفیہ پولیس کے دو آدمی بھی پاس بیٹھے تھے جیسے محض اتفاق ہو گیا ہو - ان کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ انہیں سٹالنسک کے قصے کا پوری طرح علم ہے -

ابتدائی معائنے کے بعد میں ماسکو چلا گیا پھر کئی ہفتے لینن گراڈ میں گذارے - روپے اور مناسب عملے کی فراہمی کے بعد میں کمی روفو روانہ ہوا - اربنا مجھے گاڑی پر سوار کرانے کیلئے آئی - اسے صرف ایک ہی تسکین تھی کہ کام کے سلسلے میں مجھے اکثر ماسکو آنا پڑے گا -

محنت مایوسی اور بدد لی کا تریاق ہے - کم از کم میرے معاملے میں ایسا ہی ہوا جیسی سخت محنت میں دن بھر کرتا - رات کو ویسی ہی گہری نیند آتی - کام کے فوری تفکرات کا نشہ بہت سخت تھا - اس نشے میں میں قومی تباہی کی پریشانیوں کو وقتی طور پر بھول گیا - جس شدت سے میں حکومت سے متنفر تھا اسی شدت سے میں نے کام کرنا شروع کر دیا -

مجھے کروڑوں روبل خرچ کرنے کے اختیارات تو دے دیئے گئے تھے لیکن اپنے ماتحت عملے کے تقرر کا اختیار نہیں دیا گیا تھا - اونچے افسر براہ راست کمسٹر کے حکم سے آتے تھے - مجھ سے معمولی مشورہ بھی نہیں کیا جاتا تھا جیرار دوف بھی اوپر سے آیا تھا - خوش قسمتی سے وہ قابل بھی نکلا اور شریف بھی ----- لیکن ہم دونوں کو کچھ آدمیوں سے پالا پڑ گیا جو نالائق بھی تھے اور کمینے بھی - ان کے علاوہ کچھ لوگ محض اس لئے بھیجے گئے تھے کہ ہم پر نظر رکھیں اور خفیہ پولیس کو پوری طرح باخبر رکھیں -

شروع ہی سے ہم دفتری الجھنوں میں گرفتار ہو گئے - مجھے مسالے اور اوزاروں کی ضرورت تھی اور ان کا ذخیرہ کرنا تھا - ہزاروں مزدوروں کو فراہم کرنا اور ان کے لئے مکانات بنوانے تھے - عام حالات میں ان کاموں میں کوئی خاص دقت واقع نہ ہو سکتی تھی لیکن روسی حکومت میں تو ایک ایک قدم پر پوچھنا پڑتا تھا - ہزاروں دفتروں سے اجازت لینی پڑتی تھی - یہ دفتر طاقت کے بھوکے تھے لیکن ذمہ داری لینے سے گھبراتے تھے - چھوٹی چھوٹی باتوں کیلئے ہمیں ماسکو کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑتا تھا - ہم فارموں اور سوالناموں کی ایک دنیا میں رہتے تھے - ہر کاغذ کی سات سات نقلیں بھیجنی پڑتی تھیں - میں آپ کو تفصیلات میں الجھانا نہیں چاہتا - ایک واقعہ بتا دیتا ہوں - آپ اس سے اندازہ کر لیجئے -

ہمیں اینٹوں کی سخت ضرورت تھی - خفیہ پولیس ہمارے لئے ہزاروں بیگاریوں سے اینٹیں بنوا رہی تھی جو جو دو گھنٹے روزانہ کام کرتے تھے ----- لیکن وہ بہت بڑے بڑے بھٹے بیکار پڑے تھے - یہ بھٹے کسی اور محکمے کی ملکیت تھے جو ان کو کسی آئندہ ضرورت کیلئے مخصوص رکھنا چاہتا تھا - میں نے درخواستیں بھیجیں - دھمکیاں دیں - پیغامبر ماسکو بھیجے مگر بے سود -

ان کی لہریں نہ ٹوٹیں — اور جب تک میں یہاں رہا یہ بیکار ہی پڑے رہے۔ ان سے کوئی کام نہیں لیا گیا۔

اسی طرح مکانوں کا ایک معاملہ تھا۔ کسی کارخانے نے قریب ہی بہت سے مکان بنوا رکھے تھے لیکن وہ اپنی سکیم کی تکمیل نہ کر سکا تھا کیونکہ سرمایہ ختم ہو گیا تھا۔ میں نے ان مکانوں کو خریدنے کی بہت کوشش کی۔ میں ادھوری عمارتوں کو مکمل بھی کرا سکتا تھا لیکن مجھے اجازت نہ ملی۔ اور یہ مکان بھی میرے قیام کے دوران میں خالی پڑے رہے۔

ایسے ایسے سینکڑوں واقعات مجھے یاد ہیں جہاں معمولی معمولی رکاوٹوں کی وجہ سے بہت سا وقت اور سرمایہ ضائع ہوا چھوٹے چھوٹے کاموں کیلئے بیسیوں افسر تھے جو ایک دوسرے کی راہ میں روڑے اٹکانے کے سوا کچھ نہ کرتے تھے۔ میں ان کو الزام نہیں دیتا تھا۔ وہ سخت دہشت زدہ تھے۔ کمیونسٹوں کو اپنے حصے سے کہیں زیادہ مصائب برداشت کرنے پڑے تھے۔ گرفتاریوں اور مظالم نے ہر شخص کے حوصلے پست کر رکھے تھے۔ ماسکو کے مقدمات میں اس شہر کا ذکر بہت نمایاں طور سے آیا تھا۔ اسکی کوئلے کی کانوں اور بارود کے کارخانوں میں سے بہت زیادہ "غدار" پکڑے گئے تھے۔ یہ شہر "سازشیوں" کا سب سے بڑا مرکز ثابت ہوا تھا۔ مخالفین کا "خفیہ چھاپہ خانہ" بھی اسی شہر سے برآمد کیا گیا تھا۔

اس شہر کا سب سے بڑا "سازشی" کامریڈ نارکن تھا جس کا ذکر پیاتوکوف کیس کے سلسلے میں آیا تھا اور جسے بیان دینے سے چند گھنٹوں کے بعد قتل کر دیا گیا تھا۔ وہ کمیونسٹوں میں بھاری صنعتوں کے محکمے کا نمائندہ تھا — قسمت کی ستم ظریفی دیکھیئے کہ مجھے اسی کمرے میں بیٹھنا پڑا جس میں نارکن بیٹھا کرتا تھا اور اُنہی آدمیوں سے واسطہ پڑا جنہوں نے اس کے ساتھ کام کیا تھا اور جنہوں نے اس کے خلاف شہادتیں دی تھیں۔

ان لوگوں سے میرا روز کا واسطہ تھا۔ باتوں میں کبھی کبھار نارکن کا ذکر بھی آجایا کرتا تھا۔ نارکن کا ذکر کرتے ہوئے ان پر خوف اور شرم کے ملے جلے جذبات طاری ہو جاتے تھے۔ ان میں سے کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی کہ ہم نے خفیہ پولیس کے دباؤ کی وجہ سے جھوٹی گواہی دی تھی۔ بہت مدت کے بعد ایک آدمی ایسا نکلا جس نے میرے سامنے اقرار کر لیا

ایک دن بارود کے کارخانے میں ایک حادثہ ہو گیا۔ اس وقت ایک کمیونسٹ میرے پاس بیٹھا تھا۔ اس نے اچانک کہا۔

"ایسی ہی باتوں پر نارکن اور کئی اور آدمیوں کو جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔" غدار مر گئے ہیں لیکن حادثے باقی ہیں — شاید وہ اپنی قبروں میں پڑے شرارتیں کر رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔"

"لیکن نارکن نے تو اقبال کیا تھا کامریڈ — ؟" میں نے کہا۔

"بچوں کی سی باتیں کرتے ہو کرانچنکو! اگر وہ نقصان پہنچانا چاہتے تو کارخانہ بھک سے اڑ جاتا۔ انہیں چھوٹی موٹی شرارتوں کی کیا ضرورت تھی؟ مزدوروں کو زہر دینے سے انہیں کیا فائدہ تھا؟ اقبال نامے! یہ پہیلیوں کے افسانے تو غیر ملکی احمقوں کے لئے تھے بھائی"!

بارود کا کارخانہ روس کے دوسرے کارخانوں کی طرح بہت مشکل حالات میں چل رہا تھا۔ عمارت ناکافی اور کمزور تھی مزدور اناڑی تھے۔ اور انہی وجوہات سے چھوٹے موٹے کام بگڑ بھی جاتے تھے۔

"لیکن فائلوں میں بڑی مکمل ہدایات درج ہیں کامریڈ — اگر ان ہدایات پر عمل کیا جاتا تو حادثات رک سکتے تھے"

"تمہیں یہ معلوم نہیں کہ وہ ہدایتیں کس نے لکھی ہیں۔ اسی بدنصیب نارکن اور اس کے ساتھیوں نے لکھی ہیں جو بعد میں "عوام کے دشمن" ثابت ہوئے۔ سازشی کہیں اپنی "سازشوں" کو روکنے کے طریقے بھی بتاتے ہیں؟"

"نہیں"

"اسی لیئے حکومت نے ان فائلوں کو عدالت میں پیش نہیں کیا —— لیکن مجھے زبان نہیں کھولنی چاہیئے۔ میرا دل بھرا ہوا ہے۔"

کوئلے کی کانوں کا بھی یہی قصہ تھا۔ ایک دن سیکرٹری سفورروف نے مجھے دفتر میں طلب کیا۔ ایک کان میں پانی بھر گیا تھا۔ سارے شہر میں اس کی خبر مشہور ہو رہی تھی اور سفورروف پریشان تھا۔

"کامریڈ کیرادچنکو مجھے ربڑ کے بوٹوں کی ضرورت ہے۔ کان میں سے جو آدمی پانی نکال رہے ہیں ان کے لئے ضروری ہیں —— آپ کے پاس سنا ہے کافی جوڑے ہیں؟"

میں نے اسے جوتے مہیا کرنے کا وعدہ کیا۔ پھر میں نے حادثے کے بارے میں سوالات شروع کر دئے۔ میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ یہ حادثہ ہے یا کسی نے "غداری" کی ہے۔

نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ دنیا میں ایسی کوئی کان نہیں جس میں آگ نہ لگ جاتی ہو یا پانی نہ بھر جاتا ہو۔ حادثے تو ہوتے ہی رہتے ہیں —— اور ہمارے ہاں تو اوزار ہی بہت پرانے ہیں۔"

ہاں لیکن ماسکو کے مقدمات میں تو اس قسم کی بہت سی تفصیلات تھیں۔ اس زمانے میں تو یہ کانیں "غداروں" اور "سازشیوں" کا مرکز تھیں!"

سیکرٹری نے مسکرا کر میری طرف دیکھا پھر آنکھیں جھکا لیں اور موضوع تبدیل کر دیا۔

کمی روفو میں ایک سال قیام کرنے کے بعد مجھے اس خفیہ چھاپے خانے کی تفصیلات بھی معلوم ہوگئیں۔ میں ان لوگوں کے نام ظاہر نہیں کرونگا کیونکہ وہ ابھی زندہ ہیں اور روسی حکومت انہیں زندہ نہیں چھوڑے گی۔ صرف واقعات بیان کرتا ہوں۔ یہ صحیح ہے کہ کوئلے کی کانوں کے اندر ایک خفیہ چھاپہ خانہ واقع تھا۔ میں نے وہ جگہ اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ اس کی موجودگی کے آثار بھی باقی تھے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ اس چھاپے خانے پر ستالن کے خلاف اشتہارات بھی چھپتے تھے —— لیکن یہ چھاپہ خانہ نارکن نے نہیں لگایا تھا۔ یہ چھاپہ خانہ خفیہ پولیس نے لگایا تھا۔ خفیہ پولیس ہی نے اس پر اشتہار چھپوائے تھے۔ کام رات کے وقت ہوتا تھا اور ایسے لوگوں سے کروایا جاتا تھا جو یا تو قید کاٹ رہے تھے یا پھانسی کا انتظار کر رہے تھے تاکہ وہ کسی سے بات ہی نہ کر سکیں۔ خفیہ پولیس کے ماہرین اشاعت اس کام کے نگران تھے .... یہ تمام انتظامات نارکن کے خلاف "مواد" فراہم کرنے کیلئے کیئے گئے تھے۔

جنگ کے بادل

سائبیریا کی اور یادوں کے ساتھ میرے ذہن میں ایڈولف ہٹلر اور جوزف سٹالین کے اس عہد نامے کے تاثرات بھی ہیں جس کی وجہ سے یورپ میں جنگ چھڑ گئی۔ یہ خبر باشعور پارٹی ممبروں کے دلوں پر بجلی بن کر گری۔ میں نے محسوس کیا کہ افق کے ایک کنارے سے تارا ٹوٹا ہے اور آسمان پر پھیلتا ہوا دوسری طرف جا کے غروب ہو گیا ہے۔

گرمیوں کے موسم میں اس قسم کی خبریں آنی شروع ہو گئیں کہ جاپان سرحدوں پر چھیڑ چھاڑ کر رہا ہے۔ پچھلے سال کے معاہدہ میونخ سے جنگ کے خطرات جو اس وقت ٹل گئے تھے پھر زندہ ہو رہے تھے۔ ہمیں جرمنی سے جنگ چھڑ جانے کے امکانات تو نظر آ رہے تھے لیکن یہ کبھی ذہن میں نہیں آیا تھا کہ جرمنی روس سے سمجھوتہ کر لے گا اور اپنی فوجی قوت کو کہیں اور استعمال کرے گا۔ ہمیں یقین تھا کہ نازی صرف سوویت روس کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔

مجھے کریملن سے ہر بات کی توقع تھی۔ نازیوں کی طرح روسی حکومت بھی عوام سے برا سلوک کر رہی تھی۔ اسے بھی اپنی طاقت پر بڑا غرور تھا۔ اور اس معاملہ میں وہ نازیوں سے ذرا بھی مختلف نظر نہیں آتی تھی۔ ہٹلر کے خلاف جو پروپیگنڈا کیا جا رہا تھا اس کو سن کے یا پڑھ کے میرے دل میں سوال پیدا ہوتا تھا ہٹلر کے مظالم اور سٹالین کے مظالم میں کیا فرق ہے؟ جب ہٹلر اور سٹالین کے معاہدے کی خبر آئی تو مجھے کوئی خوشی نہ ہوئی۔ اب ہٹلر پولینڈ بلکہ یورپ کے خلاف جنگ کر سکتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ غلطی ہوئی ہے۔ اور میرے ارد گرد جتنے لوگ تھے ان کے دلوں میں بھی ایسے ہی شبہات تھے۔

نازی ازم کے خلاف ہمارے دلوں میں بڑی نفرت پیدا کی گئی تھی۔ ہمارے بڑے بڑے لیڈروں اور فوجی افسروں کو جن میں جنرل تخاچیوسکی بھی شامل تھا نازیوں کی حمایت کے الزامات میں گولی ماری گئی تھی۔

صرف اٹلی، جرمنی اور جاپان ہی ایسے ملک تھے جو ہمیں تباہ کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے تھے۔

ہٹلر کے مظالم کی داستان پر یقین کرنا ہمارے لئے ایسا ہی مقدس مذہبی فریضہ تھا جیسے سٹالین کی نیکی اور پاکدامنی کی داستانوں پر ایمان لانا۔ ہمارے بچے کھیلتے وقت ہارنے والوں کو جرمن ناموں سے پکارتے اور اونچی آوازمیں گاتے ـــــ "ہم تیار ہیں۔ نازی ظالموں کو مارنے پر تیار ہیں......" نشانہ بازی کی مشق کے لئے جو پتلے بنائے جاتے انہیں جرمنوں کی خاکی وردیاں پہنائی جاتیں۔

معاہدے کی خبر سے کچھ روز پہلے ایک پارٹی کی میٹنگ میں ہم نے بین الاقوامی صورت حالات پر ایک تقریر سنی جس میں ہٹلر کو بہت بڑا مجرم ثابت کیا گیا۔ وہ سرمایہ داروں کا سب سے بڑا ایجنٹ تھا جو ہم پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ جب مقرر نے کہا" ہٹلر ڈکٹیٹر ہے، جرمنی میں لوگوں سے آزادی تحریر و تقریر چھین لی گئی ہے۔ ہر جرمن دہشت زدہ ہے" تو ہم میں سے اکثر نے محسوس کیا کہ یہ ہمارے ملک کی تصویر ہے، ایک پرانی تصویر "پروفیسر میملوک" جس میں ہٹلر اور اس کے ساتھیوں کو نیم وحشی دکھایا گیا تھا۔ ابھی تک ایک مقامی سینما میں چلائی جا رہی تھی۔

ایک نیوز ریل میں ہٹلر اور سٹالین کو گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے دیکھنے کے بعد ہمیں صورت حالات پر یقین آ گیا۔ ماسکو میں سواستکا اور درانتی اور ہتھوڑے کے پرچم ساتھ ساتھ لہرا رہے تھے ـــــ اور اس سے بہت تھوڑی مدت کے بعد مالوٹوف نے ہمیں بتایا کہ فسطائیت پر ایمان لانا آخر "ذوق کا معاملہ" ہے۔

ہماری حیرت کا اندازہ لگانے کے لئے معاہدے سے پہلے کی روسی اور جرمن حکومتوں کے رویوں کا مطالعہ ضروری ہے۔ ہمیں بتایا جاتا تھا کہ فسطائیت اور سرمایہ داری میں کوئی فرق نہیں۔ فسطائیت سرمایہ داری کی آخری چیخ ہے۔ یہ سرمایہ داری کی انتہا ہے۔ جرمنی دنیا کے سرمایہ دار ملکوں کا لیڈر ہے ـــــ ان میں ہرگز جنگ نہیں ہو سکتی۔

لیکن ایسی حکومت جو ملک کے اخبارات، ریڈیو، سکولوں اور ادبی اداروں پر پوری طرح قابض ہو کیا نہیں کر سکتی ہم تھوڑے ہی عرصے میں بدلے ہوئے حالات کے عادی ہو گئے۔ ہمیں بتایا کہ فرانسیسی اور برطانوی ملوکیت پرست امریکی اور یہودی تاجروں کی امداد سے جرمنی کو کچل دینا چاہتے ہیں۔

پروفیسر میملوک اور اس قسم کی دوسری فلموں کی نمائش روک دی گئی۔ لائبریریوں میں فسطائیت کے خلاف جتنا لٹریچر تھا نکال لیا گیا۔ تہذیبی تعلقات کے سرکاری ادارے پر یکایک جرمن "کلچر" کی خوبیوں کا انکشاف ہوا۔ نازی آرٹ اور نازی کمالات کے نمونے عجائب گھروں میں جمع ہو گئے۔

ماسکو کے تھیئٹروں نے جرمن ڈراموں میں دلچسپی لینی شروع کر دی۔ جرمن تہذیب کا رواج ہو گیا۔ محکمہ نشر و اشاعت نے روپے کی تھیلیوں پر بیٹھے ہوئے ظالم "جان بل" اور "انکل سام" کی تصویریں چھاپیں۔ ہزاروں جرمن فوجی افسر اور ماہرینِ فنون ماسکو میں دکھائی دینے لگے۔

ہم بدلے ہوئے حالات کے بارے میں پارٹی کے جلسوں ہی میں نہیں گھروں میں بھی اس قسم کی باتیں کرنے لگے — ہم کمی بوفو کے رہنے والے ایسے اہم معاملات کو سمجھ ہی کیسے سکتے ہیں! ہمارا کام تو کارخانے چلانا ہے "بائیس سالہ آمرانہ حکومت کے بعد مخلصانہ رائے عامہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

ہم اس پر خوش تھے کہ ہمارے محبوب لیڈر نے ہمیں ایک خونخوار جنگ سے بچالیا ہے۔ پھر ہمیں مال غنیمت میں حصہ مل رہا تھا۔ بسربیا۔ نصف پولینڈ۔ بالٹک کے تینوں ملک۔ مال غنیمت میں یہ روس کا حصہ تھا۔

ہم میں سے کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ روس کو جنگ میں شامل ہونا پڑے گا۔ ہمیں یقین تھا کہ دونوں پارٹیاں آپس میں لڑ لڑ کے تباہ ہو جائیں گی۔ روس چپ چاپ یورپ کا مالک بن جائے گا۔ سیاسی نظریہ یہ تھا کہ دوسرے لڑ رہے ہیں۔ انہیں لڑنے دو اور خود طاقت پیدا کرو۔ اور دوسروں کے تجربوں سے فائدہ اٹھاؤ۔ ضرورت ہوئی تو ہم کیل کانٹے سے لیس دو کروڑ آدمی میدان میں لے آئیں گے — اس وقت تک یورپ کے باقی ممالک میں انقلاب کا نظریاتی دور ختم ہو چکا ہو گا۔ عملی دور شروع ہو جائے گا۔

اس سیاسی نظریے کو ہمارے لیڈر "بالشویک حقیقت پسندی" کہتے تھے۔ اس سے ہم میں سے بعض شرمندہ اور پریشان تھے۔ ڈبیاں چننے کی تیاریاں کرنا ہمیں کوئی بروقار بات معلوم نہیں ہوتی تھی۔ کبھی کبھی ہم اس امید سے اپنے آپ کو تسکین دے لیتے تھے کہ محنت کش اپنے ظالم آقاؤں سے باغی ہو جائینگے۔

ہر شخص نے روس اور جرمنی کی دوستی کو تسلیم تو کر لیا لیکن کسی کے دل میں کوئی ولولہ باقی نہیں رہا تھا۔

ہمارے سیاسی جلسوں میں جو مقرر ماسکو سے ہمیں صورت حالات سے "آگاہ" کرنے آتے تھے خود الجھے ہوئے تھے۔ نومبر کے آخر میں جب روس نے فن لینڈ پر حملہ کیا تو یہ الجھن اور بھی واضح ہو گئی۔ سیدھے سادے مزدوروں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ذرا سا فن لینڈ اتنے بڑے روس پر حملہ کیسے کر سکتا ہے — اور جب ہمیں ہزارہا آدمیوں کا نقصان اٹھانا پڑا تو یہ حیرت نفرت میں تبدیل ہو گئی۔

آئندہ حالات کے پیش نظر ایک بات کی وضاحت ضروری ہے۔ سٹالین نے خلوص دل سے ہٹلر سے معاہدہ کیا تھا۔ اگر سٹالین کا جرمنی سے کبھی لڑنے کا ذرا سا ارادہ بھی ہوتا تو اس کے حق میں کبھی اتنے زور شور سے پروپیگنڈا نہ ہوتا۔ ملوکیت پرستوں (جن میں امریکہ اور برطانیہ بھی شامل تھے) کے خلاف پروپیگنڈا بالکل ترک نہ کر دیا جاتا۔ کم از کم پارٹی کے چند اعلیٰ افسروں کو تو معلوم ہوتا —

حالات یہ تھے کہ اگر کوئی شخص بھولے سے بھی جرمنی کے خلاف کچھ کہہ دیتا تو اس کو پکڑ لیا جاتا۔ جرمنی کی مخالفت اب "انقلاب دشمنی" اور "عوام دشمنی" تصور ہونے لگی۔

یہ نظریہ کہ سٹالین جرمنی کو بے وقوف بنا کے جنگی تیاریاں کر رہا ہے بہت بعد میں ایجاد ہوا۔ روس

اور جرمنی کے اقتصادی معاہدے کا جائزہ لیجئے تو اس کا پول کھل جاتا ہے۔ جرمنی نے روس سے وہ تمام چیزیں خرید لی تھیں جن کی روس کو بعد میں اپنے دفاع کے لئے سخت ضرورت پیش آئی، اور جن کی روس میں اب بھی بہت بڑی کمی تھی۔

سیدھی سادی حقیقت یہ ہے کہ روس کو جو موقعہ ملا اس میں اس نے کوئی تیاری نہیں کی۔ فوجی مال کی تیاریاں نرم ہوگئیں۔ دفاع کے بڑے بڑے افسر سٹالین کے تدبر اور اس کی اعلیٰ سیاست کے ممنون تھے۔ انہیں ہاتھ پر ہاتھ دھرکے پڑے رہنے کا موقعہ مل گیا۔ فرانس کی شکست کے بعد سٹالین کو ہوش آیا۔ پھر جنگی تیاریاں شروع ہوئیں۔

۱۹۴۰ء میں مجھے کام کے لئے پونے پانچ کروڑ روبل دیئے گئے۔ کارخانہ تیار ہو چکا تھا۔ اور ہم کام شروع کر سکتے تھے۔ روسی حکومت کے طریقِ کار کے مطابق کام کی ساری ذمہ داری کیمرو خاسٹرائی (Kemrovostroi) کے ادارے کو سونپ دی گئی۔

مزدوروں کی فراہمی بھی انہی کے ذمہ تھی۔ لیکن مجھے چونکہ وقت کا بہت خیال تھا اس لئے ۔۔۔۔۔۔ میں نے بھی اس میں دلچسپی لی۔ مجھے ذاتی طور پر بیگاریوں سے واسطہ پہلی دفعہ یہیں پڑا۔

خفیہ پولیس نے پہلے تو دو ہزار مزدور سپلائی کئے۔ ان کا خیال تھا کہ بہار میں جب تعمیر زور شور سے جاری ہوگی ان کی تعداد بڑھا دی جائے گی۔ اجرت کے معاملے میں بڑی دھاندلی ہوتی۔ باہر کا کوئی آدمی یہ مباحثے سنتا تو سمجھتا کہ خچروں یا گدھوں کا سودا ہو رہا ہے۔ میں نے پہلی بحث میں کوئی حصہ نہ لیا۔ صرف سنتا اور سوچتا رہا ـــــ کہ عملی سوشلزم میں غیر طبقاتی اور خوشحالی کی زندگی کا مطلب یہ ہے ۔۔۔۔۔۔۔ ہم فن لینڈ کو یہی سکھانا چاہتے ہیں ۔۔۔۔۔ میرا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ میری صورت پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ سفوروف نے میری طرف حیرت سے دیکھا

"تمہاری طبیعت تو اچھی ہے کامریڈ کراوچنکو؟"

"نہیں نہیں۔ میں بالکل اچھا ہوں۔ رات کو نیند ذرا کم آئی ہے۔"

خفیہ پولیس کے نمائندے نے بتایا کہ قیدیوں کی کوئی کمی نہیں۔ پانچ ہزار، دس ہزار حسب ضرورت مہیا کئے جا سکتے ہیں۔ اس کی آواز میں فخر کا رنگ تھا جیسے گھوڑوں کا کوئی سوداگر اپنے اصطبلوں کا ذکر کر رہا ہو۔ اسے مشکل صرف یہ معلوم ہو رہی تھی کہ ان قیدیوں کو رکھا کہاں جائے۔ قریب کے کیمپوں میں ۱۵ ہزار تو پہلے ہی تھے۔ اور اس سے زیادہ کی گنجائش ان میں نہیں تھی ـــ کیا ایک نیا کیمپ قائم کیا جا سکتا ہے؟ ۔۔۔۔ یا پہلے کیمپوں میں کچھ اور کوٹھڑیاں بنا دی جائیں؟ آخر میں ہم نے فیصلہ کیا کہ فیصلہ کرنے سے پہلے موجودہ کیمپوں کا جائزہ لیا جائے۔

ایک صبح ہم ایک کار میں سب سے بڑے کیمپ کا جائزہ لینے کو نکلے۔ ہم چار آدمی تھے۔ ایک تو خفیہ پولیس کا نمائندہ تھا۔ دوسرا انتظامی ادارے کا آدمی۔ تیسرا کمیٹی کا سیکرٹری اور چوتھا میں خود۔ برف بہت زیادہ تھی پھر بھی ہم کوئی بیس منٹ میں وہاں پہنچ گئے۔

یہ کیمپ ایک نالے کے کنارے تھا۔ اس کی شکل چوکور تھی۔ چاروں طرف خاردار تار کے اونچے جنگلے لگے ہوئے تھے۔ ہم ایک گیٹ کے سامنے رک گئے۔ جنگلے کے ساتھ ساتھ لکڑی کی لمبی لمبی بارکیں تھیں۔ درمیان میں ایک وسیع میدان پڑا تھا۔ گیٹ کے قریب افسروں کے لئے پکے اور خوبصورت مکانات تھے۔

ہمارے آنے کی اطلاع افسروں کو پہلے ہی سے تھی۔ ہمارے پہنچتے ہی دروازہ کھل گیا اور ہم اندر داخل ہوئے۔

کیمپ کا افسرِ اعلےٰ ہمیں بڑے تپاک سے ملا۔ اس کی آؤ بھگت سے معلوم ہوتا تھا کہ خفیہ پولیس اور کمیٹی سیکرٹری سے بہت خائف ہے۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بڑا سربرآوردہ کمیونسٹ تھا۔ کسی بات سے اسے ماسکو سے جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ اور اگرچہ وہ کیمپ کا انچارج تھا مگر اب بھی جلاوطن تھا۔ اس کی بڑی سخت نگرانی کی جا رہی تھی۔ کمیونسٹ پارٹی اس کے بارے میں باقاعدہ رپورٹیں بھیج رہی تھی۔

میں نے جلاوطنوں کے کیمپ پہلے بھی کئی دفعہ دیکھے تھے لیکن اس منظر کا عادی نہیں تھا۔ مجھے ابھی تک تفصیلات کا علم نہیں تھا۔

دفتر کی کھڑکی کھلی تھی۔ میں نے ۱۵ عورتوں کو دیکھا جو سخت سردی میں لکڑیاں ڈھو رہی تھیں۔ ایک نے سر پر ٹاٹ لپیٹ رکھا تھا۔ کئی عورتوں نے ہاتھوں پر دھجیاں لپیٹ رکھی تھیں۔ اس کے بعد چار اور عورتیں آئیں جن کے ہاتھوں میں بڑی بڑی بالٹیاں تھیں جن میں سے بھاپ نکل رہی تھی۔

"یہ کیا کر رہی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"سوروں کو نہلا رہی ہیں۔ ہم نے اپنے لئے گوشت مہیا کرنے کا سامان بھی کر رکھا ہے۔"

"قیدیوں کے لئے؟"

وہ ہنسا "آپ کا خیال ہے کہ ہم عوام کے دشمنوں کو گوشت کھلاتے ہیں؟ یہ ہوٹل تو نہیں۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ افسروں کی خوراک کا معاملہ بھی بہت خطرناک ہے۔"

"اور وہ تین آدمی کیا کر رہے ہیں؟"

"یہ پادری ہیں، بوڑھے اور کمزور۔ یہ کمی روفو کے کارخانوں تک چل کے نہیں جا سکتے۔ اس لئے ان سے کیمپ کی صفائی کرائی جاتی ہے۔"

"عجیب بات ہے۔ یہ رجعت پسند اکیلے کام کیسے کر سکتے ہیں؟"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ مجھے خود بھی یہ خیال آیا ہے۔"

اسی کمرے میں بیٹھ کے ہم نے اپنا معاملہ پیش کیا۔ کیمپ میں ایک ہزار قیدیوں کے لئے جگہ تھی۔ تین ہزار رہتے تھے۔ لیکن وارڈن نے کہا کہ ہم ایک ہزار مزید قیدی بھی کھپالیں گے۔

"اس وقت ہر کمرے میں اوپر نیچے دو دو بستر لگے ہیں۔ میرے خیال میں تین بھی لگ سکتے ہیں۔ اس سے قیدیوں کو بڑا فائدہ ہوگا۔ انہیں کمرے گرم کرنے میں آسانی ہوگی۔"

پھر وہ ہمیں بارکیں دکھانے کے لئے لے گیا۔

ہمیں دیکھتے ہی پہرے دار نے تالا کھولا اور گرج کر کہا

"کھڑے ہو جاؤ۔"

یہ عورتوں کی بارک تھی۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ اپنے بستروں سے کود تی ہوئی کھڑی ہوگئیں۔ صرف تین یا چار ایسی تھیں جو پڑی رہیں۔ غالباً وہ بہت بیمار تھیں۔ ہر عمر اور ہر قوم کی عورتیں تھیں۔ لیکن کسی کے جسم پر گوشت نام کو نہ تھا۔ کمرے میں عجیب قسم کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں دن کے وقت بھی تقریباً رات کا اندھیرا تھا اور بلا کی سردی تھی۔

کچھ نوجوان چہرے بھی تھے لیکن بوڑھی اور ضعیف عورتیں بھی کافی تھیں۔ زیادہ تر ایسی تھیں جن کی عمریں بیس سے تیس برس کے درمیان تھیں۔ ان میں کچھ پڑھی لکھی اور تہذیب یافتہ بھی تھیں۔ "بستر" لکڑی کے خشک تختے تھے۔ کمرے میں ایک بہت بڑے چولہے کے سوا کچھ نہیں تھا۔

کیمپ میں پہنچنے کے بعد قیدیوں کو ان کے ذاتی کپڑوں، کتابوں، تصویروں اور خطوں سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ خط و کتابت اور دانت صاف کرنے کے لئے برش کے استعمال کی ممانعت تھی۔ دیوار پر ایک فقرہ لکھا تھا۔ "محنت کرو —— محنت نجات کا راستہ ہے۔"

اس کے بعد ہم عورتوں کے ایک کمرے میں گئے۔ وارڈن نے بتایا کہ یہ عورتیں سب کی سب مجرم ہیں۔ یا پیشہ ور رنڈیاں۔ ہمیں دیکھ کے سب کی سب خاموش کھڑی رہیں۔

"سٹار سٹا —— یہاں آؤ۔"

سٹار سٹا یعنی جمعدارنی آگے آگئی۔ وہ پینتیس ایک برس کی مرجھائی ہوئی سی عورت تھی۔ اس کا پھٹا ہوا لباس یہ ظاہر کر رہا تھا کہ اس نے اچھے دن بھی دیکھے ہیں۔ وہ ہاتھ پیٹھ پر باندھے ہمارے سامنے آکے کھڑی ہوگئی۔

"سب حاضر ہیں وارڈن۔ ایک بیمار ہے۔ باقی کھانا کھا کے کام پر جانے کے لئے تیار ہیں۔" اس نے گلا صاف کر کے کہا۔

دروازے کے پاس ایک چارٹ لٹک رہا تھا جس پر معمولی بے ضابطگیوں کی سزائیں لکھی تھیں۔ پہلی سزا دو روز فاقہ۔ دوسری سزا ایک ہفتے کی قیدِ تنہائی اور فاقہ۔ تیسری سزا موت یا افسر مناسب سمجھیں تو کوئی اور سزا تجویز کر دیں۔

باہر نکل کے میں نے وارڈن سے پوچھا "آپ نے کسی کو موت کی سزا بھی دی ہے؟"
"گزشتہ سال کی بغاوت کے بعد تو نہیں"

مردوں کے کمرے بھی ویسے ہی تھے۔ ان میں اکثریت تو روسیوں کی تھی لیکن ان میں ازبک، ترکمان ارمنی، یہودی، پول اور چینی بھی تھے۔ ان کی ڈاڑھیاں بڑھی ہوئی تھیں اور چہرے مرجھائے ہوئے، لیکن بعض کی آنکھوں سے اب بھی ذہانت جھلکتی تھی۔ وہ انجینئر، پروفیسر، ادیب یا پارٹی لیڈر تھے۔ ایک مضبوط جسم کا لمبا اور خوبصورت آدمی میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے دیکھ رہا تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ ایک سابق فوجی افسر ہے۔

ایک بارک کا جمعدار بڑا مضبوط آدمی تھا۔ اس کی ناک ٹوٹی ہوئی تھی۔ آنکھیں تیز اور چمکیلی تھیں۔

"یہ کون ہے؟" میں نے پوچھا

"یہ ایک مشہور ڈاکو ہے —— مجرم سیاسی لیڈروں سے بہتر جمعدار ثابت ہوتے ہیں۔ اتنے نرم دل نہیں ہوتے نا!"

"یہاں مجرم کتنے ہیں؟"

"۱۵ فیصد سے زیادہ نہیں —— اور ان میں پیشہ ور رنڈیاں بھی شامل ہیں —— لیکن ہم سیاسی قیدیوں اور مجرموں میں کوئی تفریق نہیں رکھتے۔"

مجھے راستے میں کچھ اور تفصیلات بھی معلوم ہوئیں۔ قیدیوں کو سگریٹ پینے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ ان کے رشتے داروں کو بتایا نہیں جاتا کہ وہ کہاں ہیں۔ معمولی مجرموں کو بھی عام جیلوں میں ڈالنے کی بجائے کیمپوں میں بھیج دیا جاتا ہے لیکن قید کی میعاد پوری ہونے پر بھی وہ انہیں نہیں چھوڑتے۔ یہ ماسکو والوں کی مرضی پر موقوف ہے۔ عام طور پر ان کی عمریں یہیں گذرتی ہیں۔ قید کی میعاد پوری ہو جائے تو اس میں اضافہ کر دیا جاتا ہے تاکہ مزدور کم نہ ہو جائیں۔ کوئی خوش نصیب ایسا بھی نکل آتا ہے۔ جسے رہائی مل جاتی ہے۔ لیکن اسے اپنے وطن واپس جانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ عام طور پر انہیں سائبیریا، مشرق بعید یا شمال بعید میں آباد ہونے کا حکم دیا جاتا ہے۔

ہم نے جو کیمپ دیکھا تھا اس میں قیدیوں کو گیارہ اونس روزانہ روٹی ملتی تھی۔ اور دن میں دو مرتبہ آلوؤں کا پتلا شوربہ۔ مقررہ کام پورا نہ کرنے پر خوراک اس سے بھی کم کر دی جاتی تھی۔ قیدی عام طور پر پیچش اور بدہضمی کا شکار تھے۔ میں نے جتنے قیدی دیکھے ان میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس کا پیٹ بڑھا ہوا اور آنکھیں سوجی ہوئی نہ ہوں۔

"یہ بغاوت کیا تھی؟" میں نے واپسی پر وارڈن سے پوچھا

"یہ ۱۹۳۸ کے آخر کا واقعہ ہے۔ خوراک شاید سڑ گئی تھی۔ اس لئے کچھ قیدیوں نے کام پر جانے سے انکار کر دیا —— لیکن افسروں نے بڑی سختی اور مستعدی کا ثبوت دیا۔ بارہ مردوں اور دو عورتوں کو جو اس

قیدیتے کی بانی جنہیں سب کی موجودگی میں گولی مار دی گئی۔ پھر ان سب کو ایک بہت بڑے گڑھے میں دفن کر دیا گیا۔ یہ قبر بھی کیمپ کے اندر بنائی گئی ہے تاکہ قیدیوں کو یہ واقعہ بھول نہ جائے ــ "عوام کے دشمنوں" سے نرمی کا سلوک نہیں کیا جا سکتا۔

دسمبر کے آخر میں مجھے ماسکو سے طلبی کا پروانہ آیا۔ اور اگرچہ میری غیر حاضری سے کام کو نقصان تو ضرور ہوتا تھا۔ لیکن میں بہت خوش ہوا کہ کچھ روز ارینا کے ساتھ منا سکوں گا۔ میرا خیال تھا کہ کوئی بہت معمولی سی بات ہوگی لیکن جب میں کوزنی کوف سے ملا تو اسے گھبرایا ہوا پایا۔

"بری خبر ہے کرادچنکو۔ سنٹرل کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ فی الحال کمی روتو میں کام بند کر دیا جائے۔"

میری آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ہم نے اتنی محنت سے کام کیا ہے، اور بڑا اچھا کام کیا ہے۔"

"مجھ سے مت پوچھو۔ میں تو محض محکمے کا افسر اعلیٰ ہوں۔ مجھ سے کسی نے نہیں پوچھا۔ مجھے بھی حکم پہنچا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں خود ویسا ہی پریشان ہوں جیسے تم ہو۔"

"لیکن ہم نے کروڑوں روبل خرچ کر دیئے ہیں ــــ"

"مجھے معلوم ہے۔ لیکن غالباً اب بین الاقوامی حالات بدل گئے ہیں۔ اب ہمارے جرمنی سے دوستانہ تعلقات ہیں۔ دفاعی کارخانوں کی فی الحال ضرورت نہیں۔"

"لیکن کمی روتو کا تعلق تو مشرق بعید کے حالات سے تھا ــــ ابھی جاپان جو ہے۔"

"یہ معاملات تم نہیں سمجھ سکتے۔ ہمیں ان میں دخل نہیں دینا چاہئے۔ میرا خیال ہے کہ جرمنی سے معاہدہ ہو جانے کے بعد جاپان کا خطرہ بھی بہر دست ٹل گیا ہے۔"

"لیکن کامریڈ کوزنی کوف۔ میں اس کا ڈائرکٹر ہوں اور کروڑوں روبل میرے ہاتھ سے خرچ ہوئے ہیں۔ ــــ میں پارٹی کو اپنے تاثرات بتا نہ دوں؟"

"بہتر یہ ہے کامریڈ کرادچنکو کہ تم چپ رہو۔ کام سمیٹو اور چپ چاپ یہاں آ جاؤ۔"

میں ہفتوں اس کشمکش میں مبتلا رہا کہ چپ رہوں یا اپنے تاثرات بیان کر دوں۔ اگر تاثرات بیان کرتا ہوں تو وہ لوگ جنہوں نے یہ فیصلہ کیا ہے میرے دشمن ہو جائیں گے۔ اس کے خلاف میری خاموشی کسی دن میرے لئے مصیبت کا باعث بن سکتی ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ اگر بین الاقوامی حالات بدل گئے تو پھر عوام دشمنوں کی تلاش شروع ہو جائے گی۔ سنٹرل کمیٹی تو قصوروار ہو ہی نہیں سکتی۔ مجھ جیسے بے بس آدمی پکڑے جائیں گے۔ پھر جذباتی وجوہات بھی تھیں جن سے میں کام کو اس حد تک پہنچا کے دفعتہً بند کرنے کے خلاف تھا۔ انسان انتہائی غیر انفرادی ریاست میں بھی اپنے آپ کو کام سے وابستہ کر کے دیکھنے لگتا ہے۔ میں نے

کمی روئو کو اپنی تمام آرزوؤں کا مرکز بنالیا تھا۔ اس کی اہمیت میرے ذہن میں بہت زیادہ تھی۔ میں نے اس کے لئے بڑا سر مارا تھا۔ اب سارے کھیل کو یکبارگی بگڑتے ہوئے میں دیکھ نہیں سکتا تھا۔

کمی روئو واپس آیا تو مجھے معلوم ہوا کہ شہر والے اس فیصلے سے بڑے مایوس ہیں۔ سٹی کمیٹی اور ریجنل کمیٹی نے درخواستیں بھیجیں کہ اس فیصلے پر نظرِ ثانی کی جائے۔ میں نے ان کی تائید کی ـــــ یہ تائید بعد میں میرے لئے بڑی مصیبت بن گئی۔

ماسکو پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ لوگ میرے اندازہ سے کہیں زیادہ مشتعل ہوئے ہیں۔ کوزنی کوف ناراض تھا کہ میں نے اس کی نصیحت کو نظر انداز کر دیا۔ اس کا اسسٹنٹ گوبی اینسکو مجھ پہ پہلے ہی ناراض تھا۔ اب اسے موقعہ مل گیا۔

صرف کامریڈ کمسر کولوف مجھ سے متفق تھا۔ لیکن اس کی کوئی نہیں سنتا تھا۔ تھوڑے ہی عرصے میں اسے برخاست کر دیا گیا۔ اس کی جگہ تیوسیان (Tevosian) کو دے دی گئی۔ جو سٹالین کا دوست تھا۔

میری رپورٹ کا کوئی جواب نہ آیا۔ ایک مہینہ گذر گیا۔ میں پریشان تھا۔ بعض سیاسی طور پہ باشعور دوستوں کے کہنے پر میں نے اپنی رپورٹ کی ایک نقل سٹالین کو بھی بھیج دی۔

افسروں نے مجھ سے انتقام لے لیا۔ انہوں نے مجھے دو سال سخت پریشان رکھا۔ وہ مجھے جیل تو نہ بھجوا سکے لیکن روسی عدالتوں میں دربدر پھرنا پڑا۔ اس واقعے کا مفصل ذکر میں بعد میں کروں گا۔

کمی روئو کا کام ختم ہو چکا تھا۔ مجھے ابھی تک تنخواہ مل رہی تھی۔ اس سے پہلے مجھے بیکاری کا تجربہ نہیں تھا۔ مجھے بہت لطف آیا۔ میں یوں محسوس کرتا تھا جیسے چھٹی گذار رہا ہوں۔

۱۹۴۰ کے شروع میں یورپ کے دارالحکومتوں میں ماسکو ہی ایک شہر تھا جس میں جنگ کی وجہ سے بلیک آؤٹ نہیں ہوتا تھا۔ اور اس سے ماسکو کے باشندے اپنے محبوب راہنما اور باپ کے سیاسی تدبر کے اور بھی ممنون ہوتے تھے۔ جنگ کی خبریں اخبارات کے آخری صفحوں پر نہایت اختصار کے ساتھ درج ہوتی تھیں جیسے ہمارا ان سے کوئی تعلق نہ تھا۔ لیکن لوگ پہلے انہیں کو پڑھتے تھے۔

اب دعوتیں پہلے سے زیادہ ہوتی تھیں۔ بازاروں میں روشنیاں بڑھا دی گئی تھیں۔ ہوٹلوں اور تھیٹروں میں جرمن اور روسی افسروں کی موجودگی جنگجوئی کے جذبے کو تقویت دیتی تھی۔

ماسکو میں جنگ کے اثرات ایک اور رنگ میں محسوس کئے جاتے تھے۔ اب دکانوں پر نئی نئی غیر ملکی اشیا کپڑے، جوتے، سگریٹ، چوکولیٹ، پنیر اور سینکڑوں اور ایسی چیزیں جو روس کی ساخت نہیں تھیں کثرت سے فروخت ہوتی تھیں۔ یہ چیزیں ان علاقوں سے آتی تھیں، جن پر روس نے قبضہ کر لیا تھا۔ پہلے تو فن لینڈ اور پولینڈ کا مال آتا تھا پھر بسریبیا سے بھی آنے لگا۔

نئے سیاسی نظریات کے مطابق ہم ان علاقوں کو سرمایہ داروں کی لوٹ کھسوٹ اور افلاس سے آزاد کروا رہے تھے۔ عملی طور پر ماسکو کے رہنے والے سرمایہ دار ممالک کی مصنوعات دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ محکمۂ صنعت نے میرے لئے کئی عہدے تجویز کئے۔ ایک تو یہ کہ میں ٹرانس بیکال (Trans Baikal) میں دھاتوں کی صفائی کے ایک کارخانے کا ڈائرکٹر بن جاؤں۔ دوسرے یورال میں ایک پلانٹ میں چیف انجینئری۔ تیسرے گورکی کے صوبے میں ایک کارخانے کی ڈائرکٹری ——— لیکن کسی بات کا بھی فیصلہ نہ ہو سکا۔

میں سال ہا سال کی آوارہ گردی سے تنگ آ چکا تھا۔ اور اب ماسکو میں رہنا چاہتا تھا ملک کے دوسرے حصوں کے مقابلے میں ماسکو بہشت معلوم ہوتا تھا۔ اس کے لئے مجھے پولٹ بیورو کے ممبر اینڈریف (Andreev) کی مدد سے ماسکو کے ساتھ ہی فلی کے مقام پر ایک کارخانے میں لگا دیا گیا۔ یہ عہدہ بہت چھوٹا تھا لیکن ماسکو کے قرب کی وجہ سے میں بہت خوش تھا۔

یہ کارخانہ انقلاب سے پہلے کا تھا۔ اب اس میں توسیع کر دی گئی تھی۔ کوئی ایک ہزار مزدور اس میں کام کرتے تھے۔ اس کا نام محکمے کے نام پر گلاف ٹرولوسٹل تھا۔ اس میں لوہے کی چادریں اور مل بنتے تھے۔ اسسٹنٹ چیف انجینئر کی حیثیت سے کام کا انچارج میں ہی تھا۔

اس کارخانے کے بڑے افسر مدت سے یہیں کام کر رہے تھے۔ اور آپس میں کافی بے تکلف تھے۔ ڈائرکٹر ماتوروف سرخ بالوں والا ایک لمبا اور مضبوط آدمی تھا۔ کام کے مقابلے میں بالکل کورا۔ ویسے ... خانہ جنگی کے زمانے میں اس نے بڑا نام پایا تھا۔ اور اب تک اسی کے سہارے زندہ تھا۔ اسے صنعتی کاموں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ جو آدمی کچھ جانتے تھے اسے اچھے نہ لگتے تھے۔

سپیشل ڈیپارٹمنٹ کا افسر اعلیٰ اور کارخانے کی پارٹی کا سیکرٹری کامریڈ یگاروف (Yegorov) اس کا بہت دوست تھا۔ یہ شخص اس بات پر بہت نازاں تھا کہ خفیہ پولیس کی اقتصادی ڈویژن سے اس کا تعلق ہے۔ چنانچہ وہ بڑے انداز کے ساتھ پھرا کرتا تھا۔ مزدور اسے "ہمارا چھوٹا سٹالین" کہتے تھے۔ ان کا تیسرا ساتھی ٹریڈ یونین کا عہدہ دار کامریڈ پاپاش ولی (Papash Villi) تھا۔ وہ جارجیا کا رہنے والا تھا اور فطرتی طور پر سازشی تھا۔ کارخانے کے اخبار کا ایڈیٹر اور کچھ اور کمیونسٹ اس گروہ کے دوسرے افراد تھے۔

کامریڈ سٹالین کے دوست نئے کمسر تیوسیان نے کارخانے کو ترقی دینے کی کوشش کی۔ زیادہ کام کرنے والوں کے لئے بھاری بونس منظور کئے گئے۔ ماہرین فن کی مدد کے بغیر کام چل نہیں سکتا تھا۔ اس لئے ماتوروف نے مجھ پر بھی دھن کی بارش کی۔ میری کل آمدنی تقریباً ساڑھے چار ہزار روبل ماہوار تھی۔ کوتی ایک ہزار ادبیات ترجمہ کر کے کما لیتی تھی۔ ہم دونوں کی مجموعی آمدنی ایک مزدور کی آمدنی سے

۲۵ گنا زیادہ تھی۔

روپے کی فراوانی کے باوجود ہمارے پاس صرف دو کمرے تھے۔ نمبر ۵ روزدس وینکا سٹریٹ جس کی تیسری منزل میں ہم رہتے تھے، پہلے ہوٹل تھا۔ اب یہاں کئی خاندان رہتے تھے۔ میرے علاوہ یہاں ایک بوڑھی ایکٹرس اور اس کی جوان لڑکی، ایک فورمین اور اس کی بیوی، ایک تاجر کی بیوہ، ایک سرکاری افسر اور کچھ اور لوگ یہاں رہتے تھے۔ ان میں سے بعض خاندانوں کے ہاں ذاتی ملازم بھی تھے۔

ہم کئی سال ماسکو میں رہے لیکن ماسکو کے باشندوں کو جان نہ سکے۔ ہمیں ہر ایک پر شبہ تھا۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایک ساتھ رہنے سے آدمی ایک دوسرے کے قریب آجاتے ہیں ماسکو کو نہیں جانتے۔ ہمارے تمام خاندانوں کے پاس صرف دو باورچی خانے تھے۔ ایک غسل خانہ اور پاخانہ اور ایک ٹیلیفون جو برآمدے میں رکھا تھا۔ جب گھنٹی بجتی تو ہم سب ریسیور اٹھانے کو بھاگتے۔ ہر ایک کو اس بات کا دھڑکا تھا کہ ہم میں سے کوئی جاسوس نہ ہو۔

ہم میں سے ایک ایسی ہستی خفیہ پولیس کی جاسوس نکلی جس پر شبہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ یہ سیلینا (Silina) تھی تاجر کی بیوہ۔ وہ ہمارے ٹیلیفون سنتی، دروازے سے کان لگائے رکھتی۔ اور ہر روز رپورٹ کرتی۔ یقیناً وہ ڈر کے مارے اس کام پر مجبور ہوئی تھی کہ کہیں اسے بھی "عوام دشمنی" کے الزام میں جلاوطن نہ کر دیا جائے۔

اس عورت کے باوجود ہم کافی مل جل کے رہتے تھے۔ پڑوسیوں کی طرح ہم ایک دوسرے کی غلطیوں کو نظرانداز کر جاتے تھے۔ اگر کسی پر مصیبت آجاتی تو سب اس کی مدد کرنے کی کوشش کرتے۔ لیکن آپ کو یہ غلط فہمی نہیں ہو جانی چاہیے کہ ہم زندگی باآرام گزار رہے تھے۔ یہ کمرے ارینا کی ملکیت تھے ورنہ مجھے تو کوئی ٹھکانہ بھی نہ ملتا۔ ویسے ہمارے پاس ایک پیانو تھا۔ مہاگنی کا فرنیچر، قالین اور کچھ تصویریں جنہیں دیکھ کے ہمارے دوست ہم پر رشک کیا کرتے تھے......

اس تھوڑے سے عرصے کے ۔ جب میں سرخ فوج میں رہا ہمیں یہاں تین سال کاٹنے پڑے۔ آگے چل کے یہ تین سال میری زیادہ سے زیادہ گھریلو زندگی تھی۔ گلاف ٹرود ٹرسٹ میں مجھے بے حد کام کرنا پڑتا۔ عام طور پر صبح کے ساڑھے سات سے رات کے دس یا بارہ بجے تک۔ لیکن چھٹی کے دن ارینا کے ساتھ خاصی گھر کی سی زندگی کا ماحول بنتا۔

کبھی کبھی ، ہم دعوتیں کرتے۔ میرے مہمانوں میں زیادہ تر کمیونسٹ پارٹی کے ممبر اور سرکاری افسر ہوتے ۔ کے دوستوں میں اکثریت پڑھے لکھوں فنکاروں اور مصوروں کی ہوتی۔ یہ دونوں گروہ ایک دوسرے سے کھل کے نہ ملے۔ ہم ان میں بے تکلفی اور قرب پیدا کرنے کی کوشش ہی نہ کرتے ——— شاید یہ فاصلہ میری اور ارینا کی زندگیوں کے ... علامت تھی جو شادی کے باوجود ایک دوسرے میں

رہ نہ سکیں۔ بہرحال میں نے محسوس کیا کہ دو افراد ایک دوسرے میں گم ہو جانے کے بغیر بھی محبت اور عزت کر سکتے ہیں۔

اریتا کو میرے مشاغل میرے پارٹی کے کام، سیاسی تقریروں اور میرے کارخانے سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ہماری دنیائیں ایک دوسرے سے ملتی تھیں لیکن ایک دوسرے پر حاوی نہ ہوتی تھیں۔ ایک بات یہ بھی تھی کہ روسی افسر اپنی بیویوں کو اپنی سلامتی کی خاطر اپنا رازدار نہیں بناتے۔ میں اریتا کو اپنے کارخانے کے بارے میں شاذ ہی کچھ بتاتا۔ اور سیاسی موضوعات پر تو کبھی کچھ نہ کہتا۔ وہ بڑی مخلص اور ہمدرد لڑکی تھی اور کئی دفعہ میرا جی چاہتا کہ میں اس کے سامنے اپنا جی ہلکا کر لوں لیکن کوئی نامعلوم خطرہ میری زبان پر تالے ڈال دیتا۔ وہ کبھی کبھی مجھے پریشان اور گم صم دیکھ کے پوچھتی

"وکٹر پیارے تم پریشان کیوں ہو؟ کچھ مجھ سے قصور ہوا ہے؟ میں تمہاری کوئی مدد کر سکتی ہوں؟ خدا کے لئے مجھے بتا دو جانی!"

"نہیں اریتا تمہارا کوئی قصور نہیں۔ میرا خیال ہے کہ میں کام بہت کرتا ہوں۔ مجھے کوئی پریشانی نہیں۔"

ذہنی خوف اور سراسیمگی کے عالم میں گھر کے سکون کی توقع ہی کیسے کی جا سکتی تھی!

جون میں ایک دفعہ مجھے گلاف ٹرو بوسٹل سے ایک چٹھی آئی کہ فلاں رقم کا حساب پیش کرو۔ میں پریشان تو ہوا لیکن ڈرا نہیں۔ مجھے فوراً معلوم نہ ہوا کہ گلو نینکو اور دوسرے افسر مجھ سے انتقام لے رہے ہیں۔

روسی قانون کے مطابق ایک خاص قسم کے آدمیوں کو جب سائبیریا یا دوسرے مقامات پر تبادلہ کیا جائے تو انہیں سفر خرچ ملتا ہے۔ یہ سفر خرچ اس کارخانے کے حساب میں سے ملتا ہے جن میں انہوں نے کام کیا ہو۔ میں نے اپنے کارخانے کے تبدیل شدہ ملازمین کو سفر خرچ وغیرہ دیا تھا لیکن مجھے اب معلوم ہوا کہ اس خرچ کے لئے یہاں کوئی فنڈ ہی نہیں تھا۔ دفتر کے خزانچی نے کوئی خاص فنڈ کھلوایا ہی نہیں تھا۔ وہ قانون ہی کو کافی سمجھتے تھے۔ میں نے ذاتی طور پر نہ تبدیلیاں کی تھیں نہ خرچ منظور کیا تھا۔ لیکن انچارج کی حیثیت سے جواب دہ میں ہی تھا —— اور اس "جرم" کی سزا تین سال قید سخت تک ہو سکتی تھی۔

مجھے یوں پھانسنے کی سکیم غالباً کوزنی کوف کے علم کے بغیر بنائی گئی تھی۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو وہ بہت حیران ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ الزام بالکل بے معنی ہے اور مجھے گھبرانا نہیں چاہئے —— لیکن وہ اپنے محکمے کو بتائے بغیر میری مدد نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"تم خط کا جواب دے دو اور بے فکر ہو جاؤ۔ میرا خیال ہے کہ بات نہیں بڑھے گی۔"

لیکن اس کا خیال غلط تھا۔ ایک مہینہ گزر گیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ میرے خلاف "مجرمانہ" الزامات درج ہو گئے ہیں —— اچانک مجھے خبر ملی کہ محکمے کے صدر نیتوسیان نے خود مجھ پر دعوے دائر کر دیا

ہے۔ چنانچہ مجھے عام دیوانی عدالتوں میں صفائی پیش کرنے کے سلسلے میں دھکے کھانے پڑے۔ میرے سابقہ کمی رد فو کا خزانچی متقی ایف (Matveyev) بھی پھنسا ہوا تھا۔ لیکن میرا کمرشل اسسٹنٹ جس نے یہ رقم ادا کی تھی اس کو کسی نے پوچھا تک نہیں تھا۔

پہلے تو عام تحقیقات شروع ہوئی۔ خفیہ پولیس کے ایک آدمی نے کہا

"بیوقوف کیوں بنتے ہو کرادچیکو۔ یہیں پر اقبال کر لو تو معمولی سزا پر چھوٹ جاؤ گے۔"

"لیکن میں تو جانتا ہی نہیں کہ ہوا کیا ہے۔ اقبال کیسے کر لوں۔ رقم کی ادائیگی کا حکم گلاف کروبوسٹل سے آیا تھا۔"

مجھے اسی پر حیرت ہو رہی تھی کہ ایسے معمولی مقدمے کی تحقیقات خفیہ پولیس کے سپرد کی گئی ہے۔ اس کی کوئی سیاسی اہمیت نہیں تھی۔

"تو پھر مقدمہ بھگتو۔"

روس میں عام وکیل نہیں ہوتے۔ حکومت ایک وکیل مقرر کر دیتی ہے جس کی اجرت وصول کر لی جاتی ہے — وکیلوں کو بہت معمولی ماہوار تنخواہ پر ٹرخا دیا جاتا ہے۔ اس لئے کبھی کبھی ان کو چوری چھپے کچھ رقم نذرانے کے طور پر پیش کر دی جاتی ہے۔

وکیل کی تلاش میں ایک عورت سے ملا جو سارا قصہ سنتے وقت جمائیاں لیتی رہی۔ اس نے بہت کم دلچسپی کا اظہار کیا۔

اس نے آخر میں ایک شخص سے جس کے ارد گرد کاغذات بکھرے پڑے تھے۔ کہا

"پیٹروف۔ دفعہ ۱۵۹ کا مقدمہ ہے۔ چار دن کے بعد شروع ہوگا۔ کرو گے؟"

"نہیں میں بہت مصروف ہوں۔"

"تو پھر اور کسی کو دے دیتی ہوں۔"

جس وکیل کے پاس وہ مجھے لے گئی وہ چھوٹے قد کا ڈرپوک سا آدمی تھا۔ جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ مدعا علیہ خود دیو سیان ہے تو اس کا چہرہ اتر گیا۔ روس میں وکیلوں کو اس بات کا خاص طور پر دھیان رکھنا پڑتا ہے کہ مقدمہ لڑتے ہوئے کہیں پارٹی کے مفاد کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ میرا وکیل دیو سیان اور پارٹی کے منہ نہ آنا چاہتا تھا۔ . . . .

عدالت ایک سابق سکول کی دوسری منزل کے ایک تنگ و تاریک کمرے میں لگی۔ دیواروں پر سٹالین اور دوسرے لیڈروں کی تصویریں لٹک رہی تھیں۔ سماعت کے انتظار میں کوئی بیس آدمی بیٹھے تھے۔

"عدالت آ رہی ہے . . . . . . کھڑے ہو جاؤ" ایک باوردی چپراسی نے نعرہ مارا۔

دو آدمی اور ایک عورت پچھلے کمرے سے داخل ہو کے چبوترے پر بیٹھ گئے۔ جج سرکاری ملازم ہوتا ہے۔

اور وہی جرح کرتا ہے۔ اس کے ساتھ دو "عوامی نمایندے" ہوتے ہیں۔ جج کے سوالات کے بعد وکیل صفائی نے خشک سی تقریر کی (جذباتی تقریر کو غیر ترقی پسند سمجھا جاتا ہے۔) اس کے بعد تینوں جج ایک کمرے میں چلے گئے اور چند منٹوں کے بعد فیصلہ کر کے واپس آ گئے۔ مقدمے سے پہلے میرے ذہن میں اس بات کا وہم بھی نہیں تھا کہ مجھے جیل کی سزا ہو جائے گی لیکن مقدمے کی کارروائی سے میرا جی بیٹھ گیا تھا۔ جج کی نگاہوں سے خشونت ٹپک رہی تھی۔ وہ گھور گھور کے میرے لباس کو جو بہت اچھا تھا دیکھتا رہا —— جیسے یہ بھی میرا قصور ہو کہ اسے ۲۰۰ روبل میں ایک خاندان کا پیٹ پالنا پڑتا تھا! میری آمدنی کا حال سن کر تو اس کا رویہ واضح طور پر معاندانہ ہو گیا تھا۔

جج کھڑا ہو گیا لکڑی ہاتھ میں لی عینک لگائی اور بولا۔

"وکٹر کراوچنکو نے عوام کا روپیہ ضائع کرنے کا جرم کیا ہے۔ اسے دو سال قید سخت کی سزا دی جاتی ہے۔ اس سزا کی اپیل زیادہ سے زیادہ سات دنوں کے اندر کی جا سکتی ہے۔"

میں نے اپیل دائر کر دی اور فوری گرفتاری سے بچ گیا۔ اس کے بعد کئی مہینے مجھے پیشیاں بھگتنی پڑیں۔ ۱۹۴۱ کے موسم بہار میں مجھے بڑی عدالت سے بلایا گیا۔ مقدمے کی پھر سے سماعت ہوئی۔ اور میری پہلی سزا کی بجائے میرے اپنے ہی کارخانے میں ایک سال "جبری مشقت" کا حکم سنا دیا گیا۔ یہ ایک انوکھا رواج ہے سزا یافتہ اپنے عہدے پر بدستور نائز رہتا ہے۔ اور آزادی سے گھومتا پھرتا ہے۔ لیکن اس کی تنخواہ کا بیس فیصد خفیہ پولیس لے لیتی ہے۔ میں یہ قصہ مختصر کرتا ہوں۔ کیونکہ اس کے سلسلے میں جو پریشانی اٹھانی پڑی اس کی تفصیل غیر دلچسپ بلکہ اکتا دینے والی ہے۔ مختصر یہ کہ میں نے جب ہائی کورٹ میں اپیل کی تو جنگ چھڑ چکی تھی۔ نازی ماسکو پر بمباری کر رہے تھے۔ اور عدالت یورال میں منتقل ہو چکی تھی۔ اور اس انتقال میں میرے کاغذات ادھر ادھر ہو چکے تھے۔

میں سرخ فوج کے انجینئری کے شعبے میں کپتان ہو گیا۔ بیس فیصد میری تنخواہ سے کٹ کر خفیہ پولیس کو مل رہی تھی۔ میری غیر حاضری میں ارینا بھاگ دوڑ کرتی رہی۔ بیس فیصد کٹوتی تو معمولی بات تھی لیکن اس سے میرا ریکارڈ خراب ہوتا تھا۔ ۱۹۴۲ میں سپریم کورٹ نے میرے مقدمے کی آخری بار سماعت کی اور مجھے باعزت طور پر بری کر دیا۔

اگر میں باعزت طور پر بری نہ ہو جاتا تو مجھے امریکہ آنے کا کبھی موقعہ نہ ملتا۔ میری پریشانی سے میرے دشمنوں کا جذبہ انتقام سرد ہو چکا تھا۔ اور جب میں ایک دفعہ گلوٹینکو سے ملا تو وہ بھول چکا تھا کہ کبھی میں نے اسے ناراض کیا تھا۔

جنگِ عظیم

۲۲ جون ۱۹۴۱ء کی صبح کو روسی شہروں پر بم برس رہے تھے۔ نازیوں کے بکتر بند ڈویژن سُرخ فوج کو بُری طرح پیٹ رہے تھے۔ جرمنی کے روس پر اچانک حملے کی خبر پر دنیا بھر میں شور مچ رہا تھا۔ اُس صُبح پو پھٹنے سے پہلے خفیہ پولیس ہزاروں "غداروں سازشیوں اور عوام کے دشمنوں" کو چن چن کے پکڑ رہی تھی۔

لیکن مجھے اس آفت کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا جو میرے ملک کے دو کروڑ آدمیوں پر ٹوٹ رہی تھی اور جب میں کارخانے پہنچا تو وہاں بھی ہر اک کو اسی حال میں پایا۔ اخبارات میں اُس روز بھی ہٹلر کی فتوحات اور اس کے دشمنوں "سرمایہ دار بھیڑیوں" اور جاگیردار جنگ بازوں" کی شکستوں کا ذکر تھا۔

یہ پراپگنڈا پچھلے کئی مہینوں سے اسی طرح جاری تھا۔ ہٹلر پر کوئی معمولی الزام نہیں دیا جا رہا تھا۔ لاکھوں روسیوں کے دل ہٹلر کے مظالم کی وجہ سے نازیوں سے متنفر تھے لیکن کسی کو اس جذبے کے اظہار کی جرأت نہ ہوئی تھی۔ اس دن سے کچھ ہی پہلے میں نے جرمنی کے اقتصادی نمایندوں سے ایک کانفرنس کی تھی جس میں جرمنی سے ویلڈنگ مشینری کی درآمد کی تفصیلات طے ہوئی تھیں۔

حملے سے دو روز قبل میں نے کارخانے کے مزدوروں کے سامنے ایک تقریر میں "ملوکیت پرستوں" کی جنگ پر تبصرہ کیا تھا۔ مجھے اس تقریر کے بارے میں سرکاری ہدایات ملی تھیں۔ میں نے کہا تھا کہ جرمنی اپنی شاندار فتوحات کے باوجود امن قائم کرنے کا آرزومند ہے مگر برطانوی ملوکیت پرست امریکی سرمائے کی شہ پر جنگ کو طول دینا چاہتے ہیں۔

کریملن کے اونچے حلقوں سے باہر کے کسی اور آدمی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ واشنگٹن کے محکمۂ خارجہ نے ہمارے امریکی سفیر کنسٹنٹائن امناسکی (Constantineoumansky) کو جنوری کے شروع میں بتا دیا تھا کہ ہٹلر روس پر حملہ کرنے کی سوچ رہا ہے۔ اس کے پانچ ہفتے بعد مسٹر سمنر ویلز نے بھی اسی خطرے سے آگاہ کیا تھا۔ لیکن روسی سیاستدانوں نے اسے جرمنی اور روس کی دوستی میں رخنہ ڈالنے کی ایک سرمایہ دارانہ چال سمجھا۔

ہمارے جاسوسوں نے جرمنی سے جو خبریں بھیجی تھیں وہ بھی کافی تشویش ناک اور اہم تھیں۔ انہوں نے بتا دیا تھا کہ روس کی طرف بھاری نازی فوجیں مارچ کر رہی ہیں۔ مجھے کام کے سلسلے میں ایسے روسی افسروں سے اکثر واسطہ پڑتا تھا جو برلن آتے جاتے رہتے تھے۔ اُنہیں ہٹلر کے ارادوں کا اندازہ تھا۔ جرمن باشندوں نے اُن سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ یہ ٹکر ہو کے رہے گی۔

ان افسروں کے اندازوں کو بھی سٹالین اور رائس کے حواریوں نے فتنہ پروری پر محمول کیا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ اپنے پراپیگنڈے سے وہ خود بھی بُری طرح متاثر ہیں۔

جہاں تک روسی عوام کا تعلق تھا اُن کے لئے ہٹلر اور سٹالین پر شک کرنا کفر کے برابر تھا۔ جرمنی پر شبہ کرنا رجعت پسندی اور انقلاب دشمنی تھی۔ نازیوں کے مظلوموں سے ہمدردی گرفتاری کو بلاوا بھیجنا تھا۔ ......

چنانچہ ۲۲ جون کا تاریخی دن بھی معمول کے مطابق جرمنی کی دوستی اور نیک نیتی پہ ایمان رکھ کے طلوع ہوا۔ کارخانے میں بڑے زور شور سے کام ہو رہا تھا کہ ہمیں حکم پہنچا کہ کامریڈ مالوتوف ریڈیو پر ایک اہم پیغام نشر کرنے والے ہیں۔ اُسے سننے کے لئے کام بند کر دیا جائے یہ واقعہ اپنی قسم کا پہلا واقعہ تھا اس لئے ہمیں بڑی حیرت ہوئی۔ ہم نے دُور دُور کی سوچی لیکن اس تلخ حقیقت کا کسی کو شبہ نہ ہوا۔

مالوتوف کے ٹوٹے پھوٹے اور پریشان الفاظ سن کے ہم سناٹے میں آ گئے — اس ہنگامہ خیز اعلان سے ہم کیا اندازہ لگا سکتے تھے؟ دھوکے باز چالاک ہٹلر نے اُن لوگوں پر جہنم کے دروازے کھول دیئے ہیں جنہوں نے اُس کی خاطر دس سال پیٹ بھر کے روٹی نہیں کھائی۔ ہم نے اُسے تیل خوراک دھاتیں اور گولہ بارود دیا کہ وہ یورپ کو فتح کر لے۔ ہم نے اپنے تمام وعدے پورے کئے۔ ہم نے نازیوں کی امداد سامان ہی سے نہیں پروپیگنڈے سے بھی کی۔ اس کے بدلے ہمیں کیا ملا تھا؟

چند ہی گھنٹوں میں پارٹی کا ایک مقرر پہنچ گیا۔ ہم نے تمام مزدوروں کو اکٹھا کر لیا۔ میں مانتوروف اور ریگوروف کے ساتھ اسٹیج پر بیٹھا۔ مقرر کی تقریر کے دوران میں میں مزدوروں کے چہروں اُن کے جذبات کا اندازہ لگاتا رہا جب اس نے جرمنی کے [illegible] کی بے ایمانی کا قصہ سُنا کے یہ ثابت کیا کہ ہمارا ڈکٹیٹر کیسا دیانتدار اور نیک دل ہے تو میں نے مزدوروں کی خاموش آنکھوں میں آگ اور دھوئیں کے بادل دیکھے۔ پشیمانی حیرت اور غم کی گھٹائیں دیکھیں۔

مانتوروف اور ریگوروف نے اپنی کمزور اور ناتوان آوازیں نئے نعرے پیش کرنے کی کوشش کی مگر وہ گھبرائے ہوئے اور شرمندہ تھے۔ نعرے ابھی بہت نئے تھے اس لئے زبانوں سے نکلتے نہ تھے۔ ہمارے لئے "جمہوری ممالک" کی بھلائی اور جرمنوں کی بُرائی کا ذکر کرنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔ مدت کی نفرت کے بعد فرانس اور انگلستان کا یکدم ساتھیوں کی حیثیت سے ذکر کرنا ہم مقرروں کے لئے واقعی بہت مشکل تھا۔

مزدور بوکھلائے ہوئے تھے۔ وہ مناسب وقفوں پر تالیاں پیٹ رہے تھے۔ پھر چُپ چاپ کام پر چلے گئے۔ ہم دن بھر کام کرتے رہے لیکن ہم میں سے بعض کے دلوں میں اضطراب تھا۔ جلسے کے بعد انجنیئر مرچی پارٹی ممبر میرے

پاس آیا اور کہنے لگا۔

"تو اب ہماری باری ہے — ہم نے یہ سال بڑی مشکلوں میں گزارے ہیں وکٹر کرادچنکو! جنگ، انقلاب، تباہی، پانچ سالہ منصوبے، بھوک، قحط، بیماریاں، گرفتاریاں، پھانسیاں — اور اب پھر جنگ چھڑ گئی ہے! کیا یہ دَور پھر شروع ہوگا؟ ہم دوسرے ملکوں کی سی زندگی کب شروع کریں گے؟"

"ہمیں کام کرنا چاہیے کامریڈ۔ اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔"

"یہ تو صحیح ہے۔ کام کرو اور لڑو — لیکن آدمی سوچنے پر تو قابو نہیں پا سکتا......!"

"کام پر جاؤ" میں نے ذرا ڈانٹ کے کہا۔ "یہ بات پھر ہوتی رہے گی۔"

شام کو مجھے اطلاع ملی کہ شفٹ سپرنٹنڈنٹ وادم (Vadim) کام پر نہیں آیا اور ٹیلیفون پر بھی اس کی کوئی اطلاع نہیں ملتی۔

میں نے نمبر ملایا۔

"یہ وادم کا مکان ہے؟"

"وادم کا مکان ہے!"

"وادم کو بلا دیجئے"

"آپ کی تعریف؟"

"اسسٹنٹ چیف انجینیر وکٹر کرادچنکو!"

"وہ یہاں نہیں ہے اور نہ کبھی ہوگا!"

"کون بول رہا ہے؟ میں سرکاری طور پر بات کر رہا ہوں"

"میں بھی سرکاری طور پر بات کر رہا ہوں۔ میں خفیہ پولیس کا ایک افسر ہوں —"

میں نے ریسیور رکھ دیا۔ میرا دوست وادم گرفتار ہو چکا تھا! یہ ایک انقلابی [illegible] کی المناک انتہا تھی! وادم ایک پڑھا لکھا آدمی اور قابل انجینیر تھا۔ اُس نے انقلاب میں عملی جد و جہد کی تھی اور پھر لینن کا پرسنل سیکرٹری ہو گیا۔ اُسے بڑے بڑے اونچے عہدے ملے۔ غیر ملکوں میں اُس نے کئی روسی وفود کی قیادت کی تھی۔ مختصر یہ کہ وہ روسی حکومت کی ایک اہم شخصیت تھا۔

گرفتاریوں کے زمانے میں اُسے پارٹی سے نکال دیا گیا اور ہمارے پلانٹ میں اسسٹنٹ فورمین لگا دیا گیا۔ لیکن سٹالین کے اس سابق سیکرٹری نے تھوڑی سی ترقی کی اور شفٹ سپرنٹنڈنٹ بن گیا۔ حال ہی میں اُسے پھر سے پارٹی میں شامل کیا گیا تھا۔ اُس کا بیٹا جو اُس کی واحد اولاد تھی محاذ جنگ پر تھا — اور اب وہ جیل میں تھا!

وہ اُن لاکھوں آدمیوں میں سے ایک تھا جو جنگ کی بھینٹ چڑھا دیے گئے۔ آئندہ چند ہی دنوں میں میرے دیکھتے ہی دیکھتے سینکڑوں آدمی غائب ہو گئے۔ اس سے بہت پہلے خفیہ پولیس کے ایک افسر نے جو میرا دوست تھا مجھے بتایا

تھا کہ جنگ چھڑ گئی تو "خطرناک عناصر" کو کچل دیا جائے گا۔ ہر شہر اور قصبے میں سیاہ فہرستیں بن چکی ہیں اور لاکھوں پکڑے جائیں گے۔ اُس نے مبالغہ نہیں کیا تھا۔ اور حقیقتاً "اندرونی دشمنوں" کا استیصال ہی جنگ کی جدوجہد کا وہ حصّہ تھا۔ جو انتہائی پورے زور و شور سے جاری تھی۔ بہ سٹالین کے اپنے لفظوں میں "بڑھنے والی فوجوں کو عقبی خطرے سے محفوظ رکھنے کی کوشش تھی"۔

ان "اندرونی دشمنوں" کا پروپیگنڈا اس شدت سے کیا جارہا تھا جیسے سٹالین خود نازی فوجوں کی نسبت ان سے زیادہ خائف ہو۔ اجتماعی کاشت کے مظالم ۳۳-۱۹۳۱ کا مصنوعی قحط اور "پارٹی کی صفائی کی مہم" نے دلوں پر گہرے نقوش چھوڑے تھے۔ روس بھر میں شاید ہی کوئی ایسا خاندان ہو جسے قربانی نہ دینی پڑی ہو۔ اب سٹالین اور اس کے حواریوں کو پریشانی تھی تو صرف ہماری ان سے وفاداری کی۔ شاید وہ خوابوں میں دیکھتے تھے کہ روس کے بیس لاکھ بیگاری اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ... انہوں نے جیلوں کی مضبوط دیواروں کو توڑ دیا ہے .... وہ کریملن کی طرف بڑھے چلے آرہے ہیں .... اور اب سٹالین اور اُس کے حواری ان ڈراؤنے خوابوں کو روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔

حکومت نے جنگ چھڑنے کے فوراً بعد سب سے پہلے سیاسی مخالفت کو کچلنے کی کوشش کی۔ اُسے دفاعی ضروریات پر بھی ترجیح دی گئی۔ جرمن نسل کے تمام روسیوں کو ایک ایک کر کے گرفتار کر لیا گیا۔ والگا جرمن پبلک کی تمام آبادی کو جو تقریباً پانچ لاکھ تھی اور جو اس علاقے میں ملکہ کیتھرائن کے زمانے سے آباد چلی آرہی تھی۔ یہاں سے نکال کے سائبیریا کے مختلف حصّوں میں آباد کر لیا گیا۔ پھر پولوں اور بالٹک کی ریاستوں کے لوگوں کی باری آئی۔ نظربندوں اور بیگاریوں کے کیمپ بھر گئے۔ ہمارے حاکموں نے ڈرے ہوئے بھیڑیوں کا سا رویہ اختیار کر لیا۔

جنگ کے شروع ہونے کے کچھ دن بعد ماسکو میں "فوجی عدالتیں" قائم کی گئیں۔ دوسرے شہروں میں اُن کی شاخیں کھول دی گئیں۔ ان عدالتوں کو گرفتار کرنے اور پھانسی دینے کے وسیع اختیارات تھے۔ پھر ریلوے کی عدالتیں دریائی سفر کی عدالتیں اور جنگی عدالتیں قائم کی گئیں خفیہ پولیس نے نئے سرے سے ملک بھر میں جاسوسوں کا جال بچھا دیا۔ یہ بات عیاں تھی کہ ہماری حکومت سخت گھبراہٹ میں ہے۔

سٹالین نے جنگ چھڑنے کے ۱۲ روز بعد ایک تقریر میں کہا:-

> "ہمیں اندرونی دشمنوں بھگوڑوں گھبراہٹ بزدلی اور افواہیں پھیلانے والوں کے خلاف بے رحمی سے جدوجہد کرنی چاہیئے .... ایسے تمام مجرموں کو فوراً جنگی عدالتوں کے حوالے کر دینا چاہیئے۔"

اور ان الفاظ پر سٹالین کے شکاری کتوں نے جس طرح عمل کیا اُس سے سٹالین بھی حیران رہ گیا ہوگا۔ پہلے چھ مہینوں میں ماسکو میں ہزاروں آدمیوں کو گولی کا نشانہ بنایا گیا —— ان کا قصور کیا تھا؛ شک یا مایوسی کا ایک لفظ؛ خوف کا ذرا سا مظاہرہ! راشن لینے والوں کی قطاروں بازاروں دکانوں تھیٹروں ریلوے سٹیشنوں اور بسوں میں جاسوس ہر وقت لوگوں کی باتیں سنتے رہتے۔ لوگوں میں دہشت اس قدر پھیل گئی کہ وہ بھوکے ہوتے تو چھپاتے کہ کہیں یہ نہ سمجھا

جائے کہ ہم سٹالین پر تنقید کر رہے ہیں۔

روس کے حالات صحیح طور پر بیان نہیں کئے جا سکتے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ جنگ کے اندر جنگ ہو رہی ہے ——— اور یہ سٹالن کے عوام پر اعتماد کا ایک مظاہرہ تھا۔ دوسرا مظاہرہ یہ تھا کہ۔۔ سوشلزم کے وہ نعرے جو ہم مدت سے سنتے چلے آ رہے تھے یکدم رجعتی ہو گئے۔ رات ہی رات میں ان پر خط تنسیخ کھینچ دیا گیا۔ خطرے کے شدید احساس سے روسی حکومت حب الوطنی نسلی وفاداری اور آخر آخر میں مذہب کی محبت کا چرچا کرنے پر اُتر آئی۔ اب ہم سے یہ نہیں کہا جاتا تھا کہ "اشتراکیت کے وطن" کی خاطر لڑو۔ اب ہم سے روسیوں کے ملک سلافی تہذیب اور خدائے واحد کے نام پہ اپیل کی جاتی تھی۔

جیسے جیسے جرمن بڑھتے آ رہے تھے اجتماعی کاشت غیر طبقاتی سماج عالمی انقلاب اور سوشلزم کا ذکر کم ہوتا جا رہا تھا۔ بہت مدت کے بعد جب جرمن پسپا ہوئے تو یہ نعرے پھر سے کانوں میں گونجے۔ روسی عوام میں تو لاکھوں کو ان نعروں پر اعتماد تھا ——— لیکن کریملن کے آقاؤں کے دل ہمیشہ وسوسے میں رہے۔

لیکن مجھے تو ابھی جنگ کے پہلے سال کا حال سنانا ہے۔

"اس شام میں مانتوروف کے دفتر میں گیا تو یگوروف اور ایک اسب پلانٹ کا ڈائرکٹر لاری نوف بھی وہاں بیٹھے تھے۔ ریڈیو کھلا تھا۔ سب خبریں سننے کو بے تاب ہو رہے تھے۔ اچانک ایک سریلی آواز آئی۔ اس نے روسی میں کہا۔

"روس کے شہریو! روسی لوگو! سنو سنو۔ ہم جرمن فوج کے ہیڈ کوارٹر سے بول رہے ہیں"!

ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"بدذات کو بند نہ کر دیں؟" مانتوروف نے کہا

"بھاڑ میں ڈالو۔ دیکھیں حرامی بکتا کیا ہے" یگوروف نے کہا۔

"روسی مزدورو اور کسانو! تم گزشتہ چوبیس سال سے خوف اور بھوک میں جی رہے ہو۔ تمہیں خوشحال زندگی کے خواب دکھائے گئے تھے لیکن تمہیں ملا کیا؟ زنجیریں۔ تم سے روٹی کا وعدہ کیا گیا تھا۔ لیکن تم نے پایا کیا؟ قحط۔ تم غلام ہو۔ انسانیت کے حقوق تم سے چھن گئے ہیں۔ تم میں سے ہزاروں سائبیریا کے سرد صحراؤں میں مر رہے ہیں۔ تم اپنے ملک اور اپنی ضمیر پر قادر نہیں ہو۔ تمہارا مالک سٹالین ہے۔ تم میں سے لاکھوں جیلوں میں ٹھنسے ہوئے بیگار میں پکڑے گئے ہیں۔ تمہارے آقاؤں نے تمہارے عقیدے متزلزل کر کے تمہیں سٹالین کی پوجا پر مجبور کر دیا ہے۔ تمہاری تقریر و تحریر کی آزادیاں کیا ہوئیں؟ ظالموں کا تختہ الٹ دو! روسی عوام کے دشمنوں کے لئے موت لکھی جا چکی ہے"!

اس کے بعد جرمن پروپیگنڈے کی مخصوص گالیاں اور دھمکیاں شروع ہو گئیں۔

"بند کرو" مانتوروف نے کہا۔

مانتوروف نے جلدی سے ریڈیو بند کر دیا۔ خاموشی بوجھ کی طرح محسوس ہونے لگی۔ ہم ایک دوسرے کی نظروں سے کترا رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں اُٹھ کے چلے گئے۔

گھنٹے بھر کے بعد میں پھر مانتوروف کے دفتر کی طرف آیا۔ مجھے اُس سے ایک مشورہ لینا تھا۔ میں دستک دیئے بغیر کمرے میں داخل ہو گیا اور کیا دیکھتا ہوں کہ مانتوروف اور یگوروف جرمنوں کا پروپیگنڈا سن رہے ہیں۔ میں اس کی وجہ سمجھتا تھا۔ بیس سال کے بعد پہلی مرتبہ سوویت حکومت کو چوری چھپے نہیں کھل کے گالیاں پڑ رہی تھیں ـــ

"ـــ یہ اشتہار ہاتھوں سے کے ہماری طرف آؤ۔ یہ اشتہار تمہارے پاس ہیں۔ جرمن تمہیں آزادی کی زندگی دیں گے۔ تم موت اور غلامی کے لئے کیوں لڑ رہے ہو؟"

مانتوروف نے ریڈیو بند کر دیا۔ یگوروف مجھے دیکھتے ہی باہر نکل گیا۔ میں نے ریڈیو کا ذکر نہ کیا اور جس کام سے اس کے پاس آیا تھا اسی کی بات چھیڑی۔ ایک فقرے کے درمیان میں مانتوروف نے یکایک کہا

"کراوچنکو بہترین صورت یہی ہے کہ تم ریڈیو کی بات کا کہیں ذکر نہ کرو ـــ خدا نہ کرے تم سمجھتے ہی ہو۔ خدا ان کی حفاظت کرتا ہے جو اپنی حفاظت آپ کرتے ہیں۔"

"میں شرط لگاتا ہوں کہ آدھے ماسکو نے اسے سنا ہے!"

"کل سے نہیں سُنے گا۔ مجھے ابھی ٹیلیفون پر اطلاع پہنچی ہے۔ کل تمام ریڈیو سٹ ضبط ہو جائیں گے!"

"ضبط ہو جائیں گے؟ کیوں؟"

"سنبھال کے رکھنے کے لئے"

اور اگلے دن یہی ہوا۔ تمام شہریوں نے ڈر کے مارے اپنے ریڈیو سٹ تھانوں میں جمع کرا دیئے۔ جنگ کے سارے زمانے میں روسیوں کو لاؤڈ سپیکر لگانے کی اجازت تھی جو سرکاری ریڈیو سے منسلک کئے جاتے تھے دوسرے ملکوں میں دشمن کا پروپیگنڈا سننے کی ممانعت تھی لیکن روسی حکومت نے روسی عوام پر قطعی طور پر اعتبار نہ کیا۔

یہ لوگوں سے خبریں چھپانے کا پہلا اقدام تھا۔ صرف محاذ کی ڈاک ہی پر سنسر نہیں تھا۔ عام شہریوں کے نجی خط بھی کھول کے پڑھے جاتے تھے۔ پہلے ہی ہفتے میں لوگوں کو حکومت کے جنگی اعلانوں پر اعتبار اُٹھ گیا۔ اس لئے افواہیں پھیلنے لگیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ روسی اپنی حکومت کو دروغ گو اور جھوٹا سمجھتے ہیں۔

ہمارا کام بہت بڑھ گیا۔ فوجی بھرتی کی وجہ سے مزدوروں کی تعداد گھٹ گئی۔ نظری طور پر ہماری حکومت کو امن کے بائیس سال ملے تھے اور وہ پوری طرح تیار تھی۔ عملی طور پر نہ امن نصیب ہوا تھا نہ تیاری ہوئی تھی۔

ہم ان افواہوں پر یقین نہ کر پائے تھے کہ نازیوں کا طوفان مشرق کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اُس عظیم سرخ فوج کا کیا ہوا؟ ہماری مضبوط سرحدیں کہاں گئیں؟ ہماری طویل غیر جانبداری کے فوائد کیا ہوئے؟

سرکاری اعلانوں میں بہت کم اطلاعات ہوتی تھیں جس کا نتیجہ افواہیں تھیں۔ پولیس کے دستے پناہ گزینوں کو ماسکو

میں داخل ہونے نہیں دیتے تھے تاکہ شہر والوں کا حوصلہ کم نہ ہو۔ لیکن اُن میں سے کئی ایک چوری چھپے گھس آئے اور اُنھوں نے ہم کو تباہی کی داستانیں سنائیں۔

جولائی کے شروع میں ایک اعلان کیا گیا۔

"کل رات مرمنسک، ڈوونسک، منسک اور لٹسک کے مقامات پر زبردست جھڑپیں ہوئیں۔

.... مرمنسک میں ہماری فوج نے بڑی زبردست مدافعت کی۔ ڈوونسک اور منسک میں سرخ فوج نے دشمن کے پٹرول ٹینک دستے تباہ کر دیئے۔"

لیکن ۳ جولائی کو سٹالین نے پہلی بار تقریر کی تو ایک سہمی ہوئی قوم اس خوفناک سچائی سے واقف ہوئی "ہٹلری فوجیں لتھونیا، سفید روس کے ایک بڑے حصے اور مغربی یوکرائن پر قابض ہو گئی ہیں۔ مادرِ وطن سخت خطرے میں ہے......"

ہمیں اپنے کانوں پر یقین نہ آتا تھا۔

"فاشسٹ حملہ آوروں کے خلاف جنگ کا مقصد یورپ کے تمام مظلوم ممالک کی امداد کرنا ہے امریکہ اور برطانیہ کے عوام ہمارے وفادار ساتھی ہیں........ ہمارے ملک کے لئے ہماری جنگ جمہوری آزادی کے لئے یورپ اور امریکہ کی جنگ کے مشابہ ہے......"

سٹالین نے پہلی مرتبہ "جمہوریت" اور "آزادی" کے الفاظ پرانے معنوں میں استعمال کئے۔ کئی روسیوں کے دلوں میں پھر سے آزادی کی تڑپ جاگ اٹھی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ دنیا سے ہماری علیحدگی ختم ہونے کو ہے۔

سٹالین نے کہا تھا "بھائیو اور بہنو میں تم سے مخاطب ہوں میرے دوستو!" سٹالین نے روسی عوام کو بائیس سال میں پہلی مرتبہ یوں مخاطب کیا تھا۔ ایک مزدور نے میرے کان میں کہا "آقا بہت پریشانی کے عالم میں ہیں —— ورنہ ہمیں "بھائیو اور بہنو" تو انہوں نے کبھی نہ کہا تھا!"

اپنی شکستوں کی وجہ سے ہم خوب واقف تھے۔ گزشتہ بیس سال سے ہم بھوکے اور مصیبت زدہ تھے۔ مگر ہمارے لیڈر ہماری فوجی قوت کے گیت گاتے نہ تھکتے تھے۔ اب موقع پڑا تو انہوں نے توپوں، ہوائی جہازوں اور بارود کی کمی کا رونا رونا شروع کر دیا۔ تین پانچ سالہ منصوبوں نے ہمیں خوراک، کپڑوں اور ضروریات زندگی سے محروم کر دیا۔ اب وقت آیا تو ہمارے دو کروڑ آدمیوں کے ہاتھوں میں دشمنوں کے ریلے روکنے کے لئے پٹرول کی چند بوتلیں تھیں —— ہم توپوں کی خاطر مکھن سے محروم ہوئے —— اب نہ مکھن تھا نہ توپیں۔

حکومت شکستوں کی کوئی معقول وجہ پیش نہ کر سکی۔ بغاوت کا احساس بڑھتا جا رہا تھا —— لیکن روس کا عظیم ملک جنگ شروع ہونے کے دو سال بعد سپاہیوں کی تعداد، وقت اور فوجی اڈوں کی فضیلت کے باوجود کمزور ٹٹو کی طرح پٹ کیوں رہا ہے۔ اگر ہم فرانس سے بڑے نہ ہوتے تو پہلے چار مہینوں میں چار دفعہ پٹ چکے ہوتے۔

روسی سرحدوں کی وسعت، روسی عوام کی تعداد اور ان کی بے مثال شجاعت اور قربانی عقب میں نئی صنعتوں

کی ترقی اور عزم نے میرے ملک کو تباہی سے بچایا۔ سوویٹ حکومت نے حب الوطنی کے جذبے ابھارے اور سٹالین گراڈ کے بعد امریکی اسلحہ جات اور ضروریات بہم پہنچ گئیں۔

نقل و حرکت بڑی تیزی اور جلدی میں ہوتی ہوئی کہ دوستوں کو اطلاع دیئے بغیر محاذ پر بھیج دیا گیا۔ مزدوروں کو کارخانوں سے گھر جا کے اطلاع دینے کا موقع نہ ملا۔ اور یہ اس کے باوجود ہمارے پاس دنیا کی سب سے زیادہ فوجیں تھیں اور ہم فن لینڈ میں جنگ کا ریہرسل کر چکے تھے۔ حکومت پر یہ مصیبت ایسی اچانک آن پڑی کہ اس کے پاس وردیاں بھی نہیں تھیں۔ اُن دنوں افسر وردیوں کے بغیر اور تربیت کے بغیر مرے۔ لاکھوں آدمی کپڑے کے بوٹوں میں کیچڑ میں پھنسے رہے اور جب برف کے جھکڑ شروع ہوئے تو اُن کے پاس ابھی ٹھنڈے ہی کپڑے تھے۔ میں نے رنگروٹوں کو رائفلوں کی بجائے لاٹھیوں سے پریڈ کرتے دیکھا۔

فن لینڈ کی وادیں جن کے لیئے روس نے ۱۹۴۰ میں اچانک جنگ چھیڑ دی تھی فوراً ہاتھ سے نکل گئیں۔ اسی طرح پولینڈ اور بالٹک کے ممالک جرمن بوٹوں کے تلوں نے روند ڈالے۔

جولائی کی ایک صبح کو یگوروف نے مجھے بھرتی کے لیئے تقریر کرنے کی ہدایت کی۔ میں نے اُسے کہا کہ تم پارٹی لیڈر ہو تم کرو۔ لیکن اُس نے ٹال دیا۔ بولا:۔

"نہیں نہیں وکٹر کراوچنکو۔ یہ تحریک پارٹی کو نہیں عوام کو چلانی چاہیئے۔ مزدوروں میں تم ہر دلعزیز ہو۔ تم کرو تو بہت فائدہ ہوگا۔

میں نے کارخانے کے مزدوروں سے اس طرح خطاب کیا جیسے ایک روسی دوسرے روسی سے بات کرتا ہے۔ کھلی کھلی سیدھی سیدھی باتیں جو نعروں سے پاک ہوتی ہیں۔ مجھے اپنے وطن سے محبت تھی۔ اس لیئے میں نے جو کچھ کہا دل سے کہا۔ مجھے روسی حکومت سے شدید نفرت تھی۔ میں نے لوگوں کو سٹالین کے نام پر نہیں ابھارا۔ میں نے اُن کے جذبہ حب الوطنی کو جگایا ۔۔۔ اور یہی روس کی فتح کا سب سے بڑا راز ہے۔

آخر میں میں نے خود پہل کی اور بھرتی کے لئے اپنا نام پیش کر دیا۔ میرے بعد کارخانے کے سینکڑوں مزدوروں نے نام لکھائے۔

جنگ شروع ہونے کے ایک ہفتے بعد ماسکو میں قحط پڑ گیا۔ لوگ لمبی لمبی قطاریں لگائے روٹی مٹی کے تیل اور دوسری ضروریات کے لیئے کھڑے رہتے۔ روس کے دارالحکومت میں ہوائی حملوں سے بچاؤ کی پناہ گاہیں بھی نہیں تھیں۔ حملے سے پہلے روسی حکومت نے یہ بھی نہیں کیا۔ کہ سرحد پر جو کارخانے تھے۔ اُن کی مشینیں اُٹھا کے کسی دوسری جگہ بھجوا دے۔ کریملن کے اعلانات کے مطابق ہم نے صرف حملے کی تیاری کی تھی۔ اس لیئے جب جرمن بڑھے تو ہم اُن کے آگے ٹھہر نہ سکے۔ اور کروڑوں ٹن کچا مال جنگی سامان اناج ایندھن اور سب سے بڑھ کر یہ کہ لاکھوں آدمی جرمنوں کے قبضے میں آ گئے۔

مقامی افسروں پر حکومت کے مظالم کا ایسا رعب چھایا ہوا تھا کہ کسی میں جرأت مندانہ اقدام کی ہمت نہ تھی۔ نازیوں کی یلغار کے سامنے بھی انہوں نے اپنے آپ کچھ کرنے کی جرأت نہ کی۔ انہوں نے لمبی لمبی رپوٹیں بھیجدیں اور بے سود انتظار کرتے رہے تھے کہ نازیوں نے اُن کو آ لیا۔ جرمنوں کو ہمارے کارخانوں اور فوجی اڈوں کی اچھی طرح واقفیت تھی کیونکہ ان میں سے زیادہ تر جرمن انجینیروں نے خود لگائے تھے۔ چنانچہ انہیں تلاش کرنے میں کوئی دقت نہ ہوتی تھی اور وہ بڑی آسانی سے ہم پر بم برسا سکتے تھے۔ اس کے برعکس جرمنی میں ہمارے جن جاسوسوں نے کام کیا تھا اُن کی غالب اکثریت کو شہادت کی بنا پر مروا دیا گیا تھا۔ اب ہم جرمنی پر وار نہیں کر سکتے تھے۔ سفید روس اور یوکرائن کے تمام بڑے بڑے کارخانے جرمنوں کے ہاتھ آئے۔ اِن کی استعداد ایک کروڑ ٹن فولاد کی سالانہ پیداوار تھی۔ ہم نے اُنہیں کوئی بیس لاکھ ٹن فولاد بھی دیا جسے وہ ٹینکوں مشین گنوں اور توپوں کی شکل میں ڈسالی کر پھر روس لے آئے۔

سٹالین کی حکومت کو اخیر میں فتح تو ضرور ہوئی۔ تاہم اس پر یہ الزام باقی رہے گا کہ اس نے جنگ کی تیاری نہیں کی تھی۔ اس غفلت کا نتیجہ یہ ہوا لاکھوں روسیوں کو جانیں دینی پڑیں۔ لینن گراڈ کی آبادی کو کسی دوسری جگہ کیوں نہیں پہنچا دیا گیا؟ اس ایک شہر میں یکم مئی ۱۹۴۳ تک بارہ لاکھ نفوس بھوک اور سردی سے مر گئے اور باقی تین سال کی خوفناک محصوری کا شکار ہو گئے۔ یہ شہر خطرے میں تھا۔ اس کو بچانے کی کوششیں مدتوں پہلے شروع ہو جانی چاہئیں تھیں لیکن جنگ چھڑ جانے کے بعد بھی کسی نے خیال نہ کیا۔ یہی حالت کیف اوڈیسہ سبسٹاپول اور سٹالنگراڈ ووسرے شہر کے بدنصیب باشندوں کی تھی۔ بابا آئی کا فسٹاشن کی بیوی اور اس کا بچہ شیر وپیٹروسک میں رہ گئے۔ یہ جرمنوں نے اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ جرمنی انہی کا پیچھا کرتے رہے وہ تباہ شدہ کھنڈروں میں چھپتی پھریں بالآخر انہیں پکڑ کے ایک گندے سے کیمپ میں نظربند کر دیا گیا۔ جہاں وہ دو سال رہیں۔ میری بھابی کلو ابھی بچ گئی۔ اُس کے ننھے بچے اور بابا کے بارے میں مجھ کو کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

اگر جرمن روسیوں پر بے پناہ ظلم نہ توڑتے تو شاید روسی قوم میں مدافعت کا جذبہ پیدا نہ ہوتا۔ روسی حکومت تے دو سال جرمنوں کی نیکیوں کے گن گاتے تھے۔ لیکن روسیوں کو ہم نازیوں سے نفرت کرنی سیکھنی پڑی۔ یہاں یہ بات ملحوظ ہے کہ جنگ کے شروع میں سرخ فوج کے پورے پورے ڈویژن ایک گولی تک چلائے بغیر جرمنوں کے قیدی بن گئے۔ لیکن جرمنوں نے نسلی تفاخر کے جنون میں قتل عام آتشزدگی اور عصمت دری کی مہم شروع کر دی خفیہ پولیس کی جگہ گسٹاپو نے لے لی جس نے مظلوم روسیوں پر جہنم کے دروازے کھول کے سٹالین پر بڑا احسان کیا۔ روسی مجبور ہو کر جان توڑ کر اپنی مدافعت کرنے لگے۔ اگر جرمن مہذب اور جمہوریت پسند ہوتے اور روسیوں سے حیوانوں کا سا سلوک نہ کرتے تو دنیا کی تاریخ مختلف ہوتی۔

ہمارے کارخانے کی رونق ختم ہو گئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ زندگی کا چراغ بجھ رہا ہے۔ مزدور خاموش اور سہمے ہوئے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد ہمیں کارخانے خالی کرنے کا حکم مل گیا۔ چند ہونہار قسم کے کاریگروں کو مشینوں کے ساتھ مشرق

میں بھیج دیا گیا۔ باقیوں کو دو دو ہفتے کی تنخواہیں دے کر ملازمت سے سبکدوش کر دیا گیا۔ ہوائی حملوں، قحط، سردی، پانی اور بجلی کی سپلائی کی مصیبتوں پر بیگاری مستزاد تھی۔ مزدوروں کی زندہ رہنے کی تمام آرزوئیں دم توڑنے لگیں۔

نازی ستمبر کے آخر سے پہلے کسی صورت بھی ماسکو نہیں پہنچ سکتے تھے لیکن اگست ہی میں اس پر نحوست برس رہی تھی۔ بڑے بڑے افسر اور پارٹی لیڈر نارون میں سامان باندھ باندھ کے یورال اور رسورد لوسک کی طرف بھاگ رہے تھے۔ کچھ سرکاری دفتر وہاں باقی تھے لیکن ان کے افسروں کے سوٹ کیس بھی تیار پڑے تھے کہ جب موقعہ آن پڑے تو بھاگ جائیں۔ ہم دن کو کام کرتے۔ شام کو قواعد کرتے اور ساری رات بمباری کے خوف سے جاگتے رہتے۔ تمام کارخانوں میں ہنگامی قوانین نافذ کر دیئے گئے تھے۔ اس لئے مجھے ہفتوں گھر جانے کی اجازت نہ ملتی۔ وہیں کام کرتا اور وہیں رات کو چند گھنٹے پڑا رہتا ——— مجھے وہ دہشت ناک مناظر کبھی نہ بھولیں گے بموں کی گھن گرج کے درمیان ہم اپنی مشینوں اور چوکیوں پر کھڑے رہتے۔ عورتیں اور نوعمر لڑکے پاگلوں کی طرح چیختے، آسمان سے آگ برستی اور زمین پر خون بہتا۔ مجھے یہ مناظر ہمیشہ یاد رہینگے!

سرخ فوج میں میری شمولیت میری آرزو کے عین مطابق تھی۔ ستمبر کے شروع میں میرا امتحان ہوا جس میں دو منٹ لگے۔ مجھے ماسکو سے بیس میل کے فاصلے پر بوتشیفو کے جنگی انجینئری کے کالج میں بھیج دیا گیا۔ مجھے کپتان کا عہدہ دیا گیا جس سے میں بہت خوش تھا۔ یہاں مجھے انجینئری اور لڑائی کی تربیت دی گئی۔ یہ مقام ماسکو سے اتنا قریب تھا کہ مجھے اور ادینا کو جدائی محسوس نہ ہوتی تھی۔

ماسکو جنگ کے زمانے میں

کالج میں مجھے پارٹی آرگنائزر بنا دیا گیا۔ ہمارے ہاں بیس سال سے کم عمر کے لڑکے بھی تھے۔ لیکن جس ڈویژن میں میں تھا اس میں زیادہ تر پختہ عمر کے جوان تھے۔ میں دل میں سوویت حکومت کا سخت دشمن تھا۔ اس کی بہیمانہ حرکتوں سے میرا دل کباب تھا۔ فوج میں آ کے میں نے جو حالات دیکھے اُن سے اس نفرت میں استقلال اور گہرائی پیدا ہو گئی۔ لیکن اس نفرت کو اس کی گہرائی اور استقلال کے باوجود میں نے اپنے جذبۂ حب الوطنی پر کبھی حاوی نہیں ہونے دیا۔ میں دل سے روس کی فتح کا آرزو مند تھا۔ یہی حالت میرے دوسرے ساتھیوں کی تھی۔

ہماری تربیت نہایت گھٹیا تھی۔ ہمارے ہتھیار پُرانے اور استعمال شدہ تھے۔ ہمارے اُستادوں کو جدید جنگ کے فن سے کوئی واقفیت نہ تھی۔

ایک اُستاد نے ایک لیکچر میں ہمیں کہا

"ڈائنامیٹ بے حد کارآمد چیز ہے۔ اس سے ہم دشمن کے راستے روک سکتے ہیں"

"لیکن جرمن ہمیں ڈائنامیٹ لگانے کا موقعہ کب دیں گے؟"

اُستاد اُس وقت تو خاموش ہو رہا۔ جب کلاس ختم ہوئی تو اُس نے کہا۔

"تم کہتے تو ٹھیک ہو کراوچینکو مگر کیا کریں ہمارے پاس اور کچھ ہے ہی نہیں!"

اتفاق سے ہمارے اُستاد بھی ویسے ہی پُرانے تھے۔ جیسے ہمارے ہتھیار اس لئے کام چلتا رہا۔ اُس کرنل سے جو ہمیں سفرمینا کا کام سکھایا کرتا تھا۔ سڑکیں بنانے والی کسی فرم کا ایک فورمین زیادہ سمجھدار ثابت ہوتا۔ لیکن وہ آزمودہ کار کمیونسٹ تھا۔ اور دن بھر ہمیں اپنے پرانے کارنامے سناتا رہتا۔ گپ بازی سے جو وقت بچتا اُس میں ہم لینن اور سٹالین کی کتابیں پڑھتے۔ ظاہر ہے کہ لینن اور سٹالین کی ادبیات کے وسیع مطالعے کے بغیر ہم سرنگیں

کیسے بنا سکتے اور کانیں کیسے بجھا سکتے تھے؟

لیکن ہم سب نے بڑی محنت کی۔ ہم سب کو معلوم تھا کہ عرصے کے بعد ہزاروں زندگیاں ہمیں سونپ دی جائیں گی۔ ہمیں قومی سلامتی کی گتھیاں سلجھانی پڑیں گی۔ پارٹی آرگنائزر کی حیثیت سے ماسکو میں میرا اکثر آنا جانا رہتا تھا۔ اور پارٹی کے اعلٰے اور مخصوص قسم کے جلسوں میں مجھے بلایا جاتا تھا۔ پارٹی کی خفیہ رپورٹیں جو ہمیشہ مایوس کن ہوتی تھیں ہمیشہ میرے سامنے پڑھی جاتی تھیں۔ جیسے جیسے جرمن بڑھے آرہے تھے۔ ماسکو میں بے چینی اور اضطراب بڑھتا جارہا تھا اور لوگوں کو دوسری جگہ بھیجنے کی رفتار میں تیزی پیدا ہوتی جارہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ پولیس کی سختیاں بھی زور پکڑ رہی تھیں۔

ستمبر کے آخر میں بدنظمی اور بے چینی کی انتہا ہوگئی۔ انخلا کے معاملے میں اقربا نوازی پر دردی سے عمل ہو رہے تھے۔ جس سے عوام کو اشتعال آرہا تھا۔ بیس سال میں میں نے پہلی مرتبہ لوگوں کو حکومت پر نکتہ چینی کرتے سنا۔ ہر محکمہ نے گاڑیوں میں اپنے لئے جگہیں ریزرو کروالی تھیں۔ لیکن یہ جگہیں استعمال کرنے کی اجازت محکمے کے افسروں کے ہاتھ میں تھی جو اپنے عزیزوں رشتہ داروں کو خوب فائدہ پہنچاتے۔ سیاسی لیڈر تو اپنا بھاری فرنیچر تک اور الماریاں تک لے جاتے لیکن ہزارہا خاندان ریلوے اسٹیشن پر مشرق کی طرف جانے والی کسی گاڑی میں فٹ بھر جگہ کی آس لگائے ہفتوں پڑے رہتے۔ مایوس ہو کے ہزاروں تو پیدل ہی چل کھڑے ہوئے تھے۔ لیکن پناہ گزینوں کی تعداد بڑھتی ہی جارہی تھی۔

حکومت نے اپنے دفاتر عجائب گھر لائبریریاں حتٰے کہ ایک رات چوری چھپے سے لینن کی لاش تک ماسکو سے ہٹالی۔ اُسے عام آدمیوں کے آرام اور اُن کی ضروریات کی کوئی پروا نہ تھی۔

۱۲ ستمبر کی رات کو جرمنوں نے بولشیفو کے علاقے پر اشتہار پھینکے۔ میں نے کچھ معتمد کمیونسٹوں کو بھیجا کہ وہ انہیں اکٹھا کرلیں۔ عوام کو ان اشتہاروں کے پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔ لیکن ہم نے چوری چوری ان کو پڑھ لیا۔ ان سے ہم پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ دشمن کے لئے دل میں نفرت بڑھ گئی۔ یہ پروپیگنڈا سب انتہا احمقانہ تھا۔

اُسی رات اچانک الارم سے ہم جاگ اُٹھے۔ تین نیم تربیت یافتہ دستوں کو محاذ پر پہنچنے کا حکم ہوا۔ اڑتالیس گھنٹوں کے بعد اُن میں صرف ایک تہائی بچ کر آسکے وہ بھی سردی بھوک اور زخموں سے نڈھال تھے۔

۱۳ اکتوبر کو ہم جرمنوں کی یلغار کو روکنے کے لئے برف میں اوندھے منہ پڑے تھے۔ ہمیں اندیشہ تھا کہ جرمن چھاتہ فوجیں ماسکو پر حملہ کرنے کے لئے یہاں اتریں گی۔ میں ایک ٹھنڈا انڈر ویر کپڑے کے بوٹ اور ایک پرانا فوجی کوٹ پہنے تھا۔ اس وقت درجہ حرارت صفر سے بھی کم تھا۔ میرے پاس ایک پرانی رائفل اور تین کارتوس تھے۔ جو ہمیں زیادہ خوش نصیب تھے۔ اُن کے پاس پانچ کارتوس تھے۔

گولیاں بھیجنے کا وعدہ کیا گیا تھا مگر یہ وعدہ ایفا نہ ہوا۔

ہماری نظروں کے سامنے اونچے افسروں اور سیاسی لیڈروں کی کاریں گذر رہی تھیں۔ جو بھاری کپڑوں اور اشیائے خوردنی سے لدی ہوئی تھیں۔ میرے پاس لیٹے ہوئے ایک افسر نے کہا۔

"میں ان حرامیوں کو گولی مارتا ہوں"

"لیکن بہتر ہے کہ تم اپنی گولیاں جرمنوں کے لئے بچا رکھو"

پوری رات برف میں گذارنے کے بعد ہم بولیشفو سے گاتے ہوئے واپس آئے۔

مادر وطن کے لئے جنگ کرو!

سٹالین کے لئے لڑو!

ہمیں شجاعت سے الفت ہے۔

ہم سٹالین کے دشمنوں کے چھکے چھڑا رہے ہیں۔

ہمارے خوبصورت گھوڑوں کے سُم چمک رہے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

لیکن میرے دل میں سٹالین کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔ گھوڑوں کے چمکتے ہوئے سموں کی بجائے میرے کپڑے کے بوٹ یخ بستہ برف پر پھسل رہے تھے۔ لیکن میں گاتا رہا ان لفظوں پر کوئی غور ہی نہیں کرتا تھا۔

۱۵ اکتوبر کی رات کو تربیت یافتہ انجینئروں کی دو کمپنیوں کو کسی خفیہ مشن پر ماسکو بھیجا گیا۔ میں پارٹی آرگنائزر تھا اس لئے مجھے سب کچھ معلوم تھا۔ انہیں ماسکو میں سرنگیں بچھانی تھیں۔ مقصد یہ تھا کہ جرمن پہنچ جائیں تو شہر کو تباہ کر دیا جائے۔ اس سے جرمنوں کو تو بھاری جانی نقصان اٹھانا ہی پڑتا۔ مگر لاکھوں روسی بھی فنا ہو جاتے۔ یہ سرنگیں ۱۹۴۲ میں ہٹائی گئیں ــــ

۱۶ اکتوبر کی صبح کو کرنل فرفرکن (*Varvarkin*) نے مجھے ماسکو بھیجا۔ شہر میں بے حد بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ دہشتناک افواہیں گشت لگا رہی تھیں۔ کہا جاتا تھا کہ کریملن میں فوجی بغاوت ہو گئی ہے۔ سٹالین کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ جرمن ماسکو میں داخل ہوا ہی چاہتے ہیں۔ جرمن چھاتہ فوج ریڈ سکوئر میں اتر چکی ہے۔ بہت سے جرمن عام کپڑوں میں ماسکو میں موجود ہیں۔ بازاروں میں ہجوم آوارہ اور بے مقصد گھوم رہے تھے۔ شہر میں فساد اور لوٹ مار شروع تھی۔ لوگ سمجھتے تھے کہ حکومت کا تختہ الٹ چکا ہے۔ لاکھوں آدمی خوراک ایندھن اور ہتھیار کے بغیر رہ گئے تھے۔ نظم و نسق ختم ہو چکا تھا۔ شراب پانی کی طرح بہائی جا رہی تھی۔ ہوٹلوں میں افسروں نے عورتوں سے جبری زناکاری شروع کر رکھی تھی۔ لوگ یوں سمجھ رہے تھے جیسے دنیا ختم ہو رہی ہے۔

رات کو بولیشفو واپس پہنچ گیا۔ وہاں پر ایک ہجوم ہماری بارکوں میں گھوم رہا تھا۔ یہاں بھی لوٹ مار

شروع ہو چکی تھی - ارد گرد کے دیہات سے لاکھوں کسان یہاں جمع ہو گئے تھے اور اب افسر خود فوجی سامان لوٹ رہے تھے تاکہ کچھ گرم کپڑے حاصل کر سکیں - کمبل چادریں بسکٹ اور دوسری چیزیں برف پر بکھری پڑی تھیں -

میں نے کرنل فرفرکن کو ڈھونڈا وہ لاچار اور بے بس تھا - اُس کو یقین تھا کہ بولیشفو کو خالی کرنا پڑے گا - اُس نے اس خیال سے لوٹ مار کی اجازت دے رکھی تھی کہ آخر جرمن بھی تو لوٹ ہی رہے ہیں اس سے اچھا ہے کہ روسی خود سامان لوٹ لیں -

آدھی رات کے بعد لوٹ مار ختم ہو گئی اور کسان چلے گئے - ہم پھر برف میں پھیل گئے - اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہمارے پاس کچھ نہیں جرمنوں کی مدافعت کی تیاریاں کرنے لگے - ماسکو میں ۱۸ اکتوبر کو بھی لوٹ مار اور بدنظمی جاری رہی - وہاں پر خوراک کے تمام ذخیرے لٹ چکے تھے - ہزاروں کمیونسٹوں نے جو باقی رہ گئے تھے - اپنے پارٹی کارڈ اور سٹالین کی تصویریں پھاڑ ڈالیں - میں اس تلخ حقیقت کی تصدیق کرتا ہوں کہ اُن دنوں جرمن چاہتے تو بغیر کسی کوشش کے ماسکو پر قبضہ کر لیتے - دو تین ڈویژن چھاتہ فوج ماسکو کے لئے کافی تھی -

حکومت نے رضاکاروں کی ایک فوج کھڑی کی تھی لیکن اس فوج میں نہ تو حوصلہ تھا نہ سامان - چنانچہ جب جرمن ٹینک ہمکی (Hemki) کی طرف بڑھے تو اُن کا کسی نے مقابلہ نہ کیا - لیکن وہ پر اسرار طریقے سے واپس چلے گئے - اُنہوں نے ماسکو کی دفاعی چوکیاں برباد کر دی تھیں - اب غالباً وہ موسم بہار کا انتظار کر رہے تھے -

ممکن ہے وہ روسیوں کی کمزور مدافعت کو ایک چال سمجھتے ہوں - بہرکیف یہ ایک راز ہے - جو آج تک کھُل نہیں سکا - یہ خیال یقینی ہے کہ اُنہیں ماسکو کے اندرونی حالات کا علم نہیں تھا -

۱۹ اکتوبر کو حالات کچھ بہتر ہو گئے - سائبیریا اور مشرق بعید کی تربیت یافتہ فوجیں پہنچنی شروع ہو گئیں - پولیس اور خفیہ پولیس نے کاہلی ترک کر دی - سٹالین نے اپنے دستخطوں سے ایک اعلان جاری کیا جو اُس کے دو دن بعد شائع ہوا - اس اعلان سے معلوم ہوتا تھا - کہ اس وقت ماسکو میں ایک غیر منظم بغاوت ہو رہی تھی -

اس اعلان میں کہا گیا تھا - کہ ماسکو کو بچانے سرخ فوج کے عقب کو مضبوط کرنے کیلئے جاسوسوں پست ہمتوں اور افواہیں پھیلانے والوں کو فوراً گولی مار دی جائے - یہ اعلان ماسکو کے کمانڈر جنرل سلی نوف (Silinov) کے نام تھا - خفیہ پولیس اور پولیس کے عام دستے اُن کے ماتحت کر دیئے گئے -

فوجی عدالتیں ۲۴ گھنٹے کام کرنے لگیں - اُنہوں نے سینکڑوں کو روزانہ موت کے حکم سنانے

شروع کر دیئے ۔ لیکن اس سختی سے حالات بہتر نہیں ہوئے ۔ پتا لگنے والی ان افواہوں نے حوصلے قائم کئے کہ سائبیریا اور مشرق بعید کی تربیت یافتہ فوجوں کے شدید حملوں سے جرمن فوجیں پیچھے ہٹ کے سردیاں گذارنے کے لئے قلعہ بند ہو رہی ہیں ۔

بولیشفو کے انخلا کے احکامات آ گئے ۔ ہم نے ہائی کمان کے حکم سے کتابوں اور فوجی کاغذات کو جلا دیا اور مشرق کی طرف چلے گئے ۔

مشرق بعید کی فوجیں جو جاپان کی سرحدی جھڑپوں کی وجہ سے کافی آزمودہ کار ہو چکی تھیں ایک پورا برِ عظیم عبور کر کے مغربی محاذ پر پہنچیں ۔ اس زمانے میں مغرب سے چھوٹے چھوٹے رنگروٹ دستے والگا کو عبور کر کے یورال سے پار پہنچے تاکہ تربیت حاصل کریں ۔ ان میں کچھ ایسے سپاہی بھی تھے جو محاذ سے پلٹ کر آئے تھے ۔ ان کو نئے سرے سے ترتیب دی جانے والی تھی ۔ جنگی تیاریاں اب شروع ہو رہی تھیں ؛

اس خطرناک تباہی کی وجہ سے ہٹلر دُور تک روسی علاقے میں گھس آیا ۔ کرنپولین یا کسی دُوسرے حملہ آور کو اتنی دُور تک بڑھنا نصیب نہیں ہوا تھا ۔ لاکھوں روسی مارے گئے اور جنگی قیدی بنے ہمیں اپنے آقاؤں کی غلطیوں کا خمیازہ بھگتنا پڑا ۔ لیکن آخر میں نئی تربیت یافتہ فوجوں نے حالات کا رُخ پھیر دیا ۔ اور یہ غلطیاں کارنامے بن گئے ....

ہم بھی تربیتی مرکزوں کی طرف بھیجے گئے ۔ فوجی گاڑیاں دن بھر دکھائی دے رہی تھیں ان کے دیکھنے سے کچھ اُمید بندھتی تھی ۔ ہمارے لئے ایک مال گاڑی تیار تھی ۔ شام کو ہمارے عزیز و اقربا ہمیں رخصت کرنے کو آئے ارینا اس قدر پریشان تھی کہ وہ رونا بھی بھول چکی تھی ۔

سفر بہت تکلیف دہ تھا چند ہی روز میں ہم میں تقریباً نصف بیمار ہو گئے ۔ ہمیں گاڑی میں سے نکلنے کی ممانعت تھی اس سے تکلیف اور اکتاہٹ میں اور بھی اضافہ ہو رہا تھا ۔ ایک افسر کو باہر جانے کی حاجت ہوئی اُس نے اجازت مانگی مگر بے سود ۔

”یہ گاڑی ہے یا جیل خانہ؟“ اُس نے زیرِ لب کہا ۔

اگلے اسٹیشن پر مجھے کمانڈر نے بلایا اور پارٹی آرگنائزر کی حیثیت سے مجھے کہا ۔

”تمہارے ڈبے میں انقلاب دشمنی کا مظاہرہ ہوا ہے ۔ تم نے اس کی اطلاع کیوں نہیں دی؟“

”مجھے معلوم نہیں ہو سکا“

”دوسروں کو تو معلوم ہے ۔ جس شخص نے کہا تھا کہ یہ جیل خانہ ہے ۔ اُسی عوام کے دشمن کو سزا دینی چاہئے تھی ۔“

”مجھے تو معلوم نہیں ہو سکا لیکن ہم آخر انسان ہیں ۔ غصّے میں آ کے کبھی کبھی ایسی باتیں کہہ دیتے ہیں

جن کے معنوں پر ہم غور نہیں کرتے۔"

"تم بہت نرم دل ہو کیا آپ کو یہ جنگ ہے۔ اور جتنی جلدی تم سمجھ جاؤ اتنا ہی اچھا ہے۔ ذرا میرے ساتھ آؤ۔ دیکھیں یہ کون حرامی ہے۔"

اُس نے ہمارے ڈبے میں آ کے تقریر کی اور کہا کہ "جرمن جاسوس" کو سامنے لایا جائے۔ اُس بدنصیب کا چہرہ برف کی طرح سفید تھا۔ مجھے اس کی داستان معلوم تھی۔ اس کے بیوی بچے جرمنوں کی قید میں تھے۔ اُسے جرمنوں سے شدید نفرت تھی۔ اور اب اُسے جرمنوں کا جاسوس کہا جا رہا تھا۔ اُسے جان سے ہاتھ دھونے کا خطرہ تھا۔ لیکن کسی نے اُس کی شکایت نہ کی ....

ہم راستے میں کسانوں سے کھانے پینے کی اشیا خریدتے رہے۔ لیکن قیمتیں بہت بڑھ گئی تھیں۔ سترہ دن کے بعد ہم اگریز (Agryz) پہنچے۔ یہ ہماری پہلی منزل تھی۔ رات کو ہم نے ایک سکول میں قیام کیا۔ صبح ہمیں چھ روز کے اندر اندر منزلنسک (Menzelinsk) پہنچنے کا حکم ملا۔ وہاں پہنچنے کا انتظام ہمیں خود کرنا تھا۔ ہم چھوٹے چھوٹے دستوں میں پیدل روانہ ہو گئے۔

میرے ساتھ گیارہ آدمی اور تھے۔ ہم نے جلدی جلدی چلنا شروع کیا تاکہ گرم ہو جائیں۔ لیکن کپڑے کے بوٹ سردی سے منجمد ہو رہے تھے۔ گندم کی فصلیں پکی ہوئی تیار کھڑی تھیں مگر کسی نے کٹائی شروع نہیں کی تھی۔ بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ فصل کاٹنے والا کوئی نہیں۔ جوان آدمیوں اور عورتوں کو بھرتی کر لیا گیا ہے۔ بچے اور بوڑھے باقی رہ گئے ہیں۔

راستے میں ہمیں ایک چھکڑا مل گیا۔ میں پارٹی آرگنائزر تھا۔ اس لئے میں نے پیدل چلنے کا فیصلہ کیا۔ ایک اور انجینئر نے میرا ساتھ دیا۔ باقی آدمی چھکڑے میں سوار ہو گئے۔ رات کو ہم نے ایک گاؤں میں پہنچ کر پہلے دروازے پر دستک دی۔ ایک بوڑھے کسان نے دروازہ کھولا۔ اُس نے ہم سے معافی مانگی اور کہا کہ میرے بچے بیمار ہیں۔ پھر اُس نے ہمیں ایک اور جھونپڑے کی طرف بھیج دیا۔

اس جھونپڑے میں ایک کسان اور اُس کی بیوی رہتے تھے۔ اُنہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے ہمارا استقبال کیا۔ جب ہم کھانا کھا رہے تھے تو اُس نے ہمارے بستر بچھا دیئے۔

صبح اُٹھ کے ہم وہاں سے روانہ ہوئے۔ کسان کی بیوی نے صلیب کا نشان بنایا اور دیر تک دروازے میں کھڑی ہمیں دیکھتی رہی۔

تیسرے دن ہم دریائے کاما کے کنارے واقع کراسنی بور کے قصبے میں پہنچے۔ میرے کپڑے کے جوتے پھٹ چکے تھے۔ اور میری انگلیاں منجمد تھیں۔ رات بھر میں درد سے بے تاب اور بے خواب رہا۔ صبح ہم پھر چل دیئے۔

جب میں منزلنسک پہنچا تو اس قدر بیمار تھا کہ مجھے فوراً ہسپتال میں داخل ہونا پڑا۔ پیروں کا جو حال تھا سو

تھا۔ مجھے بخار بھی ہوگیا۔ دو دن میں بالکل بیہوش رہا۔ تیسرے دن ہوش آیا تو اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ کمرہ مریضوں سے بھرا پڑا تھا۔ زیادہ مریض سردی کی وجہ سے بیمار تھے۔

جنوری تک میں منزلنسک میں رہا۔ اور زیادہ تر بیمار رہا۔ جنوری کے آخر میں میرے افسروں نے مجھے واپس ماسکو بھیج دیا کہ وہاں میرا علاج کیا جائے۔ ماسکو میں مجھے ہسپتال میں داخل نہیں کیا گیا۔ روزانہ دوا مل جاتی تھی۔ لیکن ارینا کے قرب نے میری صحت کو بہت فائدہ پہنچایا اور میں جلد ہی اچھا ہونے لگا۔ تھوڑے ہی دنوں میں میں بالکل تندرست ہوگیا۔ میں نے فوجی ہیڈ کوارٹر میں رپورٹ کی تو مجھے حکم دیا گیا کہ ماسکو ہی میں رہ کر کام کروں یہ نپولین کے حملے کے بعد روس کی بدترین سردیاں تھیں۔ جرمن ماسکو پر قبضہ نہ کر سکے۔ سردی کی وجہ سے وہ مکھیوں کی طرح مر رہے تھے۔ انہیں کھانے کو کچھ نہیں ملتا تھا۔ اور برف کی وجہ سے جرمنی سے سامان پہنچتا نہیں تھا۔

ماسکو کی حالت بڑی خراب تھی۔ لوگ بھوکے اور ٹھٹھرے ہوئے تھے۔ عمارات جرمن بمباروں نے تباہ کر دی تھیں۔ لوگ کھنڈروں میں گرے پڑے مکانوں یا کھلے میدانوں میں رہتے تھے۔ شہر کے اکثر کارخانے تو یہاں سے اکھاڑ لئے گئے تھے۔ جو باقی رہ گئے تھے۔ ان میں دن رات کام ہوتا تھا۔ اور سامان جنگ تیار کیا جاتا تھا۔ حکومت کی طرف سے جو راشن ملتا تھا۔ اس سے بمشکل زندہ رہنا ممکن تھا۔ غذا کی کمی جرمنوں کی شدید بمباری سے بھی زیادہ خوفناک تھی۔ لوگ گندم کی روٹی کی بجائے آلو پیس کر کھا رہے تھے۔ انہوں نے اپنے پالتو کتے اور بلیاں ختم کر دی تھیں۔ گھر کا فرنیچر جلا لیا گیا تھا۔ فوجی عدالتوں نے ان دنوں بڑا کام کیا۔ سینکڑوں آدمی روزانہ موت کے گھاٹ اتار دیئے جاتے تھے۔ بھوک ان سے بھی زیادہ سرگرم عمل تھی۔ ہزاروں ہی آدمی روزانہ مر رہے تھے۔ لیکن پھر بھی ماسکو میں اس قدر آبادی تھی۔ بھوکوں اور بیماروں کا میلہ سا لگا رہتا تھا۔

ارینا بے حد کمزور ہو رہی تھی۔ زندگی میں کوئی خوشی باقی نہیں رہی تھی۔

گلادٹروبوسٹل فیکٹری کی آدھی مشینیں تو یورال بھیج دی گئی تھیں۔ باقی جو رہ گئی تھیں۔ ان سے سرنگیں اور بم بنائے جا رہے تھے۔ لیکن آدمی بہت زیادہ تھے۔ اور کیا مانتوروف کیا یگوروف میرے آنے پر کوئی بھی خوش نہیں تھا۔ چنانچہ مجھے کارخانوں کی نگران کمپنی میں ایک عہدہ دے دیا گیا۔

مزدور بڑے غمگین اور افسردہ تھے۔ ان میں سے اکثر کے بال بچے دشمنوں کے قیدی تھے لیکن وہ بے جگری سے کام کرتے تھے۔ اور کام ختم ہو جانے کے بعد کارخانوں ہی میں سو جاتے تھے۔ میری نئی ملازمت ایسی تھی کہ اس میں آئے دن اعلیٰ فوجی افسروں سے سابقہ رہتا تھا۔ یہاں مجھے اہم کانفرنسوں میں شمولیت کا موقعہ ملا۔

ایک دن مجھے کامریڈ اتکن (Utkin) نے بلا بھیجا۔ وہ سوویٹ سوشلسٹ ریپبلک کا وائس چیرمین تھا۔ اس نے پہلے تو ادھر ادھر کی باتیں کیں۔ میرے موجودہ کام کے بارے میں سوالات کئے

اور پھر بتایا کہ اُس نے مجھے فوجی انجینروں کے اوزار بنانے کے محکمے کی اعلیٰ افسری کے لئے منتخب کیا ہے۔

پولیس کی تحقیقات اور سنٹرل کمیٹی کی اجازت میں کچھ دن لگ گئے۔ پھر مجھے آئکن کے بغلی کمرے میں جگہ مل گئی۔ میرے کمرے کے باہر مسلح پولیس کا پہرہ تھا۔ دو سیکرٹری میرے ملاقاتیوں کے کمرے میں بٹھا دیئے گئے۔ اب میں حکومت کا فرد تھا!

یہ مئی ۱۹۴۲ء کا آخری زمانہ تھا جب جرمنوں نے نیا حملہ شروع کیا تھا اور پھر جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ پورے کا پورا یوکرائن ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا۔ جرمن قفقاز کے اندر گھس آئے اور وا لگا پر سٹالن گراڈ تک آ پہنچے۔

کریملن کے اندر!

روسیوں کے ہاں اس کے لئے ایک لفظ ہے ولاست (Vlast) جس کے معنی ہیں طاقت ۔ حکومت قدرتِ مطلق ۔ لیکن اس کے معنی کچھ اور بھی ہیں ۔ ولاست کا مطلب ہے سٹالین پولٹ بیورو خفیہ پولیس سٹالین کے سرکاری اور غیر سرکاری حواری ۔ کم از کم عام شہری یہی سمجھتا ہے ۔ وہ ان لوگوں کو "ہمارے مالک" کے نام سے پکارتا ہے ۔ "ہمارے مالک" سے مالک اور ملکیت کا فرق واضح ہو جاتا ہے ۔

میں "ولاست" کے قریب بیٹھتا تھا ۔ اس اونچے چبوترے پر بیٹھنے اور حقیر دنیا کو دیکھنے کا مجھے پہلی بار موقعہ ملا ۔ جہاں سے ہر شے میلی میلی دکھائی دیتی تھی ۔ اب میں "اعلیٰ آدمیوں" کے جذبات کا مشاہدہ کر سکتا تھا ۔ وہ جو اپنے آپ کو مختلف چیز سمجھتے تھے ۔ وہ جو انسانیت کے ایک اور ہی دائرے میں رہتے تھے ۔ وہ جو جذبات اور اخلاق کو بورژوائی تعصبات کہتے تھے اور ان سے بالا تھے!

میرا اعلیٰ افسر اتکن "حلقہ خاص" کا آدمی تھا ۔ اسی سے اندازہ کر لیجیئے کہ ایک سال بعد جب اس کا انتقال ہوا ۔ تو اسے ریڈ سکوئر میں کریملن کی حدود کے اندر دفن کیا گیا ۔ اتکن کے چیف اسسٹنٹ کے ماتحت پانچ بہت اہم محکمے تھے جن میں سے ایک کا اعلیٰ افسر میں تھا ۔ میرا محکمہ بڑا وسیع تھا اور چھوٹے چھوٹے کئی شعبوں میں منقسم تھا ۔

اس اہم عہدے کے باوجود میں لحظہ بھر میں جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں پہنچ سکتا تھا ۔ اور یہی حالت اتکن کی تھی ۔ پولٹ بیورو کے ممبر جو اس کے افسر تھے یا سٹالین کے ذاتی دوست معمولی باتوں پر اسے نہایت ذلیل اور غیر شریفانہ گالیاں دیتے تھے ۔ ان کے سامنے وہ پتے کی طرح کانپتا رہتا تھا ۔ آمریت میں بھی ایک توازن ہوتا ہے اور وہ توازن ہوتا ہے بے پناہ طاقت کے مقابلے میں بے پناہ خوف کا ۔

ہم کل تیس آدمی ایسے تھے جو اتکن کے بہت قریب تھے ۔ ہمارے دفاتر ایک جگہ تھے جہاں ہر وقت گرجے کی خاموشی رہتی تھی ۔ اور جہاں خفیہ پولیس اور مسلح پولیس کا پہرہ رہتا تھا ۔ ہمیں دفتر کی طرف سے نہایت عمدہ ناشتہ مفت

ملتا تھا۔ کھانے کے لئے ایک ڈائننگ ہال تھا جہاں ہمارے سوا کسی کو داخلے کی اجازت نہ تھی اور جہاں نہایت سستے نرخوں پر نہایت عمدہ اور نایاب کھانے ملتے تھے۔ حکومت کے مقرر کردہ نائی ہماری ڈاڑھیاں مفت مونڈتے تھے۔ ہم سے چھوٹے ملازموں کو ان نائیوں سے ڈاڑھیاں منڈوانے کی بالکل اجازت نہیں تھی۔ میرے پاس سرخ رنگ کا ایک چھوٹا سا اختیار نامہ تھا جس کو دکھا کے میں کریملن ہسپتال سے دوائیاں لے سکتا تھا۔ ماسکو میں ڈاکٹروں کی اس قدر کمی تھی کہ لوگ ایک دفعہ بیمار ہو کے پڑے پڑے موت یا صحت کا انتظار کرتے رہتے۔

مسلح پولیس ہر وقت میرے ارد گرد رہتی۔ اب میں روس کا عام شہری نہیں تھا۔ "سرکاری خزانے" کا جوہر تھا۔ میری اجازت کے بغیر کوئی مجھ سے ملاقات نہیں کر سکتا تھا۔ اور میری تحریری اجازت کے باوجود گیٹ کا پہریدار ٹیلیفون پر مجھ سے تحقیق کر لیتا لیکن اس اندیشے کے پیش نظر کہ ممکن ہے ٹیلیفون پر میں نے بذات خود بات نہ کی ہو مجھے ایک خفیہ نام دیا گیا تھا۔ مجھے کسی کو یہ نام بتانے کی اجازت نہیں تھی۔ میرا خفیہ نام لینا (Lena) نمبر ۲ تھا اس تحقیق کے بعد ملاقاتی کو چار مختلف جگہوں پر نام درج کرانا پڑتا تھا —— میں اس احتیاط سے سخت شرمندہ ہوتا اور خصوصاً اس وقت جب ملاقاتی میرا ذاتی دوست ہوتا۔ ان احتیاطوں کے باوجود پہریداروں پر پوری طرح اعتماد نہیں کیا جاتا تھا۔ اس کے لئے شاخماتکی (Shakhmatki) کا رواج تھا۔ شاخماتکی شطرنج کو کہتے ہیں۔ اس کا قاعدہ یہ تھا کہ پہریداروں کو بغیر اطلاع کے یکدم شطرنج کے مہروں کی طرح بدل دیا جاتا —— اور دن میں یہ شطرنج کئی کئی بار کھیلی جاتی۔ موٹر کاروں کو دفتر کے احاطہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی کیونکہ یہ ممکن تھا کہ کوئی بڑا افسر سازش کر رہا ہو اور موٹر میں ٹائم بم لگا کے دفتر کو اڑا دے۔

اپنا سرخ اختیار نامہ اور دوسرے کاغذات رکھنے کے لئے مجھے ایک ایسی تجوری دی گئی تھی جس کو میرے اور خفیہ پولیس کے ایک افسر کے سوا کوئی کھول نہیں سکتا تھا۔ صرف سٹالین کی تجوری ایسی تھی جس کا نمبر خفیہ پولیس والے بھی نہیں جانتے تھے۔ یہ تجوری بھی خفیہ تھی۔ اس کی شکل و صورت عام الماریوں کی طرح نہیں تھی۔ بلکہ کسی صوفے کے نچلے حصے میں یا کسی تصویر کے پیچھے دیوار میں گڑی ہوتی تاکہ کسی کو معلوم ہی نہ ہو سکے کہ یہ سیف ہے۔

سب سے زیادہ اہم بات تو یہ تھی کہ میں اب حکومت کے نام سے احکام جاری کر سکتا تھا۔ اپنے کام کے سلسلے میں کمسروں کو اپنے دفتر میں طلب کر سکتا تھا اور انہیں ڈانٹ سکتا تھا!

میں اپنے نئے عہدے کے پہلے دن کو نہیں بھول سکتا۔ صبح کے دس بجے جب میں دفتر پہنچا تو میرے سیکرٹری اور اسسٹنٹ اپنی اپنی کرسیوں پر موجود تھے۔ ضروری کاغذات میری میز پر بڑے سلیقے سے رکھے تھے کمرے میں لیڈروں کی تصویریں لٹک رہی تھیں۔ عین میری کرسی کے اوپر سٹالین کی ایک بہت بڑی تصویر لٹک رہی تھی —— اسے دیکھتے ہی مجھے نکوپول ہوٹل کا وہ سرد اور بے حس کمرہ یاد آگیا جہاں میں نے سٹالین کی تصویر پھاڑ کے نالی میں پھینک دی تھی —— اب میں ایک بہت بڑے اور خوبصورت سٹالین کے زیر سایہ بیٹھا تھا ——

تھوڑی دیر میں ٹیلیفون کی گھنٹی بجی - میں نے ریسیور اٹھایا تو معلوم ہوا کہ یہ خفیہ پولیس کا ایک افسر ہے - خفیہ پولیس کے افسر نے نہایت ادب سے ڈرتے ڈرتے مجھ سے چند منٹ کی ملاقات کی اجازت چاہی تھی! ....
یہ پہلا موقعہ تھا جب اس خوفناک ادارے کے ایک مقرر فرد نے مجھ سے ملاقات کی اجازت چاہی تھی!

میں نے اسے بلوایا -

اُس نے آکے مجھے احتیاط کے مقررہ اصول بتائے - ٹیلیفونوں کا سسٹم سمجھایا کہ کس قسم کی بات کس سرکٹ کے ٹیلیفون پر کی جانی چاہیئے - پھر اس نے مجھے سلیوٹ کیا اور نہایت نرم قدموں سے باہر نکلا اور نہایت احتیاط کے ساتھ کواڑ بند کر دیئے ـــــ مجھے کرنشگورن یاد آگیا جو دروازے کو ٹھوکر مار کے بند کیا کرتا تھا -

گیارہ بجے کے قریب میری سیکرٹری آہستہ سے میرے کمرے میں داخل ہوئی - ناک نقشے کی تیکھی اور ذہین - اس نے بڑی عاجزی سے پوچھا -

" کامریڈ وکٹر کراد چنکو ناشتہ کر لیجیئے "

" اچھا ـــــ مگر تم نے کر لیا؟ "

" مجھے تو صرف ایک گلاس چائے ملتی ہے - کھانا میں گھر ہی سے لے آتی ہوں - جنگ ہو رہی ہے .... کیا کیا جائے؟ "

ایک خوش پوش اور صاف ستھری عورت ایک بھاری ٹرے لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی - اس نے رومال بچھایا اور کھانے چن دیئے - دو انڈے تھے - کچھ گوشت - مکھن لگے دو توس چائے کا ایک گلاس اور کچھ نمکین چیزیں - چائے اور انڈوں کے سوا باقی سب چیزیں امریکی تھیں -

عورت کے ہاتھوں پر جھریاں پڑی تھیں لیکن تھے صاف -

" تم ناخون بڑی صفائی سے کاٹتی ہو - میں نے ہنس کر کہا "

" جی ہاں بڑے آدمیوں کی خدمت جو کرتی ہوں .... شوق فرمایئے "

میں نے ایک انڈا کچھ گوشت اور توس چھوڑ دیئے - غالباً میری بھوک مر گئی تھی - میں کھا ہی نہیں سکتا تھا -
میں نے گھنٹی بجائی تو سیکرٹری لڑکی اندر آئی اور برتن اٹھا کے لے گئی -

گھنٹے بھر کے بعد وہ کچھ کاغذ لے کے اندر آئی - میں نے دستخط کر دیئے وہ پھر بھی کھڑی رہی - میں نے اس کی طرف استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا تو وہ بولی -

" میں بہت شرمندہ ہوں کامریڈ کرادچنکو .... لیکن آپ نیکدل انسان ہیں - سمجھ سکیں گے .... بات یہ ہے .... کہ میں نے آپ کے ناشتے سے بچی ہوئی چیزیں کھالی ہیں - زندہ رہنا ہی مشکل ہو رہا ہے کامریڈ کرادچنکو "

" اچھا ہوا - میں تو خوش ہوں لیکن مجھے تو کرانی ـــــ "

"لیزا (LIZA) کے ساتھ میرا سمجھوتہ ہے - ایک دن وہ لیتی ہے دوسرے دن میں .... بھوک بڑی طاقتور چیز ہے ...... حیا سے بھی زیادہ طاقتور کامریڈ کہاد جنکو"

میں جب تک یہاں رہا ہمیشہ آدھا ناشتہ چھوڑ دیتا رہا - لیزا اپنا حصہ کا اپنے دو بچوں کے لئے گھر لے جایا کرتی تھی - اسکا خاوند محاذ پر تھا - لیزا کی تنخواہ ڈیڑھ سو روبل ماہوار تھی اور ایک انڈا چالیس روبل میں ملتا تھا!

دوپہر کے بعد محکمہ خاص کا ایک افسر مجھے ملنے کے لئے آیا - وہ عام کپڑے پہنے ہوئے تھا لیکن اس کی تیز آنکھیں صاف بتا رہی تھیں کہ وہ خفیہ پولیس کا افسر ہے - اس کا رویہ افسرانہ تھا - بات ایسے کرتا تھا جیسے دفتر کا مالک وہی ہو -

"آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی کامریڈ کہاد جنکو - میں چاہتا ہوں کہ آپ کاغذات سنبھالنے کے قانون سے اچھی طرح واقف ہو جائیں ــــ بات یہ ہے جنگ ہو رہی ہے اور دشمن محاذ پر ہی نہیں ہر جگہ ہے - ہمیں بہت احتیاط کرنی چاہئے"

"بے شک بے شک"

اس نے مجھے ۱۲ صفحوں کی ایک کتاب دی جس میں قوانین درج تھے -

"آپ کو مجھ سے کوئی سوال کرنا ہو تو میں حاضر ہوں"

"اگر کامریڈ اکمن یا کوئی اور مجھے زبانی حکم دے تو؟" میں نے پوچھا -

"تو آپ کو چاہئے کہ ان کے حکم کی تعمیل کرنے سے پہلے آپ ان الفاظ کو اپنی ڈائری میں لکھ لیں .... کامریڈ سٹالین نے ہمیں لوگوں پر اعتماد کرنا سکھایا ہے - مگر ساتھ ہی ان کی نگرانی کی بھی ہدایت کی ہے"

پھر اس نے ایک لمبی تقریر میں مجھے سمجھایا کہ مجھے کسی پر اعتبار نہیں کرنا چاہئے -

ہمارے اختیارات بہت وسیع تھے - لیکن ہماری ذمہ داریاں وسیع تر تھیں - کام ہمیں کرنا پڑتا اور تحسین ہمارے افسروں کو ملتی - دفتر کے عام ملازم عام طور پر نو سے پانچ تک کام کرتے تھے - لیکن مجھے ان کو رات تک بٹھا رکھنے کی اجازت تھی - مجھے خود صبح کے دس سے رات کے تین بجے تک بیٹھنا پڑتا تھا - شب بیداری ایک مستقل تکلیف تھی -

سٹالین کا کام کرنے کا انداز مختلف تھا - وہ صبح گیارہ بجے میز پر بیٹھتا اور پانچ بجے تک بیٹھا رہتا - پھر شام گزار کے رات کے گیارہ بجے کام شروع کرتا اور صبح کے چار بجے تک کرتا رہتا - رات کے دوران میں روس کے دور دراز علاقوں کے افسروں کو ٹیلیفون کرتا رہتا - تمام افسر اس کی براہ راست نگرانی

ہیں تھے ۔

ایک محکمہ ایسا تھا جو چوبیس گھنٹے کام کرتا تھا اور وہ تھا خفیہ پولیس کا محکمہ ۔

میں ہمیشہ اپنے افسروں سے پہلے دفتر پہنچ جاتا اور اجازت لئے بغیر کبھی نہ جاتا ۔ میرے افسر ہمیشہ متوقع رہتے کہ جب وہ ٹیلیفون کریں گے تو میں میز پر موجود ہونگا ۔ بالکل اسی طرح جیسے سٹالین اور مالوتوف کو یہ معلوم تھا کہ اُن کے ٹیلیفون کرنے پر ہمارے افسر ہمیشہ میز پر موجود ہونگے ۔

ہمارا محکمہ تمام جنگی صنعتوں کی راہنمائی کرتا تھا ۔ سینکڑوں کاغذ سٹالین کے ذاتی دستخطوں سے ہر روز میرے پاس پہنچتے تھے ۔ میں ٹیلیفون کے ذریعے روس کے چاروں کونوں کے کارخانوں سے باخبر رہتا ۔ خام مال ایندھن اور مزدوروں کی بیحد کمی تھی اور یہی میری سب سے بڑی پریشانیاں تھیں ۔ مجھے ہر وقت افسروں کی گھرکیاں برداشت کرنی پڑتیں ۔ روس کے اعلےٰ حلقوں میں جتنی گالیاں پڑتی ہیں ان کی ذلت دنیا کی تمام گالیوں سے بھاری ہے ـــــ اور کریملن کی گالیاں ہی کبھی کبھی یہ احساس دلاتی ہیں کہ یہاں واقعی پرولتاریوں کی حکومت ہے ۔ کاگنوویچ اس سلسلے میں بہت بدنام تھا مگر مالوتوف اور سٹالین بھی کچھ کم نہ تھے ۔

مجھے اکثر تار کاٹنے کی قینچیوں تک کیلئے پریشان ہونا پڑتا ۔ مجھے وہ رات نہیں بھولتی جب سرخ فوج کا ایک جرنیل میرے دفتر میں ہاتھ جوڑ رہا تھا کہ مجھے قینچیاں مہیا کی جائیں ۔ میرے لاکھوں سپاہی اس معمولی چیز کے لئے بندھے بیٹھے ہیں ۔ ہم معمولی خاردار تار کاٹ نہیں سکتے اور مر رہے ہیں ـــــ لیکن میری دھمکیوں کے باوجود کارخانے مال سپلائی نہیں کر سکتے تھے ۔ ان کے پاس لوہا ہی موجود نہیں تھا ۔ مجھے وہ دن کبھی نہیں بھولتا جب ہم نے محاذ پر استعمال کے لئے معمولی قطب نما بھیجے تھے جن سے بچے کھیلتے ہیں ـــــ یہ حکم سٹالین کے خاص دستخطوں سے آیا تھا اور ہمیں پچاس ہزار قطب نماؤں کی ضرورت تھی ـــــ مگر ہمارے پاس مقناطیس نہیں تھا ! ہمارے گھوڑوں کے لئے نعل نہیں تھے ۔ ہر روز مجھ پر اپنے ملک کی کمزوری کے ایسے ایسے انکشافات ہوتے تھے کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے ۔

روسی جرنیلوں سے کہیں زیادہ میں جانتا تھا کہ امریکی مال کی ہمارے لئے کیا اہمیت ہے ۔ یہ صرف میں جانتا تھا کہ امریکی خوراک امریکی اسلحہ اور امریکی سامان کے بغیر روسی مدافعت کا کیا حشر ہوتا ۔ میری ملازمت کا زمانہ جنگ کا بدترین زمانہ تھا ۔ ۱۹۴۲ کا موسم گرما تھا جب جرمنوں نے اپنے شدید ترین حملے کئے ۔ جب وہ والگا تک پہنچے ۔ ہم موسم پر حاوی ہو گئے جس کی وجہ سے سٹالین گراڈ کا نام تاریخ میں لافانی ہو گیا ۔ ہر قوم میں ایک ناقابل شکست عنصر ہوتا ہے ۔ اور یہی وہ عنصر تھا جس نے سٹالین گراڈ میں موت سے آنکھیں ملائیں ۔ اس کا کارل مارکس اور سٹالین سے کوئی تعلق نہیں تھا ۔

سرکاری اعلانوں میں روسی شکستوں پر پردہ ڈالا جاتا رہا۔ بدترین نقصانات کا بھی سرسری طور پہ ذکر کیا جاتا تھا۔ دنیا کے باقی لوگوں کے مقابلے میں روسیوں کو سٹالین گراڈ کے حالات کا بہت کم علم تھا۔ میری حیثیت کے چند ہی آدمی تھے جو اپنے آپ کو دھوکہ نہیں دے سکتے تھے۔ محاذ سے مشینوں اور گولہ بارود کی اپیلیں آرہی تھیں جن سے ہم میں گھبراہٹ، بے چینی اور بدد لی پھیلتی تھی۔ ہمیں بہتے خون کے بہاؤ کی رفتار کا اندازہ ہو جاتا تھا۔

آئکن کے دفتر میں روس کا ایک بہت بڑا نقشہ لگا تھا جس پر جرمنوں کی پیشقدمی کے جھنڈے لگائے جاتے تھے۔ ایک دن میں کمرے میں داخل ہوا تو آئکن نقشے پہ نظریں جمائے کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پہ اضطراب کے آثار تھے۔

"مجھے تم سے ایک ضروری کام ہے کرادچنکو"

"میں نے کاغذات میز پہ رکھ دئے"

"چھوڑو ان کو۔ اڑ نہیں جائینگے۔ دیکھو کتیا کے بچے کہاں تک بڑھے آرہے ہیں!"

سرخ لکیر ماسکو سے سو میل کے فاصلے پہ تھی۔

"اگر انہوں نے ہمارے تیل پہ قبضہ کر لیا تو کیا ہوگا کرادچنکو۔ ہم تباہ ہو جائیں گے!"

"ہاں حالات بہت خراب ہیں۔ امریکی مال ——"

"امریکی مال! ہمیں دوسرے محاذ کی ضرورت ہے لیکن حرامی سرمایہ دار منافع کی باتیں کر رہے ہیں۔ وہ تو ہمیں مروا رہے ہیں۔ ان کے مال کی بھاری قیمت دینی پڑ رہی ہے ...."

جنگ شروع ہونے کے بعد جنگی صنعتیں بیریا (Beria) کے سپرد کر دی گئیں۔ وہ انجینئر نہیں تھا۔ دلوں میں خوف پیدا کرنا جانتا تھا۔ اور اسے خوف ہی پیدا کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ بیریا غلاموں سے بے انتہا کام لیتا تھا۔ جرمن بھی غلاموں سے کام لے رہے تھے لیکن ان کے غلام جو مفتوحہ ملکوں کے باشندے تھے اور بیریا کے غلام اس کے ہم وطن روسی تھے۔ جب جرمن فوجیں بڑھتیں تو سب سے پہلے خطرے کے علاقوں سے غلاموں کو نکالا جاتا—— تاکہ کارخانے چلتے رہیں......

ہمیں ایسے واقعات کا بھی علم ہوا جب غلاموں کو نکالنا ممکن نہ ہوا تو انہیں مشین گن سے اڑا دیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں مَیں ملنسک سمولنسک کیف خارکوف اور میرے اپنے شہر نیپرو پیٹروسک کا نام لے سکتا ہوں۔

دنیا کو بہت کم معلوم ہے کہ روس میں بچوں سے کتنی مشقت لی جاتی ہے۔ سب سے پہلے ۱۹۴۰ میں کارخانوں میں کام کرنے کے لئے چودہ سے سترہ سال کے آٹھ لاکھ لڑکوں کو بھرتی کیا گیا جبری بھرتی کے علاوہ رضاکارانہ بھرتی کی بھی اجازت تھی۔

۱۹۴۳ کے بعد بیس لاکھ سالانہ کے حساب سے نابالغ لڑکوں کی بھرتی جاری رہی۔ انہیں زبردستی ماں باپ سے جدا کر لیا جاتا۔ وہ روتے چیختے لیکن فوج انہیں وردیاں پہنائے نامعلوم مقاموں پہ لے جاتی

روس کے تمام یتیم خانے خالی کر دئے گئے۔

مجھے شروع میں ہی اپنی خوفناک کمزوریوں کا احساس ہو گیا۔ سٹالین کے دوست دوسخ کیگن (Kasygin) نے جو پولٹ بیورو کی نمائندگی کرتا تھا ایک کانفرنس بلائی۔ میں بھی حاضر تھا میرے علاوہ سپلائی کے تمام افسر وہاں موجود تھے۔
کیگن نے غیر ملکی کپڑے پہن رکھے تھے۔ وہ بہت سنجیدہ تھا بیٹھنے کے بعد اس نے چشمہ لگایا اور اعلان کیا۔
"دگندک (Gouuk) کا صدر اپنی رپورٹ پڑھے"
مارشل ورو بیوف (Vorobiuv) کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے اعداد و شمار پیش کئے اور بتایا کہ سامان کی بہت کمی ہے۔ دریا پار کرنے کے لئے کشتیاں نہیں۔ سرنگیں نہیں۔ موٹروں کی مرمت کا سامان نہیں ٹیلیفون کے تار نہیں۔ برف میں راستے کاٹنے کیلئے کلہاڑیاں اور کدالیں نہیں۔ لالٹینیں نہیں۔ .... "
سٹالین نے آٹھ ماہ قبل لالٹینوں کی تیاری کا حکم دیا تھا۔ لیکن ابھی تک ایک لالٹین بھی محاذ پر نہیں پہنچی تھی!
"کون سی لالٹینوں کا ذکر کر رہے ہو؟" کیسیگن نے کہا۔
ایک کرنل نے ایک پرانی وضع کی لالٹین دکھائی۔
اس مسئلہ سے میرا بھی تعلق تھا۔ انکن کی اجازت سے میں بات کرنے کے لئے اٹھا۔
"کامریڈ گیسیکن ہمارے پاس لوہا نہیں۔ شیشہ نہیں۔ ہم نے جو پلانٹ لگایا تھا۔ ابھی وہ کام کرنے کے قابل نہیں ——— "
گیسیکن نے مکا میز پر مارا اور گرج کے بولا "لالٹینیں بنانی پڑیں گی۔ یہ مجرمانہ سستی چھوڑ دو۔ میں اگر حرامیوں کا چمڑا ادھیڑنا شروع کر دوں تو سٹالین کے حکم کے مطابق لالٹینیں تیار ہو جائیں گی ———
سوشن (Soshin) رپورٹ پیش کرو"
سوشن بیچارہ گھبرایا ہوا اٹھا۔ وہ ایک ہی سانس میں بولا "مشینیں خراب ہیں۔ بجلی گھر خراب ہے۔ تربیت یافتہ آدمی نہیں ...."
یہ کانفرنس گھنٹوں جاری رہی۔ گیسیکن گالیاں اور دھمکیاں دیتا رہا۔ انجینئر اور جرنیل کانپتے رہے۔
صبح کے ساڑھے چار بجے جب ہم اٹھے تو پانچ لاکھ وردیوں دس لاکھ کلہاڑیوں اور ایک لاکھ ٹیلیفونوں کی سپلائی کے احکام ہمارے کانوں میں گونج رہے تھے اور خام مال اور مشینوں کا کوئی انتظام نہیں تھا!
میں ٹٹول ٹٹول کے سیڑھیاں چڑھا۔ ارینا میرا انتظار کر کے سو گئی تھی۔ اُس نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا "اب تک کہاں تھے؟"
"سو جاؤ سو جاؤ .... دفتر میں کچھ کام تھا۔"
میں اُسے دفتر کی کوئی بات نہیں بتا سکتا تھا!

اندرونی خبریں

محکمے کے صدر کی حیثیت سے مجھے جو تنخواہ ملتی تھی وہ میری سابقہ آمدنی کے نصف سے بھی کم تھی، لیکن اس جنگ اور قحط کے زمانے میں آمدنی میں کمی کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ سوال صرف راشن کا تھا۔ یا ان دکانوں کا جن میں انسان کو سودا خریدنے کی اجازت تھی۔ اس اعتبار سے میں اُمرا اور رؤسا میں شامل تھا۔ مجھے "خاص" دکانوں میں جانے کی اجازت تھی۔ جہاں صرف پارٹی کے چند بڑے عہدے دار خفیہ پولیس اور کریملن کے افسر اور ان کی بیویاں اور ملازم وغیرہ جایا کرتے تھے۔

روسی عوام میں ایک فرد بھی ایسا نہیں تھا جسے ان دکانوں کی موجودگی کا وہم بھی ہو۔ حکومت نے انہیں خفیہ رکھا تھا۔ ۲۵ سالہ "سوشلسٹ تعمیر" کے باوجود ملک کی حالت خانہ جنگی کے دنوں سے بھی بدتر تھی۔

مجھے راشن میں سؤر کا گوشت، مکھن، چینی، آٹا، نمکین گوشت، چوزے، مچھلی، سبزیاں، ووڈکا شراب اور اعلیٰ سگریٹ ملتے تھے۔ مہینے میں یہاں سے جتنی چیزیں میں ۱۵۰ روبل میں لے لیا کرتا تھا بازار میں پندرہ ہزار روبل میں بھی نہیں مل سکتی تھیں ——— اگر ان کے باوجود مہینے میں کئی بار میری بیوی کو فاقہ کرنا پڑتا تھا تو عوام کی کیا حالت ہوگی! اس وقت جب استعمال شدہ کپڑوں کا ایک جوڑا بنانے میں ہزاروں روبل خرچ ہو جاتے تھے ہمارے لئے امریکہ سے بہترین کپڑے منگوائے جاتے تھے۔ بازار میں جب بھی کہیں سے کپڑا پہنچتا تھا دکان کے باہر لمبی قطاریں لگ جاتی تھیں۔ حالانکہ معمولی سوتی کپڑے کا ایک جوڑا ہزار روبل میں بنتا تھا۔ جراب ۷۵ روبل میں آتی تھی اور اوورکوٹ پر ۲۵۰۰ روبل اٹھتے تھے۔

دھاگہ۔ صابن۔ دیا سلائی۔ بلب۔ برتن اور گھریلو استعمال کی دوسری چیزیں تو یکسر غائب تھیں۔ مٹی کے تیل کا چھوٹا پیپا دو سو روبل میں ملتا تھا۔ ماسکو کے بیشتر باشندے اندھیرے میں رہتے تھے۔

۱۹۴۲-۴۳ کے موسم سرما میں لوگ سردی سے بچنے کے لئے اپنا فرنیچر، کتابیں اور آلاتِ موسیقی

جلا چکے تھے ــــ لوگ صبح اٹھ کے ہمسایوں کے دروازے کھٹکھٹا کے پوچھتے تھے ــــ "ونیا- میریا ــــ جیتے تو ہو؟"

ہمارے ہاں لوہے کا ایک چولہا تھا۔ لکڑی مجھے دفتر سے مل جاتی تھی۔ جس میں سے کبھی کبھی ہم کچھ ہمسایوں کو بھی دے دیا کرتے تھے ــــ لیکن ڈرتے تھے کیونکہ یہ قانون کی صریح خلاف ورزی تھی۔ میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ میری "پر آسائش زندگی" ہمسایوں کے لئے بہت پریشان کن ہوگی! اپنا کھانا خود پکایا کرتی تھی۔ ایک تو ہم ملازم رکھ نہیں سکتے تھے۔ دوسرے یہ خیال تھا کہ ماسکو میں سینکڑوں آدمی محض بھوک سے مر رہے ہیں اس لئے چھپ کر اور دروازے بند کر کے ہی کھانا اچھا ہے۔ بہتر ہے کہ کسی کو بھی معلوم نہ ہو سکے کہ ہم اتنی اچھی اور نایاب غذا کھاتے ہیں۔

ماسکو میں مُردوں کو تو دفن کر دیا جاتا تھا۔ نیم مردہ اپنے گھروں کی سرد قبروں میں سسکتے رہتے۔ مجھے ایسے بہت سے کارخانوں کا معائنہ کرنا پڑا جہاں کام مقررہ معیار سے کم ہوتا تھا۔ ہر جگہ اس کی وجہ خوراک کی کمی تھی۔ جس کارخانے میں کم از کم ایک وقت باقاعدہ روٹی مل جاتی تھی، وہاں اس قسم کی کوئی شکایت نہیں تھی۔

مجھے ایک واقعہ یاد ہے:-

ایک دفعہ مجھے سالنیکو گورسک (Solnechogorzsk) بھیجا گیا تاکہ وہاں کی دو فیکٹریوں کا معائنہ کروں۔ ہماری آٹے کی چکیوں کے لئے چھلنیوں کی ضرورت تھی اور خیال تھا کہ یہاں چھلنیاں تیار ہو سکیں گی۔ ایک اجنبی نوجوان میرے ساتھ بٹھا دیا گیا تھا۔ مجھے تو یہ بتایا گیا تھا کہ وہ انجینئر ہے، مگر مجھے معلوم تھا کہ وہ انجینئر نہیں خفیہ پولیس کا افسر ہے۔

راستے میں ہم ایسے علاقے میں سے بھی گذرے جو جرمنوں کے قبضے میں رہ چکا تھا۔ اور جس میں اب تک جرمنوں کے ٹوٹے ہوئے ٹینک اور توپیں پڑی تھیں۔ جتنے دیہات ہم نے دیکھے ان میں سے ایک گھر بھی ایسا نہیں تھا جو محفوظ رہا ہو۔ کسان عورتیں اور یتیم بچے ہماری کار کی آواز سن کے کھنڈروں میں سے باہر نکلتے اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے ہمیں دیکھ کے بھیک کے لئے ہاتھ پھیلاتے۔ ہمارے ساتھ کھانے کا کچھ سامان تھا مگر منزلِ مقصود پر پہنچنے سے بہت پہلے ہمارے ہاتھ خالی ہو چکے تھے۔

سالنیکو گورسک تباہی سے بچ رہا تھا۔ فیکٹری منیجر میرے انتظار میں کھڑا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ چھلنیاں تو بن سکتی ہیں لیکن مزدور بھوک سے مر رہے ہیں۔

"ہمارے آدمی کام کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے پاس صرف بوڑھے۔ عورتیں اور بچے رہ گئے ہیں۔ انہیں کام کا تجربہ تو نہیں لیکن وہ کام سے گھبراتے نہیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ کھائیں کیا؟ دوسرے کارخانوں کی طرح انہیں بھی ایک وقت کھانا تو ملے۔"

"تو انہیں دوسرے کارخانوں جتنا راشن نہیں ملتا؟"

"ہم بدقسمتی سے دیہاتی علاقے میں ہیں۔ لوزنا تو قی طور پر ہمیں خوراک دیہاتی فارموں سے حاصل کرنی چاہیئے، مگر دیہاتی گودام بالکل خالی پڑے ہیں ـــــ آپ نے راستے میں کسانوں کی حالت دیکھی ہی ہوگی!"

جب میں دفتر پہنچا تو دوپہر کا وقت تھا اور بڑے افسر قیلولہ کر رہے تھے۔ میں نے جلدی جلدی رپورٹ لکھی اور اتکن کے پاس لے گیا۔

"خوب...... خوب...... ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے" پڑھتے ہوئے وہ اپنا سر ہلا رہا تھا۔ لیکن یک دم اس کے ابروؤں پر شکن پڑ گئی۔

"یہ کیا؟ مزدوروں کے لئے پانچسو گرام روٹی؟ روزانہ؟"

"جی ہاں - یہ کم سے کم ہے۔ مزدور بالکل بھوکے ہیں"

"یہ مد کاٹ دو"

"لیکن کامریڈ اتکن خدا کے لئے غور تو کیجئے ـــــ"

"کرادچینکو۔ تم بالشویک ہو یا کسی خیراتی انجمن کے رضاکار؟ حکومت کے معاملوں میں انسانیت پرستی کا کوئی دخل نہیں ـــــ سٹالین نے نہیں کہا ـــــ کہ عوام سے محبت کرو مگر ضرورت ہو تو اُن کی ضروریات کی پروا نہ کرو؟"

اور واقعہ یہ ہے کہ اس کارخانے کو کافی خام مال مہیا کر دیا گیا لیکن اس کے باوجود چھلنیاں نہ بن سکیں۔

ایک اور واقعے کے تاثرات بھی میرے ذہن پر بہت گہرے ہیں۔

اس اسلحہ ساز کارخانے کی بدحالی کا نقشہ کھینچنے کے لئے دانتے ایسے شاعر کی ضرورت ہے۔ ماسکو کے صوبے میں پوڈلسک (Podolsk) سے آگے صرف وہ لوگ جا سکتے تھے جن کے پاس خصوصی اجازت نامے ہوتے تھے۔ خفیہ پولیس راستے میں بار بار چیکنگ کرتی تھی۔ اس علاقے میں جنگل پھیلے ہوئے تھے۔ گاڑی کی کھڑکیوں سے ہم ہزاروں قیدیوں کو جنگل صاف کرتے دیکھ سکتے تھے۔ ہم ریلوے لائن کے اختتام پر پہنچ کے گاڑی سے اُترے۔ جنگل کے درمیان ایک قطعہ زمین صاف کر کے اس میں اسلحہ سازی کا ایک خفیہ کارخانہ نصب کیا گیا تھا۔ یہاں ہزاروں قیدی اور بیگاری غلام دن رات بم اور گولے بناتے تھے۔ کارخانے کے چاروں طرف خاردار تاروں کا جنگلہ تھا جس پر خفیہ پولیس اور خاص طور پر تربیت یافتہ شکاری کتوں کا پہرہ تھا۔

مجھے اس کارخانے اور ایک اور کارخانے میں مال کی سپلائی کا معاملہ طے کرنا تھا۔ رات کو مجھے مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا۔ قیدیوں کو کام پر جاتے ہوئے دیکھنے کے لئے میں بہت جلد اٹھ بیٹھا۔ موسلادھار بارش ہو رہی تھی جس کے ساتھ ٹھنڈی ہوا کا ایک طوفان تھا جو بوندیوں کو اڑا کے کمروں کے اندر تک لے آتا تھا۔

کمرے سے باہر نکلتے ہی میں نے پانچسو عورتوں اور مردوں کو مسلح پہرے میں کام پر جاتے دیکھا۔ میں نے یورال اور سائبیریا میں بھی قیدی دیکھے تھے۔ ان سے زیادہ ہیبت ناک اور ڈراؤنے چہرے شاید ہی کبھی نظر آئیں۔ لیکن یہ چہرے جن کا رنگ خون کی کمی کی وجہ سے سیاہی مائل زرد تھا چلتی پھرتی لاشیں تھیں۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ جہنمیوں کو سزا دی جا رہی ہے۔ تاکہ وہ تمام آلودگیوں سے نجات حاصل کرلیں۔

ان میں ہر عمر کی عورتیں اور مرد تھے۔ وہ چپ چاپ چل رہے تھے جیسے کل کے بنے ہوں۔ وہ آپس میں بات نہیں کرتے تھے۔ ادھر ادھر دیکھتے نہیں تھے ــــــ اور ان کے جسموں پر دھجیاں تھیں۔ پاؤں میں ربڑ کے جوتے تھے جن پر رسیاں لپٹی ہوئی تھیں۔ کچھ جو ان سے بھی محروم تھے انہوں نے پاؤں پر ٹاٹ لپیٹ رکھا تھا۔ اتفاق سے ایک عورت بیہوش ہو کے گر پڑی لیکن کسی نے پروا نہ کی۔ وہ اُسی میکانکی انداز سے چلتے رہے۔ دو پہریدار آئے اور اُسے کیچڑ میں گھسیٹتے ہوئے ایک طرف لے گئے۔

اس کے بعد کئی اور دستے آئے لیکن میں اُنہیں دیکھ نہ سکا۔ شام کو جب میں باہر نکلا تو میں نے ایک بہت بڑے ہجوم کو دیکھا جسے رات کی شفٹ میں کام کرنے کے لئے کسی غلام بستی سے لایا جا رہا تھا۔

یہ لوگ تہ خانوں میں کام کرتے تھے۔ مجھے تہ خانوں میں اترنے کی اجازت نہ تھی اور سچ تو یہ ہے کہ مجھ میں اُن کو دیکھنے کی ہمت بھی نہیں تھی۔ لیکن کارخانے کے افسروں سے مل کے ان کا کچھ اندازہ ہو گیا۔ یہ تہ خانے چھوٹی چھوٹی تاریک کوٹھڑیاں تھیں جن میں ایک ہی دروازہ ہوتا تھا۔ آپ اسی کو روشندان کہہ لیجئے کیونکہ ہوا کے آنے جانے کا بھی یہی راستہ تھا۔ ان کوٹھڑیوں میں بارود بنتی تھی جس میں زہریلی دوائیں اور تیزاب استعمال ہوتا تھا۔ ہوا ہر وقت زہریلی رہتی تھی چند ہفتے اس میں کام کرنے کے بعد غلام اپنے آپ مر جاتے تھے۔ لیکن نئے غلام نئے خام مال کی طرح برابر پہنچتے رہتے تھے۔

کریملن گزشتہ بارہ برس سے ہوائی فوج کی تعمیر میں روس کے بہترین جوان اور کثیر ترین سرمایہ لگا رہا تھا۔ اس کے باوجود سٹالین اور مالوتوف کے ذاتی دستخطوں سے آئے ہوئے کاغذات سے مجھے فوراً اندازہ ہو گیا کہ ہم کتنے پس ماندہ ہیں۔

جرمنی اور روس کے اقتصادی معاہدے کا نتیجہ یہ ہؤا۔ کہ سٹالین نے فولاد تانبے اور ایلومینم کے پہاڑ کے پہاڑ ہٹلر کو دے دیئے تھے۔ رہے سہے پر فاتح جرمن فوجوں نے قبضہ کر لیا۔ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔

آپ کو شاید اس بات پر یقین نہیں آئے گا کہ ہمارے بعض ہوابازوں کو ایسے جہاز دیئے گئے جو پلائی وڈ کے بنے ہوئے تھے۔ جنہیں تباہ کرنے کے لئے آگ لگانے والی ایک گولی بہت کافی

تھی۔ لیکن دوسری ترقی یافتہ قوموں کے مقابلے میں ہماری شرح اموات بہت کم تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہوائی جہازوں اور ہوابازوں کی کمی کی وجہ سے ہمارے ہواباز ایک ایک دن میں کئی کئی بار پرواز کرتے تھے۔ امریکہ سے ادھار پٹے کے بعد حالت البتہ بہتر ہوگئی۔

۱۹۴۲ کے آخر میں سٹالین نے ایک ایسا مسالہ بنانے کا حکم دیا جسے آگ نہیں لگ سکتی تھی۔ یہ مسالہ ہوائی جہازوں پر چڑھانا تھا۔ اس کی تیاری میں ایسی کیمیاوی اشیاء کی ضرورت تھی جو روس میں نایاب تھیں۔ ایک بڑی مشکل یہ تھی کہ مسالے کی تیاری کے دوران میں اس سے ایسا زہریلا دھوأں نکلتا تھا جس سے بنانے والوں کی جانیں خطرے میں پڑ جاتی تھیں۔ لیکن روسی افسروں نے جان جوکھوں میں ڈال کے یہ مسالہ تیار کر لیا۔

ہوائی فوج کے ایک جرنیل سے میں نے پوچھا

"اس سے واقعی کوئی فائدہ ہوگا؟"

اس نے چاروں طرف دیکھا پھر جھک کے آہستہ سے کہا

"ہاں ۔۔۔۔۔۔ جتنا آئس کریم سے مردے کو۔ سٹالین کا مقصد تو صرف ہوابازوں کے حوصلے بڑھانا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جرمنوں کی گولیوں کے سامنے ہمارے جہاز پھلجھڑیوں کی طرح گریں گے۔"

ہمارے تمام کارخانے استعداد سے زیادہ کام کر رہے تھے لیکن ضروریات کے مقابلے میں ان کی پیداوار بہت کم تھی۔ کام کی کوئی باقاعدہ سکیم نہیں تھی۔ ایک اوزار کا ایک حصہ تیار ہے تو دوسرا نہیں۔ دوسرا ہے تو تیسرا نہیں۔ رائفلوں کی ہمیں سخت ضرورت تھی۔ نالیاں تو ہم نے کافی بنا لی تھیں لیکن کندوں کی تیاری کی رفتار بہت سست تھی۔ چنانچہ میں کندے بنانے کے ایک کارخانے میں گیا اور ڈائرکٹر سے اس کی شکایت کی۔ اس نے وہی ترشا ترشایا جواب دیا کہ ہمارے پاس تربیت یافتہ آدمی نہیں ہیں۔

میں کارخانے میں گھوم رہا تھا۔ ڈائرکٹر میرے ساتھ ساتھ تھا اور کارخانے کے مختلف شعبے دکھا رہا

"اور یہاں کیا بنتا ہے؟" میں نے ایک بند کمرے کی طرف دیکھ کے کہا۔

اور وہاں جو کچھ بن رہا تھا اسے دیکھ کے میں غصے سے پاگل ہوگیا۔ وہاں مہاگنی کا عمدہ فرنیچر بن رہا تھا۔ میز۔ کرسیاں۔ صوفے۔ ڈریسنگ ٹیبل ——

"اور تم کہتے ہو کہ تربیت یافتہ آدمیوں کی کمی ہے؟ میں تمہاری رپورٹ کروں گا۔"

لیکن ڈائرکٹر بالکل نہ گھبرایا۔ میں نے اس کے ہونٹوں پر دبی ہوئی مسکراہٹ بھی دیکھی۔ اس نے کہا

"میں تمہارے پاگل پن کا کیا کروں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں خود بھی پاگل ہو رہا ہوں ـــــ لیکن مصیبت یہ ہے کہ میں بہت چھوٹا آدمی ہوں ـــــ آؤ میرے دفتر میں۔"

اس نے میز کے دراز سے کاغذات نکالے۔ یہ فرنیچر پارٹی کے اعلیٰ عہدے داروں سرکاری اور فوجی افسروں کے لئے بنایا جا رہا تھا۔ ان میں سے ماسکو سٹی سوویٹ کے چیئرمین پرونن۔ سنٹرل کمیٹی کے چیئرمین شرباکوف اور جنرل موخن کے نام مجھے یاد ہیں۔

میں فوراً انکن کے پاس پہنچا۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آتا تھا۔

"سٹالین کے حکم کے مطابق کندے تیار کرنے کے بجائے فرنیچر! ان کو تو جیل بھیجنا چاہئے۔" اس نے کہا۔

"ہاں ـــــ ڈائرکٹر نے مجھے کامریڈ پرونن، شرباکوف اور جنرل موخن کے ذاتی احکام دکھلائے ہیں ـــــ"

انکن کا منہ ذرا سا رہ گیا۔

"اچھا! شرباکوف؟ .... ہوں ...... بڑی مصیبت ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ لیڈروں کا آرام بھی تو جنگی ضرورت ہے ...... میں غور کروں گا۔"

وہ غور کرتا رہا۔ کارخانے میں فرنیچر بنتا رہا اور سرخ فوج کے سپاہی رائفلوں کے بغیر مرتے رہے۔

روس میں بہت کم آدمیوں کے پاس گیس روک نقاب تھے۔ ماسکو میں بھی صرف چار میں سے ایک ایسا تھا جس کے پاس گیس روک نقاب تھا ملک کے باقی حصوں کا آپ اندازہ لگائیے ـــــ سپاہیوں اور شہریوں کے پاس جو گیس روک نقاب تھے وہ کسی کام کے نہ تھے۔ اس کی وجہ ربڑ کی قلت تھی۔ ربڑ کی بجائے ہم نے کینوس استعمال کیا تھا۔ اگر جرمنوں کو اس کی خبر تھی تو پھر ہم سمجھتے ہیں کہ چرچل اور روزولٹ کی جوابی دھمکیوں نے میرے لاکھوں ہم وطنوں کو دردناک موت سے بچا لیا۔

میں حکومت کے طرزِ عمل سے پوری طرح واقف ہو گیا۔ اور میں سمجھ گیا کہ قانون اور اس کے عمل میں کہاں تک مطابقت ہوتی ہے۔ یہ حقیقت غیر ملکیوں ہی سے نہیں ہمارے اپنے عوام کی نظروں سے بھی اوجھل ہے۔ میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ روس میں حکومت کا مطلب کیمونسٹ پارٹی ہے۔ پیپلز کمسر کی کونسل اور سپریم سوویٹ اس کے ماتحت محکمے ہیں۔

میں اپنے اعلیٰ عہدہ کی وجہ سے حکومت کے اندرونی رازوں سے واقف تھا۔ اخبارات پر پابندیاں ہوں تو زبانی خبریں کانوں کان پھیلتی ہیں۔ ماسکو میں افواہیں جس تیزی سے پھیلتی تھیں دنیا کے شاید ہی کسی اور حصے میں پھیلتی ہوں۔ تردیدوں سے ان کی توثیق ہوتی تھی۔ خاص خاص افواہیں بڑی احتیاط

اور جوش کے ساتھ اور صرف گہرے دوستوں ہی میں سنائی جاتی تھیں۔

اعلےٰ پارٹی لیڈروں کے اختلافات کے بارے میں جو خبریں اڑتی ہیں ان کے بارے میں خصوصی احتیاط اور جوش دکھایا جاتا تھا۔ مجھے معلوم ہوگیا کہ پولٹ بیورو کے دو ممبر کاگنووچ اور اینڈریف ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں اور سٹالین کی نظروں میں ایک دوسرے کو گرانے کی سر توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ مکویان اور مالوتوف کے درمیان بڑی کشمکش ہے۔ وشنسکی نے کاگنووچ کی بے عزتی کی تھی۔ سٹالین کا لڑکا وسیلی شراب، حرامکاری اور اندھا دھند گاڑی چلانے کی وجہ سے بڑا بدنام ہو رہا ہے۔

لیکن ان سب سے زیادہ دلچسپ سٹالین کی ذات کا تذکرہ تھا۔ اس کی ایک ایک بات میں مین میکھ نکالی جاتی تھی۔ ایک ایک لفظ کا تجزیہ کیا جاتا تھا۔ اس کی پسند ناپسند اس کے تعصبات، اس کی محبت اس کی عادتیں اونچی محفلوں کے خصوصی موضوع تھے۔ جن میں جنگ کے حالات اور عالمی انقلاب کے مستقبل سے بھی زیادہ دلچسپی لی جاتی تھی۔

مجھے بتایا گیا کہ سٹالین کو شطرنج اور بلیرڈ کا شوق ہے۔ اور ان دونوں کھیلوں میں کافی مہارت رکھتا ہے۔ اسے محاوروں کے استعمال کا خبط ہے۔ جس کا مظاہرہ وہ سرکاری اور غیر سرکاری ملاقاتوں میں کرتا رہتا ہے۔ اسے راگ رنگ سے بھی دلچسپی ہے لیکن افسوس کہ اس کا مذاق ذرا عامیانہ ہے۔

میں نے اس کے بارے میں ایک ایسی بات بھی سنی ہے جس پر مجھے یقین نہیں آتا۔ اور وہ یہ ہے کہ سٹالین پر جب کوئی انہونی آپڑے اور اسے کوئی بہت اہم فیصلہ کرنا ہو تو لینن کی قبر پہ جا کے گھنٹوں بیٹھتا ہے۔ "اونچے حلقوں" کا بیان ہے کہ وہ توہم پرست ہے اور شگون لئے بغیر کوئی اہم فیصلہ نہیں کرتا۔ بدشگونی کی وجہ سے کئی دفعہ اس نے بڑے بڑے اہم فیصلے تبدیل کئے ہیں۔ وہ تنہائی پسند ہے۔ عوام کے سامنے آنے سے جھجکتا ہے۔ لیکن جب آتا ہے تو عام آدمی بن جاتا ہے۔ جن لوگوں نے اسے بہت قریب سے دیکھا ہے ان کی رائے یہ ہے کہ وہ ایک سنگدل انسان ہے اسے صرف طاقت پر بھروسہ ہے۔ سخت کینہ پرور ہے۔ دشمن کو کبھی نہیں بخشتا۔ البتہ اسے اپنے مصاحب چننے کا سلیقہ آتا ہے لیکن مصاحبوں کے باوجود وہ تنہا ہے اور یہ بات اچھی طرح جانتا ہے۔ اپنی زندگی میں اس نے اپنے تمام رفیقوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ گذشتہ چند سال سے اس کے بہترین دوست مالوتوف، ورشلوف، بیریا اور مکویان رہے ہیں۔ لیکن وہ ان میں سے کسی پر بھی اعتبار نہیں کرتا۔

"اندرونی خبریں" کچھ اس قسم کی ہوتی تھیں۔ لیکن اس کے بارے میں کبھی عیاشی یا بدکاری کی کوئی افواہ نہیں پھیلی۔ غالباً اسے ان چیزوں کے لئے وقت ہی نہیں ملتا۔ وہ بڑی ٹھوس اور بھاری کتابیں پڑھتا ہے۔ سیاسی اور اقتصادی معاملات پر اس کی معلومات اتنی وسیع ہیں کہ سننے والا حیران رہ جاتا ہے۔

عوام کے سامنے آنے سے سٹالین کا اجتناب کسی غرور، کسی عصبیت وغیرہ کا نتیجہ نہیں۔ ہزاروں

مصوروں اور فوٹو گرافروں نے عوام سے یہ حقیقت چھپائی ہے کہ اس کا قد چھوٹا ہے۔ اس کا رنگ کالا اور ایشیائی ہے۔ اس کا بایاں بازو ناقص ہے۔ دانت ناہموار ہیں۔ ممکن ہے اسے احساس کمتری ہو ——— وہ بے حد خوشامد پسند ہے۔

خفیہ پولیس نے اس کی انقلاب سے پہلی زندگی کے بارے میں بڑا عجیب اور دلکش ریکارڈ مرتب کیا ہے ——— کہا جاتا ہے کہ وہ کلرک تھا۔ اور اسے آج بھی اعداد و شمار پر بڑا عبور حاصل ہے ——— لیکن یہ بات کبھی کہیں شائع نہیں کی گئی۔

اسے کابیشیا کے باشندوں سے بڑی محبت ہے۔ وہ ان پر اعتماد کرتا ہے۔ حکومت کی اہم آسامیاں انہیں کے لئے مخصوص ہیں۔

۷ رنومبر کو انقلاب کی سالگرہ تھی۔ جنگ کی تباہیوں کے باوجود جشن منانے کے انتظامات کئے جا رہے تھے۔ توقع تھی کہ اس موقع پر عوام کو زیادہ راشن ملے گا ——— اور اس سال یہی سب سے بڑی بات تھی۔

۶ رنومبر کو اعلان کر دیا گیا کہ ہر آدمی کو ایک سیر آٹے کی روٹی، پانچ سیر آلو اور ڈیڑھ سیر شہد ملے گا۔ اس اعلان کی وجہ سے لوگوں کو اتنی خوشی ہوئی کہ کام کرنا مشکل ہو گیا۔

افسروں کو اس سے کہیں بڑے تحفے ملے۔ ہمیں اشیائے خوردنی کے علاوہ اعلےٰ درجے کی شراب کی دو دو بوتلیں بھی دی گئیں۔

سٹالین کے خاص محل میں ایک ضیافت ہوئی جس میں صرف چیدہ چیدہ آدمیوں کو شامل ہونے کا موقعہ ملا۔ ہمارے دفتر میں بھی ایک پارٹی ہوئی جس میں کھانے پینے کی افراط تھی۔ جب سیر ہو چکے اور نشے میں جھومنے لگے تو کسی نے ترنگ میں آ کے گانا شروع کر دیا

ساتھیو آؤ گیت گائیں\
دنیا کے سب سے بڑے آدمی کا\
سب سے بڑے اور سب سے اعلےٰ\
سٹالین کا گیت گائیں\
ساتھیو آؤ گیت گائیں

ہم سب اس کے ساتھ شامل ہو گئے اور لہرا لہرا کے گانے لگے۔

ادھار پٹے کے سمجھوتے کے بعد ہزاروں روسی ماہرین کو کینیڈا، امریکہ اور انگلستان بھیجا جاتا تھا۔

میں تڑپتا تھا کہ کہیں مجھے بھی باہر جانے کا موقعہ مل جائے۔ لیکن کسی سے اپنی آرزو کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔

دسمبر کے آخر میں میں محکمۂ خارجہ کے ایک بااثر آدمی سے اسلحہ بیچنے کے بارے میں بات چیت کرتے ہوئے میں نے بڑی ہوشیاری سے اپنا ذکر چھیڑ دیا۔ اس نے اچانک کہا

"وکٹر کراوچنکو امریکہ جاؤ گے؟"

"نہیں ——— بات یہ ہے کہ یہاں بڑی ذمہ داری کا کام ہے ——— لیکن اگر ضروری ہو تو ———"

وہ ایسا بچہ نہیں تھا کہ میرا اصلی مقصد نہ سمجھ سکتا۔ اس نے زیادہ اصرار نہ کیا۔

گلاوبیل کے نام سے روس کے مختلف حصوں میں ایک ہی قسم کے پانچ کارخانے۔ ان کا نظم و نسق ایک ہی ادارے کے سپرد تھا۔ ان کارخانوں کی پیداوار سے حکومت مطمئن نہ تھی۔ ایک دن مجھے محکمے کے افسر اعلیٰ نے بلا بھیجا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے کہا

"کراوچنکو ——— میرے خیال میں تم صحیح آدمی ہو۔ میں تمہیں انچارج بنانا چاہتا ہوں۔ وہاں کام چلا کے تم واپس چلے آنا۔"

میں دل میں خوش ہوا کہ چلو یہاں سے نجات تو ملے گی لیکن میں نے رضامندی کا اظہار سرسری طور پر کیا۔ میرا اپنا دفتر ریڈ سکوئر میں کریملن کے مقابل تھا۔ کام اتنا سخت نہیں تھا۔ مجھے تفریح اور آرام کا وقت ملنے لگا۔

جنگ کا پانسہ پلٹ چکا تھا۔ سٹالین گراڈ میں ابھی تک جنگ ہو رہی تھی۔ موت اور تباہی کے اعداد و شمار ناقابل یقین تھے۔ لیکن ہمیں یقین تھا کہ فتح ہماری ہوگی۔ جرمن اپنے سپلائی کے اڈوں سے دور تھے۔ اور ایسی شدید سردی کے وہ عادی نہ تھے۔ ان کے مقابلے میں روسی سپاہیوں کو بڑی آسانی سے کمک پہنچ رہی تھی۔ والگا کے ساتھ ساتھ ایک نئی ریلوے لائن بچھ گئی جو بڑی مفید ثابت ہو رہی تھی۔

آخر ہمیں فتح حاصل ہوئی۔ جرمن اپنے اور روسیوں کے خون میں ڈوب گئے۔ اس سے ایک تو ان کی پیش قدمی رک گئی۔ دوسرے روسیوں کے ہاتھ اتنا سامان آیا جس سے چالیس نئے ڈویژن کھڑے کئے جا سکتے تھے۔ نومبر ۱۹۴۲ سے نومبر ۱۹۴۴ کے وقفے میں روسیوں کو چار ہزار ہوائی جہاز، سترہ ہزار ٹینک، پچپن ہزار توپیں۔ ایک لاکھ اٹھارہ ہزار مشین گنیں اور ڈیڑھ لاکھ رائفلیں مال غنیمت کے طور پر ملیں ——— ہٹلر کے ہتھیار ہٹلر پر سیدھے کر دیئے گئے۔

بندھن ٹوٹے

میرے امریکہ جانے کے واقعی امکانات جنوری ۱۹۴۳ء میں پیدا ہونے لگے۔ اور جولائی میں مجھے پاسپورٹ مل گیا۔ ان چھ ماہ کے دوران میں میری حالت ایک ایسے نایاب ٹڈے کی تھی جسے تجزیہ گاہ میں ایک پن کے ساتھ چسپاں کر دیا گیا ہو اور جسے ہزاروں سائنسدان دیکھ رہے ہوں۔ ایک بے انتہا وسیع اور طاقتور حکومت نے اپنی تمام قوتیں میرے حالات کی تحقیق پر مرکوز کر دیں۔

یہ تحقیقات بہت غیر دلچسپ تھی۔ ہفتوں گزرتے چلے جا رہے تھے۔ اس خوف سے میری راتوں کی نیند حرام ہو گئی۔ ہر گھڑی مجھے یہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ کہیں میری روح کے نہاں خانے کے اسرار باہر نہ آ جائیں ——— اور حیرت کی بات یہ ہے کہ حکومت کی تحقیقات بے نتیجہ رہی۔ روس سے بھاگ کے امریکہ جانے کی آرزو کا کسی کو علم نہ ہو سکا۔

روسی عوام کے فرزند کمیونسٹ پارٹی کے ممبر اور انجنیئر کامریڈ کراوچینکو کی تحقیقات محکمہ خارجہ کے شعبہ تجارت کے صدر کامریڈ شتوب (Shatub کے دفتر میں شروع ہوئی۔ وہ چھوٹے قد کا ایک بے حس آدمی تھا۔ جس کے لئے ایک ٹڈے اور دوسرے ٹڈے میں کوئی فرق نہیں تھا۔

کامریڈ شتوب نے میری داستانِ حیات سنی میرے والدین کے سوانح پوچھے پھر میرے بہن بھائیوں اور ان کے دوستوں اور رشتہ داروں کے حالات اور ان کے جذبات کے بارے میں سوالات کئے۔

میں اس داستاں سرائی کا عادی تھا۔ اس سے پہلے میرے اور میرے عزیزوں کے تفصیلی حالات خفیہ پولیس فوج اور صنعتی محکمے کے ریکارڈوں میں درج ہو چکے تھے۔ اور اب کوئی ایسی بات نہ باقی رہی تھی جو حکومت کے علم سے باہر ہو ——— لیکن اس سے کوئی فرق نہ پڑا۔ کامریڈ شتوب نے ایسا رویہ اختیار کیا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ حکومت اور اس کی رعایا کے ایک فرد کے درمیان پہلی ملاقات ہے۔

اس اطمینان کے بعد کہ میری بھابی کی پھوپھی ویرا (Vera) جسے میں نے دیکھا تک نہیں تھا سوویٹ یونین کے لئے خطرناک نہیں، چالاک تنتوب نے اگلا قدم اٹھایا۔ اس نے مجھے کئی سوالنامے دیئے اور کہا کہ انہیں کل تک بھر کے لے آؤ۔

میں نے ایسا ہی کیا۔ چند دنوں کے بعد مجھے چٹھی ملی جس میں لکھا تھا ـــــ "اپنے موجودہ عہدے پر کام کئے جاؤ۔ جب تمہیں باہر بھیجنے کی ضرورت پڑے گی تو تمہیں اطلاع دی جائے گی۔" اس کا مطلب یہ تھا کہ تحقیقات کی جا رہی ہے۔ اور اگر مجھ پر کوئی اعتراض نہ ہوا تو مزید تحقیقات کی جائے گی۔ تین مہینے گزر گئے میں مایوس ہو چکا تھا۔ لیکن اپریل کی ایک رات کو جب میں گھر پہنچا تو مجھے یہ پیغام موصول ہوا ـــ کہ فلاں ٹیلیفون نمبر سے بات کرو ـــــ یہ بات بجائے خود پراسرار تھی ـــ اس کا مطلب امریکہ کے سفر سے کال کوٹھڑی تک کچھ ہو سکتا تھا۔

لیکن یہ محکمۂ خارجہ کا ٹیلیفون تھا۔ مجھے فوراً بلایا گیا تھا۔ تنتوب کی قسم کا ایک اور آدمی جو اس سے زیادہ چالاک تھا میرا انتظار کر رہا تھا۔

تین گھنٹے میں اپنے ماضی کے ویرانوں میں آوارہ رہا۔ کبھی وہ میرے آگے آگے چلتا تھا۔ کبھی میرا پیچھا کرتا تھا میرا مدمقابل ایک چالاک بلی کی طرح کھیل رہا تھا مگر اب کے اس کو ایک تجربہ کار چوہے سے پالا پڑا تھا۔ "پروفیسر گرشگورن، دردگن اور دوسرے اساتذہ" نے مجھے کائیاں کر دیا تھا۔ رات کے دو بجے بلی اور چوہا بہت تھک گئے۔ مجھے پھر آنے کے لئے کہا گیا۔ اور کچھ اور سوالنامے دیئے گئے۔

یہ سوالنامے ایسے پیچیدہ اور تفصیلی تھے کہ ان کے سامنے پہلے سوالنامے قصہ کہانی معلوم ہوتے تھے۔ ان کے جوابات سے فارغ ہو کے مجھ سے کہا گیا کہ میں ان اداروں کے سرٹیفکیٹ اور حوالے پیش کروں جن میں میں نے کام کیا ہے۔

اس میں مجھے کئی ہفتوں کی مزید ذلت برداشت کرنی پڑی مگر آخر کار میں نے "سفارشی" چٹھیاں فراہم کر لیں۔ جب میرا طبی معائنہ مکمل ہو گیا تو مجھے اسسٹنٹ کمشنر کامریڈ لبڈلیف کے دفتر میں طلب کیا گیا۔

لبڈلیف کے پاس اس کے دو اسسٹنٹ بیٹھے تھے جو نوٹ لے رہے تھے اور ضروری کاغذات پیش کر رہے تھے اس نے میرے سوانح حیات کرید نے شروع کئے۔ میں نے بڑی پھرتی اور تیزی سے باتیں کیں جیسے میں ان سوالوں کی پیچیدگی سے خوفزدہ ہوں۔ میں نے جلد ہی اندازہ لگا لیا کہ تجربہ کار چوہے کو پکڑنے والی یہ بلی نہیں۔

آخر میں اس نے کہا "تمہیں اطلاع کر دی جائے گی۔"

پانچ دن کے بعد محکمۂ خارجہ میں کام کرنے والے ایک دوست سے مجھے معلوم ہوا کہ پولٹ بیورو کے ممبر دفاعی کمیٹی کے رکن محکمہ خارجہ کے شعبہ تجارت کے افسر اعلیٰ نے اپنے ذاتی دستخطوں سے مرکزی کمیٹی کو سفارش

کی ہے کہ مجھے امریکہ بھیجا جائے۔

کچھ دنوں کے بعد مجھے پھر ایک خط ملا کہ فلاں ٹیلیفون نمبر سے بات کرو۔ مجھے ایسے محسوس ہوا کہ یہ چکر شاید پھر سے شروع ہوا ہے۔ ابکے ایک عورت نے جواب دیا۔

"اپنا پارٹی کارڈ پاسپورٹ ٹریڈ یونین فارم اور فوجی کاغذات لے کے کل صبح ساڑھے گیارہ بجے دفتر پہنچو۔"

یہاں ایک نئے افسر سے ملاقات ہوئی۔ مصافحے کے بعد اس نے کہا

"اپنے حالاتِ زندگی سناؤ —— ان باتوں کی ضرورت نہیں جو تم نے سوالناموں میں لکھ دی ہیں۔ اپنے سیاسی جذبات اور نظریات کے بارے میں کچھ کہو۔"

میں نے بے تکے پن سے باتیں شروع کر دیں۔ اس نے مجھے ٹوک دیا۔

"تمہیں کبھی پارٹی کی پالیسی کے بارے میں شبہ ہوا ہے؟"

"کبھی نہیں" میں نے یقین کے ساتھ کہا

"اجتماعی کاشت کے زمانے میں بھی نہیں؟"

"لیکن ۱۹۳۶ میں نکوپول میں تم پر کچھ مصیبت تو آئی تھی۔ تحقیقات ہو رہی تھی نا؟ —— ان دنوں تمہارا رویہ کیا تھا؟"

"میں کچھ پریشان تھا۔ چونکہ بالکل بے گناہ تھا اس لئے مجھے کچھ ذلت کا احساس بھی ہوتا تھا۔"

اس میں تو کوئی ہرج نہیں۔ اس زمانے میں واقعی زیادتیاں بھی ہوئی ہیں —— لیکن اب کامریڈ کراوچنکو اب تمہارے دل میں ذلت کی کھٹک تو نہیں؟"

"نہیں نہیں" میں نے قدرتی طور پر ہنستے ہوئے کہا۔ گرنشکورن اور وردگن کے ذلت آمیز رویے کا ممنون جو تھا!

یہ گفتگو دو گھنٹے جاری رہی۔ میرا حوصلہ بڑھتا گیا۔ مجھے یقین ہوتا جا رہا تھا کہ میں بھاگ سکوں گا! بہت جلد اس جہنّم سے آزاد ہو جاؤں گا۔ میں بات کر سکوں گا۔ میں لڑ سکوں گا!

افسر میرے جوابات سے مطمئن تھا۔ اس کے خیال میں میں "خطرناک" نہیں تھا۔ اس کے ہاتھ کے دباؤ نے اس کے دل کی بات کہہ دی۔ اس نے منظوری دے دی تھی!

میرے محکمے کو احکامات پہنچ گئے۔ مجھے بھاری فائلیں دی گئیں کہ انہیں غور سے پڑھوں تاکہ معاملات کی نوعیت سے واقف ہو جاؤں۔

پھر مجھے مرکزی کمیٹی کے دفتر میں بلایا گیا۔ یہاں مجھے دو خفیہ پمفلٹ دیئے گئے ان میں بتایا گیا تھا۔ کہ غیر ملکوں میں جو روسی ہیں۔ ان کے لئے روسی حکومت نے کیا کیا قوانین منظور کر رکھے ہیں۔ یہ پمفلٹ مجھ سے وہیں پڑھوا کے واپس لے لئے گئے۔

ان قوانین کا خلاصہ یہ تھا: غیر روسیوں سے سیاسی معاملات پر گفتگو نہ کرو۔ سرمایہ دارانہ ذہنیت کے اخبارات اور رسائل سے بچو۔ فلمیں نہ دیکھو۔ ہر آدمی کو جاسوس سمجھو۔ ہوٹلوں میں نہ جاؤ۔ بے تکلفی سے پرہیز کرو۔ عورتوں کے ساتھ سفر نہ کرو۔ روسی سفیروں کی اطلاع کے بغیر کسی پارٹی میں نہ جاؤ اور اجازت کے بغیر شراب نہ پیو۔ روسی حکومت کے رازوں کے بارے میں زبان نہ کھولو۔ وغیرہ وغیرہ۔

جب میں نے یقین دلا دیا کہ یہ قوانین میں نے ذہن میں بٹھا لئے ہیں تو مجھے ایک اور افسر کے پاس بھیجا گیا۔ وہ درشت مزاج آدمی تھا۔ اس نے کہا۔

"کامریڈ کراوچنکو تم ایک غیر ملک میں جا رہے ہو۔ تمہیں اجنبی ماحول میں زندگی بسر کرنی ہوگی۔ سرمایہ داروں سے ملنا ہوگا جن سے ہم نفرت کرتے ہیں اور جو ہمارے سخت دشمن ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ تم اس نظام کی ظاہری چمک دمک سے متاثر نہ ہو گے جس کی جڑیں کھوکھلی ہو چکی ہیں۔ تم روسی تہذیب کے علمبردار کی حیثیت سے جا رہے ہو۔ اس تاریخی اہمیت کے تقدس کو کبھی فراموش نہ کرو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ امریکہ اس وقت ہماری امداد کر رہا ہے لیکن اس امداد کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ورنہ سرمایہ داری اور اشتراکیت کا کبھی اتحاد نہیں ہو سکتا۔ امریکہ پہنچ کر تمہیں ہماری پارٹی کا کام کرنا ہوگا ——— لیکن امریکی حکومت یا عوام کو معلوم نہ ہو کہ تم پارٹی کے ممبر ہو۔ امریکہ میں روسی کمیونسٹ پارٹی خفیہ کام کرتی ہے۔ تم اپنا پارٹی کارڈ ساتھ نہیں لے جا سکتے لیکن وہاں پر متعلقہ آدمیوں کو تمہارے بارے میں اطلاع ہو جائے گی۔ تم محض انجنیئر ہو۔ سمجھ گئے؟"

اگلے دن میں پھر ہیڈ کوارٹر پہنچا۔ یہ جون کے آخری دنوں کا ذکر ہے۔ ایک اور عہدیدار میرا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ دو اور آدمی بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک پولیس کا جاسوس تھا۔ عہدیدار نے کہا۔

"کامریڈ کراوچنکو۔ مرکزی کمیٹی نے تمہارے سفر امریکہ کی اجازت دے دی ہے۔ تم اپنی ذمہ داری کو اچھی طرح محسوس کرتے ہو؟"

"جی ہاں"

"تم نے تمام ہدایات کو سمجھ لیا ہے؟ ان کی خلاف ورزی کی سزا سمجھتے ہو؟"

"جی ہاں"

یہاں سے فارغ ہو کے میں ایک اور کمرے میں حاضر ہوا۔ یہاں زیادہ تر معاملہ کی گفتگو ہوئی۔ مجھے ہدایت کی گئی کہ میں زیادہ سے زیادہ فوجی اور اقتصادی معلومات حاصل کر دوں۔

"تم امریکہ میں روس کی آنکھیں اور کان ہو۔ واشنگٹن پہنچ کے کامریڈ سروف (Serov) سے ملو۔ تمہیں پارٹی کارڈ کے بدلے ایک خفیہ نمبر ملے گا۔ یہ اسے بتا دینا۔ وہ سب کچھ سمجھ لے گا۔ سمجھ گئے؟"

"جی ہاں"۔

"ایک اور بات" کسی سے اپنے سفر کا ذکر نہ کرنا۔ سوائے ان چند دوستوں کے جو سیاسی طور پر پختہ کار ہیں۔

سمجھ گئے؟"

"جی ہاں"

اس کے بعد مجھے فوج سے رسمی طور پر فارغ کر دیا گیا۔ پھر مجھے کپڑے وغیرہ خریدنے کے لیے خاص کوپن اور کافی امریکی نوٹ دیئے گئے۔

ان ابتدائی مرحلوں کے گزرنے کے بعد میں پھر ہیڈ بیف کے پاس پہنچا۔ یہاں میرے وفد کے باقی ممبر بھی تھے۔ اب کے ہیڈ بیف مسکرا رہا تھا۔ اُس کا رویہ نہایت دوستانہ تھا۔

اس نے ایک دفعہ پھر ان ہدایات کو دہرایا جن سے امریکی خفیہ پولیس ہمیں پھانس سکتی تھی۔ اُس نے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

"امریکی عورتوں کی ٹانگوں کی طرف مت دیکھو۔ یہ تمہارے لیے سب سے بڑا خطرہ ہیں ــــ اور پھر آخر وہ سرمایہ دار عورتیں ہیں!"

گھر پہنچا تو ارینا میرے انتظار میں تھی۔ اُس نے میرے چہرے سے اندازہ لگا لیا کہ مجھے اجازت مل گئی ہے۔ وہ اپنے آنسو ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اُسے میرے ارادوں کا وہم بھی نہیں تھا۔ میرے نزدیک اس کی محبت کا کم سے کم معاوضہ یہی تھا۔ کہ اُسے قطعی طور پر بے خبر رکھوں۔

"مجھے تھوڑے عرصے کے لیے جانا ہے۔ شاید چند مہینے لگیں۔ زیادہ سے زیادہ ایک سال!" میں نے گلوگیر آواز سے کہا اور جلدی سے اندر چلا گیا۔

اس احساس کے ساتھ کہ میں روس کو اور روسیوں کو پھر کبھی نہیں دیکھ سکوں گا میں ہر شخص کو بڑی حسرت سے دیکھتا تھا۔ میرے بیسیوں دوست ایسے تھے جنہیں میں ملنا چاہتا تھا۔ لیکن ڈرتا تھا کہ کہیں بعد میں ان پر مصیبت نہ آ جائے۔

میں ایک دن چھپ کے کامریڈ مشا سے ملا۔ وہ میرے سفر سے بہت خوش تھا۔

میں نے ایک اور دوست سے بھی ملاقات کی جو ایک بہت بڑے کارخانے کا افسر تھا۔ "چھانٹی" کے زمانے میں اُسے بھی بڑے مصائب جھیلنے پڑے۔ لیکن وہ بے گناہ ثابت ہوا تھا۔ جیل سے نکلنے کے بعد اُس نے بڑی ترقی کر لی۔ جنگ کے زمانے میں اُس نے شاندار خدمات کی تھیں جن کے صلے میں اُسے تمغے ملے تھے۔

اُس نے میرا ہاتھ دبایا اور دیر تک میرا بازو تھامے رہا۔

"مبارک ہو وکٹر۔ تم لاکھوں میں ایک خوش نصیب ہو۔ میرے بال بچے نہ ہوتے تو میں بھی باہر جانے کی کوشش کرتا ۔ ۔ ۔ ۔ باہر کی دنیا دیکھتا جس کے بارے میں ہمیں کچھ بھی معلوم نہیں!"

وہ یکایک خاموش ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر افسردگی کے آثار پیدا ہو گئے۔ پھر کہنے لگا۔

"چلو گھر چلیں ڈاکٹر۔ وداع کی تقریب میں جام لنڈھائیں .... میرا دل چاہتا ہے کہ تم سے کچھ باتیں کروں"

اس نے باتیں کیں ۔ ایسی باتیں جو میرے ملک میں کوئی ہوش مند روسی نہیں کرتا!

"ڈاکٹر یہ بیوقوف سمجھتے ہیں کہ انہوں نے چمکیلے تمغوں سے میری روح کو خرید لیا ہے۔ لیکن وہ غلطی پر ہیں میں جرمنوں پہ فتح پانے کیلئے سرتوڑ جدوجہد کر رہا ہوں۔ میں پکا روسی ہوں —— لیکن میں عذاب کے زمانے کو نہیں بھولا۔ مجھے وہ ایذائیں یاد ہیں! میں کچھ بھی نہیں بھولا۔ کچھ بھی نہیں! مجھے ہر ایذا یاد ہے۔ ہر ذلت یاد ہے —— اور جب انتقام کا وقت آئے گا تو میں ان یادوں کو سینے سے نکالوں گا .... میں سوتا ہوں تو ان پر لعنت بھیجتا ہوں۔ اٹھتا ہوں تو میرے ہونٹوں پہ یہی لعنت ہوتی ہے۔ میرے زخم ہر وقت ہرے رہتے ہیں۔ تم جانتے ہو انہوں نے میرے ساتھ کیا کیا!"

"چھوڑو گریگوری ۔ ان قصوں کو جانے دو"

"انہوں نے مجھے تین تین دن بھوکا رکھا۔ مجھے گیلے کوڑے مارے —— پھر انہوں نے میری ماں کو میری آنکھوں کے سامنے ننگا کیا .... انہوں نے میرے خصیے کچل دئے .... اور جب میں آزاد ہوا تو میں قوتِ مردمی سے محروم ہو چکا تھا! .... اور اب یہ احمق سمجھتے ہیں کہ میں ان کا اپنا آدمی ہوں!"

قازان کے سٹیشن پہ صرف ادینا مجھے رخصت کرنے آئی ۔ وہ رو رہی تھی۔ میں نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی لیکن میرا دل رو رہا تھا —— میں جانتا تھا کہ وہ کچھ بھی نہیں جانتی! وہ نہیں جانتی کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔ لیکن میں اسے کیا بتا سکتا تھا؟ کچھ بھی نہیں ۔ یہی اچھا تھا کہ اسے کچھ بھی نہ بتایا جائے۔

اب مجھے امریکہ جانے کی کوئی خوشی نہ تھی ۔ میرے دماغ میں ایک سوزش سی تھی ۔ یہ میرا قصور نہیں تھا کہ میں اسے چھوڑ کے جا رہا تھا۔ یہ ایک بہیمانہ حکومت کا کارنامہ تھا! میں اپنے بدنصیب اور مظلوم بھائیوں کی ایک ہی خدمت کر سکتا تھا اور وہ یہ کہ بھاگ جاؤں اور دنیا کو ان کی مظلومیت کی داستان سناؤں —— یہ میرے تجربات کا منطقی نتیجہ تھا!

میرے ڈبے میں ایک ادھیڑ عمر کا ذہین آدمی تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے خائف تھے۔ لیکن ایک دوسرے سے متعارف ہونا پڑا ۔ ہم نے اکٹھے کھانا کھایا اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو۔ میں نے کہہ دیا ولاڈی واسٹک تک ۔ اس نے اس سے بھی زیادہ مبہم جواب دیا "یورال کی طرف" اس کے بعد ہم دونوں نے موضوع بدل دیا۔

رات کے وقت ہمارے کمرے میں ایک پولیس کا افسر آیا اور اس نے ہمارے کاغذات طلب کئے۔ میں نے اپنا سرخ پاسپورٹ دکھا دیا۔ اس نے اسے غور سے پڑھا۔ تصویر کا میرے چہرے سے مقابلہ کیا۔ پھر کھڑے ہو کے سلیوٹ کیا۔

لیکن میرے دوست نے بھی ایک پاسپورٹ دکھایا۔ وہ بھی کہیں باہر جا رہا تھا۔ ہم دونوں نے جھوٹ بولا تھا اور ہم دونوں شرمندہ تھے۔

ولاڈی واسٹک پہنچ کے میں ایک سرکاری ہوٹل میں اترا۔ کھانے پینے کی افراط تھی۔ خفیہ پولیس کی حسین لڑکیاں اپنے کاروبار میں مصروف تھیں۔ صبح اٹھ کے میں بندرگاہ گیا۔ کسٹم والوں نے ہماری تلاشی لی۔ ہر جیب کو الٹ کے دیکھا گیا۔ خفیہ پولیس کا ایک افسر ہر کاغذ کا معائنہ کر رہا تھا۔ میرے پاس کچھ تصویریں تھیں۔ ان کو اس نے بڑی مشتبہ نگاہوں سے دیکھا۔ پھر اس نے ہر تصویر کے بارے میں سوالات کئے۔

"—— اور یہ افسر کون ہے؟"

"میرا بھائی ہے"

"اب کہاں ہے؟"

"قفقاز کے محاذ پر مارا گیا تھا"

"تم اتنی تصویریں کیوں لے جا رہے ہو؟"

"یہ میرے رشتہ دار ہیں —— میں وطن سے باہر جا رہا ہوں"

"لیکن تم روس واپس تو آؤ گے؟"

میرے دل کی دھڑکن رک گئی —— لیکن اسے شبہ نہ ہوا۔ میں پاس ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں کومی لیس (Komiles) جہاز کے عرشے پر کھڑا تھا۔ یہ جہاز کینیڈا جا رہا تھا۔ اس پر امریکہ جانے والے کل بیس روسی تھے۔ عرشے پر کھڑے میں روسی سرزمین کو نظروں سے غائب ہوتے دیکھتا رہا۔ یہ میرے مظلوم ملک کی آخری جھلک تھی!

رات کو میں اپنے کمرے میں بیٹھا عجیب و غریب خیالات میں گم تھا۔ مجھے زندگی کی مختلف جھلکیاں یاد آ رہی تھیں۔ مجھے اپنے بچپن جوانی اور بعد کے تمام واقعات ایک ایک کر کے یاد آ رہے تھے۔ مجھے انقلاب خانہ جنگی قحط اجتماعی کاشت اور دوسرا قحط جو اجتماعی کاشت کا نتیجہ تھا۔ چھانٹی۔ بھوک۔ سردی اور نکوپول میں عذاب کی راتیں یاد آئیں۔ مجھے روس کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے نظر بندوں کے کیمپوں کا خیال آیا جن میں میرے ہزاروں دوست غلامی کے دن کاٹ رہے تھے۔

میری پیاری اور بہادر ماں کہاں ہو گی؟ میرا دلیر اور مجاہد باپ کہاں ہو گا؟ کیا وہ جبر مشقت سے چھوٹ جائیں گے؟ کیا میری وجہ سے ان پر عذاب ٹوٹے گا؟ اور لیدیا —— کیا اسے میرے اعمال کی سزا دی جائے گی؟ کیا وہ مجھے معاف کر دے گی؟ میرا بھائی یا بہن جو سیاست سے قطعی طور پر بے نیاز ہے میرے بارے میں کیا سوچے گا۔

روسی جہاز میں سفر کرتے ہوئے میں قانونی طور پر روسی حکومت کے ماتحت تھا۔ ایک ذرا سا لاسلکی پیغام اب بھی میری آزادی کا خاتمہ کر سکتا تھا! اس خیال سے میں بہت بے چین تھا۔ ہم جاپان کے ساحلوں سے گذرے دو جاپانی تباہ کن جہاز ہمارے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ اس سے اگلے دن ایک جاپانی ہوائی جہاز ہمارے سروں پر چکر لگاتا رہا۔

کئی دن کے بعد ہمیں زمین نظر آئی۔ یہ ایک جزیرہ تھا جس پر امریکہ کا قبضہ تھا۔ جزیرے کے قریب پہنچ کر میں نے ایک امریکی پرچم لہراتا ہوا دیکھا۔ امریکی حکومت کو دیکھنے کے لئے میرا جی اچھل رہا تھا۔

ایک موٹر بوٹ ہمارے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ امریکی بحری فوج کے دو افسر ہمارے جہاز پر آئے۔ تین ملاح کشتی میں بیٹھے رہے۔ ہم اُن عوام کے "دشمنوں" کو غور سے دیکھنے کے لئے جنگلے پر جُھک سے گئے جن سے بچنے کی ہمیں اتنی سخت ہدایات دی گئی تھیں!

ہمارے ساتھ ترجمان بھی تھے۔ ہم نے اُن سے باتیں شروع کر دیں — لیکن یہ بے خبر امریکی پیہم مسکرا رہے تھے، اُنہوں نے ہم سے کوئی سیاسی سوال نہیں کیا۔ وہ روسی لڑکیوں میں بڑی دلچسپی کا اظہار کر رہے تھے اور وہ بھی بڑے بے ڈھنگے پن سے۔ انہوں نے ہم سے روسی گانا سنانے کی فرمائش کی۔ ہم نے گراموفون لگا دیا!

جب موٹر بوٹ چلی گئی تو ہم نے امریکیوں کے بارے میں اپنے پہلے تاثرات کا تبادلہ کیا، ہر شخص ان کی نظروں کی سادگی اُن کی بے تکلفی اور دوستانہ گفتگو سے مسحور تھا — پھر ایک متعصب کمیونسٹ نے ان تاثرات پر پانی پھیر دیا۔

"کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم ان کی قصیدہ گوئی ذرا کم کریں؟ آخر یہ "نیک دل" اور "عمدہ" لڑکے سرمایہ دار دنیا کے فرزند اور حواری ہیں!"

اُس کے لفظوں نے ہمیں تلخ حقائق محسوس کرا دیئے۔ ہمارے چہرے یکایک اداس ہو گئے۔

اُنیسویں دن ہم نے کینیڈا کا ساحل دیکھا۔ کینیڈا کا ایک افسر جہاز پر آیا۔ وہ روسی زبان میں جو نامکمل اور شکستہ تھی ہم سے باتیں کرتا رہا — لیکن اُس کا تبسم نامکمل اور شکستہ نہیں تھا۔ تھوڑی دیر میں ہم دینکوور کی بندرگاہ پر اترے۔ ہمارے کاغذات کے معائنے اور سامان کی دیکھ بھال میں زیادہ سے زیادہ بیس منٹ لگے ہوں گے! کسی نے ہماری تلاشی نہ لی نہ سوٹ کیس ہی کھلوائے تھے اور سب سے بڑھ کے یہ کہ ہم سے کسی نے کوئی سیاسی سوال بھی نہ کیا! ہمیں جس "خطرے" سے آگاہ کیا گیا تھا۔ اس کے آثار یہاں قطعاً دکھائی نہیں دیتے تھے۔ ان سخت "ہدایات" کا یہاں کوئی جواز نہ تھا۔ جو ہمیں چلتے وقت دی گئی تھیں۔

ساحل پر قدم رکھنے سے پہلے میرے قدم رُک گئے — اٹھتیس سال کی عمر میں میں نے پہلی مرتبہ روسی غلامی سے رہائی پائی!! پہلی بار میرا قدم آزاد دنیا کی زمین پر پڑ رہا تھا! زندگی میں پہلی بار میں سٹالین اور خفیہ پولیس کے پنجے سے باہر ہو رہا تھا!

آزادی

وینکوور ——! میرا سر چکرا رہا تھا۔ میرے خیالات پریشان تھے ——— میں آزاد تھا!

یہ کس نے کہا تھا کہ صرف وہی لوگ آزادی کی قدر کر سکتے ہیں جو غلام رہ چکے ہیں؟ وینکوور کے بازاروں میں گھومتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ میں نے ایسے آزاد خوش باش اور بے فکر سے آدمی کہیں نہیں دیکھے۔

دکانوں کو دیکھ کے مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا تھا۔ کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں کی ایسی افراط میرے گمان میں بھی نہ تھی۔ میں ایک ایسے بچے کی طرح تھا جس نے پہلی مرتبہ سرکس دیکھا ہو ——— ایسے معلوم ہوتا تھا کہ یہ سوشلسٹ پیداوار کے خواب کی تعبیر ہے!

میرے ذہن میں خفگی کی ایک دھاری بھی تھی ——— آخر یہ لوگ بھی جنگ کر رہے ہیں۔ انہیں جنگ کی مصیبتوں اور پریشانیوں کا اتنا کم حصہ ملا ہے؟ یہ لوگ ہمارے اتحادی ہیں؟

ہم چاہیں تو تمام کیک تمام چوکولیٹ اور تمام روٹی خرید سکتے ہیں! اور قیمتیں اتنی کم ہیں! میرے ساتھ کچھ لڑکیاں بھی تھیں۔ ہم ایک دکان میں داخل ہوئے۔ جس میں کپڑے بکتے تھے۔ ایک شوکیس میں ایک خوبصورت فراک لٹک رہا تھا۔ روس میں ہوتا تو ہر لڑکی اُسے تین ہزار روبل تک میں خریدنے پر تیار ہو جاتی لیکن یہاں اس کی قیمت چھ وہ ڈالر تھی!

ہم جوتوں کی ایک دکان میں داخل ہوئے۔ سیلزمین بڑا مؤدب تھا۔ اور مسکرا مسکرا کے بات کرتا تھا۔

"حرامی جانتا ہے کہ ہم روسی ہیں خوشامد کر رہا ہے" ہمارے ایک کٹر کمیونسٹ ساتھی نے کہا۔ لیکن سیلزمین اپنے ہم وطنوں کے ساتھ بھی ویسی ہی مودبانہ گفتگو کرتا تھا۔

سیلزمین نے بہترین کپڑے پہن رکھے تھے۔ ہم سب اُسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

میں رہ نہ سکا۔ میں نے اُس سے پوچھا۔

"آپ اس دکان کے مالک ہیں؟"

"نہیں میں سیلز مین ہوں"

"آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ آپ کی ماہوار آمدنی کیا ہے؟"

"ہاں - لیکن یہ تو بکری پر منحصر ہے - عام طور پر ڈیڑھ سو ڈالر ہو جاتے ہیں!"

"حرامی! جھوٹا!" ہمارے کمیونسٹ ساتھی نے روسی میں آہستہ سے کہا۔

دکان کشادہ اور صاف ستھری تھی - اور سامان سے بھری پڑی تھی - جیسے ہی کوئی گاہک اندر داخل ہوتا سیلز مین خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کرتا اور اُس کی ضرورت کی چیز دکھاتا۔ ہمارے لئے یہ بات بھی بڑی حیرت کا باعث تھی کہ مال موجود ہے لیکن گاہک ٹوٹے نہیں پڑتے اور دکاندار گاہکوں کو مال بھی دیتا ہے اور پھر ان کا شکریہ بھی ادا کرتا ہے!

اس کے بعد ہم ایک ہوٹل میں گئے - اور جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی ہمارا پیچھا نہیں کر رہا تھا - ہمارے سامنے جس مقدار میں کھانے کی چیزیں رکھی گئیں ان سے ہمارا "کنٹرٹ" کا تصور مکمل ہو گیا - ایک بوڑھا آدمی سامنے کے میز پر بیٹھا سگار پی رہا تھا - ہمیں دیکھ کے اس کی آنکھوں میں چمک آگئی - وہ اپنی کرسی سے اٹھا اور ہمارے پاس آگیا

"آپ لوگ جرمنوں کی خوب خبر لے رہے ہیں! جنگ تو روسی جیت رہے ہیں - آپ کے اتحادیوں کو آپ کا بے حد ممنون ہونا چاہیئے" اُس نے مصافحہ کرتے ہوئے گرم جوشی سے کہا۔

"ہاں ہٹلر کی ڈکٹیٹر شپ کو ختم کرنا ضروری ہے" ہمارا کٹر کمیونسٹ بولا -

"آپ ٹھیک کہتے ہیں - میں روسیوں کی بے انتہا عزت کرتا ہوں --- لیکن میں کمیونزم کے خلاف ہوں - مسٹر سٹالین بھی تو آخر ڈکٹیٹر ہی ہیں"

ہمارے جسموں میں سردی کی ایک لہر سی دوڑ گئی - کٹر کمیونسٹ نے روسی میں آہستہ سے کہا "دیکھ لیا!"

کچھ دنوں کے بعد ہم گاڑی میں سوار ہو گئے - میں مسافروں کا جائزہ لینے کی غرض سے گاڑی میں گھومتا رہا - لوگ بہت خوش پوش اور بے فکرے تھے - میری روسی تربیت یافتہ آنکھوں کو اُن کی خوش پوشی اور بے فکری "فضول خرچی" معلوم ہوتی تھی -

اگلے دن ایک باوردی اور ایک بے وردی امریکی ہمارے ڈبے میں آئے - انہوں نے ہمارے پاسپورٹوں کا معائنہ کیا اور مسکرا کے واپس کر دیئے - بے وردی افسر کسٹم انسپکٹر تھا - ہم نے اپنے سوٹ کیس وغیرہ کھولنے شروع کر دیئے - لیکن اس نے سرسری نظر ڈال کے کہا "بس کوئی ضرورت نہیں"

ہم اس "ادھورے پن" اور "غفلت" پر حیران ہوئے - ہماری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ لوگ آخر کام کیسے کرتے ہیں - انفرادی آزادی بھی ایک چیز ہے لیکن کیا اس "غفلت" اور "کام چوری" سے گڑبڑ نہیں پھیلتی؟

ہمیں راستے میں بفیلو کے مقام پر ٹھہرنا پڑا۔ ہم نے خالی وقت میں شہر کی سیر کی سوچی یہاں کئی امریکیوں سے ہماری ملاقات ہوئی لیکن ہمیں یہ دیکھ کر بڑی حیرانی ہوئی کہ ہم پر کوئی شبے کی نگاہ نہیں ڈالتا! کوئی سیاسیات کے بارے میں کچھ نہیں پوچھتا!

واشنگٹن کا سفر میرے لئے بڑے جوش اور اضطراب کا باعث تھا۔ میرے لئے یہ ایک نئی دنیا تھی۔ راستے کے شہروں کی اونچی اور خوبصورت عمارتیں مجھے بڑی دلکش معلوم ہوتی تھیں۔ عورتیں اور مرد بہت جلد بے تکلف ہو جاتے تھے اور بچوں کی سی سادگی سے باتیں کرتے تھے۔ میں نے اب تک جو ناول پڑھے تھے اُن سے میرا خیال تھا کہ امریکہ میں انتہائی افلاس ہو گا لیکن ابھی تک میں نے اس کی کوئی علامت نہ دیکھی تھی۔ مجھے رفتہ رفتہ معلوم ہو گیا کہ امریکہ میں بھی بے انصافی اور غربت ہے لیکن ایک روسی باشندے کے لئے پہلی نظر میں مسحور ہو جانے کے سوا چارہ نہ تھا۔

۱۹ اگست ۱۹۴۳ء کو میں امریکہ کے دارالحکومت میں پہنچا۔ روسی افسر یونین سٹیشن پر ہمارے استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے۔ میرے لئے ایک امریکی خاندان کے ہاں ایک کمرہ ریزرو کرایا جا چکا تھا۔ گھر صاف ستھرا اور کشادہ تھا۔ میرے میزبان اپنے گھر میں ایک غیر ملکی "ایک شاندار روسی" کو ٹھہرا نے پر خوش تھے۔ انہوں نے نہ میرے کاغذات دیکھے اور نہ غالباً کسی کمیٹی میں میری رپورٹ درج کرانی پڑی۔ مجھ سے کچھ نہ پوچھا! اور غالباً انہیں کسی جگہ میری ورزانہ رپورٹ بھی درج کرانی پڑتی تھی۔ وہ مجھے ایک فوجی ماہر سمجھتے تھے اور میری ایسی عزت کرتے تھے جیسے روسیوں کی ہر فتح میری دانائی کا نتیجہ ہے۔

اگلے دن میں نے کام شروع کر دیا۔ ہمارے سفارت خانے کا اندرونی نظام قطعی طور پر روسی تھا۔ معمولی اسامیوں پر امریکی متعین تھے۔ لیکن اُن کی موجودگی کوئی حقیقت نہیں رکھتی تھی۔ کامریڈ سروف لانبے قد کا مضبوط آدمی تھا۔ اس کا رنگ سانولا تھا جس میں اس کے تیکھے نقوش بہت بھلے دکھائی دیتے تھے۔ وہ امریکی کپڑا پہنتا تھا۔

اُس نے مجھ سے بڑی سنجیدگی سے بات کی۔ میں نے اُسے اپنے کاغذات دکھائے جن میں درج تھا کہ میں پارٹی ممبر ہوں۔

"تمہارا نمبر؟"

"میرا نمبر ۲۴۸۶۰۷۵ تھا۔ کمیونسٹ کے لئے نمبر بھول جانا بہت سخت جرم ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ کمزور عقیدوں کا مالک ہے۔"

اس نے کچھ اور سوالات کئے جن کے بعد اُسے یقین ہو گیا کہ میں ہی کراوچنکو ہوں۔ پھر اُس کا رویہ بہتر ہو گیا۔ وہ مسکرانے لگا۔ ماسکو کی باتیں کیں اور سفر کے حالات پوچھے لیکن وہ مسلسل تیکھی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا جیسے میرا جائزہ لے رہا ہو۔

سروف عام طور پر گفت و شنید میں حصہ نہیں لیا کرتا تھا۔ امریکیوں سے بہت کم ملتا تھا۔ اُس کی حقیقت ایک کمسر سے زیادہ نہیں تھی۔ لیکن درحقیقت وہ امریکہ میں روس کا سب سے بڑا افسر تھا۔ اس کا ہر لفظ روسیوں کے لئے قانون کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ پارٹی کا نمائندہ تھا اور ہر قسم اور ہر عہدے کے روسی براہ راست اُس کے ماتحت تھے۔ اُس کے سامنے ہمارے سفیر کی کوئی حقیقت نہ تھی مختصر یہ کہ وہ امریکہ میں روسیوں کا سٹالین تھا۔

اس نے مجھے پھر سے احتیاط کا سبق پڑھانا شروع کیا۔ امریکہ کے "خطروں" سے آگاہ کیا میرے فرائض سمجھائے ــــ لیکن آپ شاید اکتا جائیں گے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

میرا افسر الگزنڈر راسترچوک (Rastarchuk) تھا۔ میرے علاوہ اس کے نو اور اسسٹنٹ تھے۔ میرا کام یہ تھا کہ جو فوجی سامان ادھار پٹے کے سلسلے میں امریکہ سے روس جاتا ہے اس کا معائنہ کروں اور دیکھوں کہ وہ ناقص تو نہیں ہے پورا تو ہے۔

ہمارے مشن کی حالت ایک ایسے پودے کی سی تھی جسے دریائے ماسکو کے ساحل سے اکھاڑ کے واشنگٹن میں لگا دیا گیا ہو۔ واشنگٹن میں سینکڑوں روسی مرد عورت روس کی بڑی کڑی نگرانی میں زندگی گذارتے تھے۔ ہم دن بھر کھلم کھلا پھرتے اور آزاد آدمیوں کی طرح کام کرتے تھے لیکن ہمارے دلوں پر روس کے پولیس راج کا خوف ہر وقت چھایا رہتا تھا۔ امریکہ میں بھی ہمیں آزادیٔ تحریر و تقریر حاصل نہیں تھی!

ہمارے ملاقاتی ہمارے اخبارات سب مقرر ہوتے تھے۔ یہاں بھی روسی جاسوس ہمارے پیچھے لگے تھے۔ یہاں پارٹی کمیٹی تھی۔ شعبۂ جاسوسی تھا اور خفیہ پولیس تھی ——— سارے کا سارا نظام قطعی طور پر روسی تھا۔

عام طور پر کانفرنسوں کی صدارت پہلے جنرل بیلیف اور بعد میں جنرل ارونگو کرتے تھے۔ لیکن پارٹی کے جلسوں میں جہاں پالیسی کے اہم امور زیر غور آتے تھے کامریڈ سروف صدر ہوتا۔ ایسے موقعوں پر دروازوں پر تالے ڈال دئے جاتے تھے۔

یہی دو عملی دوسرے شعبوں میں بھی تھی۔ ہماری عام کانفرنسوں کی صدارت تو کامریڈ راسترچوک کے سپرد ہوتی لیکن اہم معاملات پر ماتحت کمیٹی کے سیکرٹری مارکوف کی صدارت میں غور ہوتا۔

میری بنیادی تنخواہ تقریباً تین سو ڈالر ماہوار تھی لیکن الاؤنس وغیرہ مل کے یہ رقم کئی گنا بڑھ جاتی تھی۔ مجھے تجارتی امور کے لئے امریکیوں سے ملاقات کرنے کی اجازت مل جاتی تھی لیکن اس کے علاوہ میں کسی ہوٹل میں بھی مشکل سے جا سکتا تھا۔

جن لوگوں کے درمیان میں اب رہتا تھا ان کی عادتیں بہت جاذب تھیں۔ روسیوں سے ان کی کوئی بات نہ ملتی تھی ——— لیکن میں ان میں گھل مل نہیں سکتا تھا۔ جس امریکی سے میری اتفاقیہ ملاقات بھی ہو جاتی مجھے اس کا نام لکھنا پڑتا۔ اور یہ بتانا پڑتا کہ وہ سیاسی طور پر کیسا آدمی ہے ——— اور یہ افسروں کی مرضی پر تھا کہ میں اس سے تعلقات رکھوں یا نہ رکھوں۔

واشنگٹن میں مجھے بہت سے لوگ جاننے لگے تھے۔ میں ان کے اخلاق ان کے جذبۂ تعاون اور ان کی بے تکلفی سے گھبرایا رہتا تھا۔ سرخ فوج کی فتوحات امریکہ میں روسیوں کے لئے بڑی خطرناک تھیں۔ ہر امریکی ان کی وجہ سے بے حد خوش تھا اور وہ اس خوشی کے اظہار کیلئے روسیوں سے ملنے اور انہیں گھر لیجانے پر مصر نظر آتا تھا ——— اور ان کی ان نیک دلانہ درخواستوں کو ہر مرتبہ ٹھکرا دینا ناممکن تھا۔

ہمارے دفتر میں ایک ادھیڑ عمر کی عورت کام کرتی تھی - وہ مجھے اپنے گھر لے جانے پر بڑا اصرار کرتی تھی - اسے معلوم تھا کہ میرے بال بچے یہاں نہیں ہیں - اس کے انداز میں مادرانہ شفقت تھی - میں ادھر اُدھر کے بہانے کر کے اُسے ٹال دیا کرتا تھا - ایک دفعہ اتفاق سے میں اس کے گھر کے سامنے سے گذر رہا تھا کہ اس نے مجھے دیکھ لیا - اب میرے لئے اس کا دل توڑنا ناممکن ہوگیا - اندر جا کے اس نے مجھے کافی پلائی - اتنے میں اس کے چند دوست آگئے اور اِدھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں - گھنٹہ بھر بیٹھ کے میں وہاں سے چلا آیا -

اس کے بعد ہفتوں میرا دل دھڑکتا رہا - جب بھی مجھے پارٹی سیکرٹری طلب کرتا - میں گھبرا جاتا - اگر کسی نے رپورٹ کر دی ہو تو کیا ہوگا؟ اگر اس نیکدل عورت نے خود ہی کہہ دیا ہو تو ــــــ؟

کام کے سلسلے میں ہمیں عورتوں سے نہ صرف ملنے کی اجازت تھی بلکہ ان سے معاشقہ کرنے کا حکم تھا - ایک دفعہ مجھے کمشن کے اعلیٰ افسر نے طلب کیا - اسے بعض اعداد کی ضرورت تھی جو امریکہ کے محکمۂ جنگ کی ایک لڑکی کو معلوم تھے -

"تم اس لڑکی سے ملاقات کرو کر اؤ جنگو - اسے گھماؤ پھراؤ تھیٹر دکھاؤ اور شراب پلاؤ . . . . باقی کام آسان ہے"

میرے انکار پر اسے بڑی حیرت ہوئی اور غصہ بھی آیا - میں نے بہانہ بنا دیا کہ مجھے انگریزی نہیں آتی - اور مجھے عورتوں سے ملنے میں جھجک بھی محسوس ہوتی ہے ــــ وہ سخت بددل ہوا - اس نے مجبور ہو کر مجھے چھٹی دے دی -

ایک دفعہ مجھے واشنگٹن سے باہر جانا پڑا - میں گاڑی میں بیٹھا تھا کہ ہمارے کمشن کا ایک اور ممبر بھی آن پہنچا - میرے ہاتھ میں ایوننگ پوسٹ کا ایک پرچہ تھا - ہم نے تصویریں دیکھیں اشتہارات کی باتیں کیں - پھر میں نے اسے ایک مضمون دکھایا جس سے مجھے بڑی دلچسپی تھی - میں نے کہا -

"یہ امریکی روزولٹ تک کو بھی نہیں بخشتے - جو جی میں آئے کہہ دیتے ہیں!"

یہ سرسری بات تھی - میں نے بے سوچے سمجھے کہہ دی تھی - اور کہنے کے بعد اسے فوراً بھول گیا - جب میں واپس پہنچا تو پارٹی سیکرٹری نے مجھے بلا بھیجا -

"کہو سفر کیسا رہا؟" اس نے پوچھا -

"بہت عمدہ"

"کامریڈ ب ــــ سے تمہاری ملاقات ہوئی تھی؟"

"جی ہاں ہوئی تھی"

"تم نے اس سے کیا کہا تھا؟"

"وہ کوئی خاص بات تو نہیں ہوئی تھی"

"کامریڈ کراوچینکو۔ تم صاف بات نہیں کہہ رہے۔ کہو تو میں یاد دلا دیتا ہوں۔ تم نے روس کے اخبارات پر اعتراض کیا تھا اور اس بات پر سخت اعتراض کیا تھا کہ ہم سٹالین پر نکتہ چینی نہیں کرتے ہیں"

"غلط ہے میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی —— کامریڈ ب —— کو بلائیے"

اسی طرح کا ایک اور واقعہ سنئے۔

میں اتفاق سے بیمار ہو گیا۔ ہمارے امریکی ملازموں نے مجھے چٹھیاں لکھیں اور ان میں سے کچھ عیادت کو بھی آئے۔ میں ان کے جذبۂ انسانیت کا ممنون تھا۔ لیکن چونکہ انگریزی بہت کم جانتا تھا اس لئے جب تندرست ہوا تو ان کے خطوط ساتھ اٹھا لایا اور ان سے درخواست کی کہ وہ پڑھ کے سنائیں۔

کامریڈ مارکوف کو اسکی خبر ہو گئی اس نے مجھے بلا بھیجا۔ اس نے مجھ پر جرح شروع کر دی۔ تاکہ امریکیوں سے میرے تعلقات کی نوعیت اس کی سمجھ میں آ جائے —— لیکن میرا کوئی جرم ثابت نہ ہو سکا چنانچہ اس نے مجھے "احتیاط" اور "خطرے" پر ایک اور لیکچر دے دیا۔

ہمارے سفارت خانے میں ایک لائبریری بھی تھی۔ ہمیں امریکیوں سے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ اس لئے زیادہ تر روسی کتابیں پڑھنے پر ہی اکتفا کیا کرتے تھے۔ لیکن لائبریری بھی جاسوسوں کا اڈہ تھی۔ ہم جن کتابوں کو دیکھتے تھے۔ ان سے اندازہ لگایا جاتا تھا کہ ہم میں کوئی تبدیلی تو نہیں ہوئی۔ لائبریری میں دو قسم کی کتابیں تھیں۔ یا تو عام دلچسپی کا ہلکا لٹریچر یا ٹھوس کمیونسٹ لٹریچر۔ اگر ہم میں سے کوئی ہلکے پھلکے ادب سے دلچسپی ظاہر کرتا تو یہ اندازہ قائم کیا جاتا کہ وہ بورژوائی سہل انگاری سے متاثر ہو رہا ہے چنانچہ ہم پانچ چھ "ٹھوس" کتابیں نکلوا لیتے اور ایک آدھ ہلکی پھلکی کتاب لے لیتے اور آخر اسی کو پڑھتے "ٹھوس" کتابیں بے پڑھے واپس کر دیتے۔

ہماری ڈاک کی بڑی سخت نگرانی ہوتی تھی۔ ہمیں گھروں پر خط منگوانے کی اجازت نہ تھی۔ روس سے ہمیں جتنی چٹھیاں آتیں انہیں روسی سنسر کے باوجود پھر سے پڑھا جاتا تھا۔

غیر ملکوں میں روسی دفتروں نے جاسوسی کے ایسے جال پھیلا رکھے ہیں کہ ان کی وسعت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ ہم میں سے ہر ایک کا فرض تھا —— یا یوں سمجھئے کہ وہ اپنی سلامتی کے لئے فرض سمجھتا تھا —— کہ وہ اپنے ساتھیوں کی حرکات وسکنات اور ان کی گفتگوؤں کی رپورٹ پہنچاتا رہے۔ اور اس اعتبار سے روسیوں کے لئے ماسکو اور واشنگٹن ولاڈی واسٹک یا شکاگو ایک ہی بات تھی۔ اس کے لئے جاسوسوں کے خاص شعبے تھے۔ اس شعبے کے جاسوس زیادہ مستعدی سے کام کرتے تھے۔ انہیں روسی افسروں کی نگرانی کے لئے معمولی عہدوں پر ملازم رکھوا دیا جاتا تھا۔ حد یہ ہے کہ کمشن کا صدر اور کامریڈ سروف بھی جاسوسوں سے خائف رہتے تھے۔ اس کا اندازہ مجھے یوں ہوا کہ بعض آدمی جو

روس میں خفیہ پولیس کے بہت بڑے افسر تھے یہاں بہت معمولی عہدوں پر کام کر رہے تھے۔

امریکہ کے طول و عرض میں جہاں جہاں بھی میں گیا "بہادر روسیوں" کی تعریف کی جاتی تھی اور ایسے ایسے مبالغہ آمیز کلمات استعمال کئے جاتے تھے کہ میں شرما جاتا تھا۔ لیکن یہ تعریف تھی بہت حوصلہ افزا۔ میرے ہم وطنوں کی قربانیاں رائیگاں نہیں جا رہی تھیں۔ اس تعریف سے مجھے بھی بہت ہوتا تھا۔ امریکی عام طور پر یہ سمجھتے تھے کہ ہماری ابتدائی شکستیں اور کمزوریاں ہماری جنگی چالیں تھیں۔ ہم جرمنوں کو جال میں پھنسا رہے تھے۔ ہٹلر کا حملہ اس بات کی دلیل تھا کہ روس زندہ طاقتور ہے لیکن سٹالین کے جوابی حملوں سے "بالشویزم" کے کمال کا اندازہ لگایا جاتا تھا۔

میں تمام امریکیوں سے زیادہ جانتا تھا کہ روسی عوام نے بے مثال قربانیاں دی ہیں۔ اور یہ ان قربانیوں کا نتیجہ تھا کہ ہم نے نازیوں کے دانت کھٹے کئے تھے ——— مگر اب ان قربانیوں کی حاصل کی فتح مندی کا سہرا سٹالین اور بالشویزم کے سر باندھا جا رہا تھا۔ روسی عوام اور روسی حکومت کو ایک سمجھا جا رہا تھا!

میں اس بات پر سخت حیران ہوا کرتا تھا کہ امریکیوں کو آخر ہمارے ملک کے بارے میں ایسی غلط فہمیاں کیوں ہیں۔

وہاں کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے روس کی حمایت میں پروپیگنڈا کر کے اپنے لئے جگہ پیدا کر لی تھی۔ مجھے ڈیورانٹی ایناؤئیس سٹرونگ ایلاونٹرا ایلبرٹ ولیمز اور کچھ ہندو یاد ہیں۔ ان کی کتابیں پڑھتے تو ماسکو کی کتابیں کو شرماتی تھیں۔ ایک وسیع تر گروپ ان کے علاوہ تھا۔ یہ کمیونسٹ پارٹی کے ممبر تھے جن کے نزدیک روس کیلئے جھوٹ بولنا طبقاتی جنگ کو جیتنے کا ایک آسان طریقہ تھا ——— لیکن تعجب ہے کہ امریکی اس پروپیگنڈے کو درست کیسے سمجھ لیتے تھے۔

ایک اور بات میرے لئے سخت حیرتناک تھی اور وہ "ماہرین روس" کی جہالت تھی۔ انہیں روس کے اندرونی حالات اور نظم و نسق کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔

ایک دفعہ میں ایک امریکی یونیورسٹی لائبریری میں گیا۔ میں نے کتابوں کی فہرست دیکھی۔ بوسیدہ ترین کارڈ وہ تھے جن پر لینن اور سٹالین کی کتابوں کے نام درج تھے۔ ظاہر ہے کہ لوگ انہیں سنجیدگی سے پڑھتے تھے اور اس امید میں پڑھتے تھے کہ یہ بہتر اور خوشحال تر زندگی کی قبلہ نما ثابت ہونگی ...... مجھے یہ جان کے حیرت نہ ہوئی کہ اس یونیورسٹی کے امریکی چینی اور ہندو طلبا اپنے ملکوں میں اشتراکی نظامِ حیات قائم کرنیکی سوچ رہے ہیں۔

بعض امریکی اپنے آپ کو دھوکا دے رہے تھے۔ وہ اپنے ماحول سے مطمئن نہیں تھے اور کوئی تسلی چاہتے تھے ——— جیسے ایک بیمار بچہ چمکدار کھلونے کا طلبگار ہو۔ اس خود فریبی کا سب سے زیادہ اظہار "نیشن" "دی نیو ری پبلک" "پی ایم" قسم کے رسائل میں بہت زیادہ ہوتا تھا۔ کاش کہ ان لوگوں کا ذہن صاف ہوتا۔ کاش وہ یہ سوچ سکتے کہ امریکہ کی بے انصافی کی وجہ سے کسی اور ملک کی بے انصافی جائز نہیں ہو سکتی!

آزادی کے بعد

اخبارات میں میرے فرار کے بارے میں یہ کہا گیا کہ امریکی جمہوریت کی لذت سے آشنا ہو کے میں اشتراکیت سے بد دل ہو گیا ہوں۔ امریکی آزادی کے براہ راست تجربے نے مجھے سوویٹ پرچیز کمشن سے مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔

اس طرح کہانی زیادہ ڈرامائی بنتی تھی۔ اور امریکہ کی بھی تعریف ہوتی تھی۔ لیکن یہ بات غلط تھی حقیقت یہ تھی کہ امریکہ آنے سے بہت پہلے میں نے روس کو تیاگ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ امریکہ کی بجائے مجھے چین یا انگلستان بھیجا جاتا تو بھی میں یہی کرتا۔

میں نے سوچ سمجھ کے ارادی طور پر یہ فیصلہ کیا تھا۔ اگرچہ میں یہ ٹھیک سے نہیں کہہ سکتا کہ میں نے یہ فیصلہ کب کیا۔ یہ ان جذبات کا قدرتی نتیجہ تھا۔ جو میرے تجربات کی وجہ سے میرے دل میں پیدا ہوئے۔ میں اپنے عوام کی جدوجہد آزادی اور اپنی ماں کی خدا پرستی سے متاثر تھا۔ ——— اور یہ تاثرات ہمیشہ مجھ میں باقی رہے۔ میں اس قوم کی روح سے بھی متاثر تھا جس نے زار شاہی کے تاریک ترین دور میں بھی جانباز باغی پیدا کئے۔ اگر روس کی سرحدوں کے اندر رہ کے میرے لئے آزادی کی جدوجہد ممکن ہوتی تو میں وہیں رہتا۔ . . . . اگر سوویٹ حکومت کے انسانیت کے بلند عزائم کی طرف لوٹنے کی ذرا سی بھی امید ہوتی تو میں کبھی نہ بھاگتا لیکن سوویٹ حکومت لحہ بہ لحہ انسانیت سے دور ہوتی جا رہی تھی۔

روس کے بچنے کی امیدیں بہت موہوم تھیں۔ ہماری اقتصادی اور شہری آزادیاں ہم سے دور تر ہوتی جا رہی تھیں۔ ان کی یاد بھی مٹتی جا رہی تھی۔ آمرانہ طاقتیں بے انتہا قوت پکڑ رہی

تھیں ـــــ جنگ کے دوران میں ایک وقت آیا تھا جب ہم کو یہ خیال تھا کہ اٹلانٹک چارٹر کے اصول اور ابتدائی حقوق کے قوانین ہمارے ملک میں بھی نافذ کئے جائیں گے ـــــ لیکن ہمیں معلوم ہوا کہ یہ معاہدے محض ردّی کاغذات ہیں۔

میں امریکہ پہنچ کے بھی سات مہینے خاموش کیوں رہا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس خوفناک چھلانگ کے لیئے مجھے نفسیاتی طور پر تیار ہونا تھا۔ مجھے حالات کا تفصیلی جائزہ نہیں تھا۔

رُوسی حکومت میں پلے ہُوئے رُوسی نے دنیا پہلی مرتبہ دیکھی تھی۔ میرے لیئے زندگی کے معمولی مسائل بھی بہت دقیق تھے۔ مجھے نئی دُنیا کا عادی ہونا تھا۔ اپنے دل کے غلاف اتارنے تھے ـــــ اور اس کے لیئے وقت کی ضرورت تھی۔

مَیں امریکہ میں اجنبی تھا۔ بے یار و مددگار۔ زبان سے ناآشنا۔ اقتصادی ذرائع سے محروم۔ اگر رُوسی حکومت کی طرح امریکہ میں میرے بھی دوست ہوتے تو یہ معاملہ بالکل آسان ہوتا۔ مجھے امید ہے کہ میں اپنی قابلیت سے روزی کمانے کے قابل ہو سکوں گا۔ لیکن اس وقت تو میرے پاس کچھ نہیں تھا ـــــ کچھ لوگوں کو جاننے زبان سیکھنے اور جمہوریت اور آزادی کا عادی ہونے کے لیئے سات ماہ کا عرصہ معمولی عرصہ تھا۔

مارچ ۱۹۴۴ سے کم از کم ایک ماہ قبل مجھے معلوم تھا کہ میں یہ اپنا خوفناک ارادہ پُورا کرنے والا ہوں۔ یہ ایک مہینہ میں نے زیادہ تر سفر میں گزارا۔ دو دفعہ لنکاسٹر گیا۔ اور ایک دفعہ شکاگو۔ میرا سب سے بڑا مقصد کمشن اور روس میں اپنے دوستوں کو بچانا تھا۔ میں نے ان میں سے کسی کو اپنا رازدار نہیں بنایا تھا۔ میرا دوسرا مقصد یہ تھا۔ کہ کمشن مجھ پر اندھا دھند الزامات نہ لگا سکے۔ مَیں نے کام بڑی توجہ سے کیا تھا۔ اس میں کوئی غلطی نہ ہونے دی تھی۔ فرار ہونے سے پہلے مَیں نے اپنا تمام کام مکمل کیا۔ تاکہ میرے جانشین کو اسے سنبھال لینے میں کوئی دقت نہ ہو۔ مَیں نے تنخواہ پوری لے لی تھی لیکن میرے الاؤنس کے ۳۰ ڈالر ابھی حکومت کے ذمہ باقی تھے

مَیں نے کتاب کے شروع میں اپنے فرار کے حالات بتا دئیے ہیں۔ مَیں بے وطن تھا۔ مَیں نے امریکی کمیونسٹوں کو اپنا دشمن بنا لیا تھا۔ مَیں نے اپنے آپ کو دُنیا کی مضبوط ترین حکومت کے خونی انتقام کا نشانہ بنا لیا تھا۔ میرا مستقبل تاریک تھا۔ میں نے غلامی کی آرام دہ زندگی پہ خطرے کی آزادی کو ترجیح دی تھی!

مجھے ۳ اپریل کو ترقی ملنے والی تھی اور اگر میں کام کرتا رہتا تو سٹالین کے فرزندانِ خاص میں شمار ہو کے واپس لوٹتا اور بڑے سے بڑے اعزاز کا مستحق ہوتا ـــــ لیکن ان اعزازات اور بلندیوں کے باوجود میں حکومت کا غلام رہتا۔ عوام کو بچا نہ سکتا اور ظالموں کا ساتھی کہلاتا۔

———— میں نے جان بوجھ کے روس سے بھاگنے کا ارادہ کیا۔ میں نے ہزارہا اقتصادی اور جسمانی تکلیفوں کو پسند کیا۔ اپنی جان خطرے میں ڈالی ———— اب سے وکٹر کراوچنکو بیوطن اور تنہا تھا۔ اب وہ اطالوی چینی انگریز امریکی کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ مگر رُوسی نہیں ہو سکتا تھا۔

من ہٹن کے ایک ہوٹل کے تنگ و تاریک کمرے میں میں نے اپنا بیان مرتب کیا۔ جس کے کچھ حصّے ۴؍اپریل ۱۹۴۴ کے نیویارک ٹائمز اور دوسرے اخبارات میں شائع ہُوئے۔ اب جنگ ختم ہو چکی ہے۔ اب بھی جب میں یہ بیان پڑھتا ہُوں تو مجھے اس میں تبدیلیاں کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

میں نے کہا تھا کہ سوویٹ حکومت امریکہ اور انگلستان کا اتحادی ہونے کے باوجود ایسے اقدام کر رہی ہے جو اس اتحاد کے منافی ہیں۔ کمیونسٹ انٹرنیشنل کو توڑ دینے کے باوجود سوویٹ حکومت دنیا بھر کی کمیونسٹ پارٹیوں کو ہدایات بھیج رہی ہے۔ پولینڈ، بلقان، چیکوسلوواکیہ اور ہنگری کے حوالے دے کے میں نے لکھا تھا کہ سوویٹ حکومت کے اغراض محض ذاتی ہیں۔ جنگ کے شروع میں رُوسی عوام کو جن تہذیبی اور سیاسی آزادیوں کے خواب دکھائے گئے تھے۔ وہ ہنوز خواب ہیں۔

"دنیا کے دوسرے عوام سے کہیں زیادہ خود رُوسی عوام کو ابتدائی حقوق کی ضرورت ہے حکومت روس نے اپنے عوام کی ابتدائی آزادیاں سلب کر لی ہیں۔ روسی عوام نے اپنے ملک کی آزادی کو بچانے اور جنگ جیتنے کے لئے بے مثال قربانیاں دی ہیں۔ ان قربانیوں کا انہیں کچھ صلہ ملنا چاہیئے۔"

لیکن ابھی تک روسیوں کی زندگی میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ رُوسی آمریت پہلے سے بھی زیادہ قوی اور سنگدل ہو گئی ہے۔ میرے خیال میں کسی جمہوری ملک کے باشندے صحیح طور سے آمریت کے معنی نہیں سمجھ سکتے۔ نازی جنگی قیدیوں کے مقدمے سُن کے شاید کچھ اندازہ ہو سکتا ہو۔ میں نے رُوداد پڑھ کے سوچا تھا ———— یہ سوویٹ حکومت کی تصویر ہے نازیوں پہ جو الزامات لگائے گئے تھے۔ اُن میں کہا گیا تھا ———— "نازیوں نے باقی تمام پارٹیوں کو غیر قانونی قرار دے کے کچل دیا .... پارلیمنٹ کو اپنے نامزدگان کی مجلس بنا دیا .... عام انتخابات کی آزادیاں چھین لیں اور دہشت پسندی پہ اُتر آئے ...."

یہی الزامات سوویٹ حکومت پہ بھی صادق آتے تھے۔

جن اندیشوں سے میں نے اپنی نئی زندگی شروع کی تھی وہ سچ ثابت ہُوئے۔ جب میرے

فرار کی خبر چھپی تو سوویٹ کمشن نے پہلے تو یہ ظاہر کیا کہ اُسے معلوم ہی نہیں۔ غالباً وہ ماسکو کے احکام کا انتظار کر رہا تھا۔ پھر اس نے میرے وجود کا اقرار کر لیا اور میرے خلاف ایک بیان دیا۔

اس میں سب سے زیادہ معنی خیز بات یہ تھی کہ میں اب بھی سُرخ فوج کا کپتان ہُوں۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ مجھے سیاسی پناہ گزین کی بجائے فوجی بھگوڑا ثابت کیا جائے۔ اور مجھے واپس لینے کے لئے ایک قانونی جواز نکالا جائے۔ تاکہ سٹالین کا جلاد دستہ مجھ پر نشانوں کی مشق کر سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ دو سال قبل میں فوج سے مستعفی ہو چکا تھا۔ اور اب ایک غیر فوجی افسر تھا۔

کمیونسٹ اخبارات نے میرے خلاف آستینیں چڑھا لیں اور مجھے گالیاں دینے پر اُتر آئے "ڈیلی ورکر" کے ۵ اپریل کے پرچے میں کسی سٹارو بن کے نام سے میرے متعلق ایک مضمون چھپا جس کا عنوان تھا ——

ایک معمولی بھگوڑے کا قصہ

ہٹلر کے حواری میدان میں نکل آئے

یہ مضمون پارٹی کے مقرر کردہ اسلوب میں لکھا تھا۔ اس کے بین السطور کے معنی ہر آدمی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ لیکن میں تجربہ کار اور تربیت یافتہ تھا۔ اس لئے میری سمجھ میں فوراً آ گئے۔

یہ دھمکی تھی۔ کامریڈ سٹارو بن کے الفاظ تھے " یہ ایک آدمی کی دغابازی ہے جو اپنے آپ کو روسی کمشن کا عہدیدار کہتا پھرتا ہے۔ ٹراٹسکی سے لے کے اس کراوچنکو جیسے معمولی آدمیوں تک ہر ایک کچھ عرصے کے لئے بہت سے آدمیوں کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ لیکن —— (یہاں سے دھمکی شروع ہوتی ہے) —— لیکن ترقی پسند انسانیت کا ہاتھ انہیں پکڑ کے مٹا دیتا ہے۔"

ان الفاظ کو پڑھتے ہوئے مجھے یاد آیا کہ ٹراٹسکی کے معاملے میں ترقی پسند انسانیت کے ہاتھ میں کلہاڑا تھا۔ جس سے اس نے میکسیکو میں ٹراٹسکی کا بھیجا نکال دیا!

سٹارو بن نے آگے چل کے لکھا ہے

"کراوچنکو کو اب تک ڈھیل دی جاتی رہی —— ہمارا ملک ہمارے اتحادیوں کے دشمنوں کی آماجگاہ نہیں .... وہ انتہائی بدقسمتی کا دن ہوگا۔ جب ہمارا وطن ایسے بزدلوں اور بھگوڑوں کی پناہ گاہ بن جائیگا۔ جو اپنے عوام کے سامنے آنے کی جرأت نہیں کر سکتے اور نیویارک ٹائمز

کے سامنے بیٹھ کے ٹسوے بہاتے ہیں۔"

ڈیلی ورکر نے عوام کے ذہن میں یہ بات ڈالنے کی کوشش کی کہ جس میں "جرأت" ہو وہ سوویٹ یونین میں کھلم کھلا بات کر سکتا ہے! اور یہ ظاہر کرکے کہ میں روس کی پولیس کی نظروں سے بچتا رہا ہوں۔ اس نے آخر میں دھمکی دی تھی کہ کراوچنکو کو مٹا دیا جائیگا ــــــ اور یہ کام کامریڈ سٹالن کے روحانی قبلہ گاہ کی خفیہ پولیس نہیں بلکہ "ترقی پسند انسانیت" کرے گی۔

مجھے اس دھمکی کا مطلب سمجھنے میں کوئی دِقّت نہ ہوئی۔ اگر میں خاموش نہیں رہتا تو "بچہ ہوشیار" حرکت میں آجائے گا ــــــ اور کلہاڑیوں کی کوئی کمی نہیں ــــــ عام لوگ تو اسے محض مجذوب کی بڑ سمجھ سکتے تھے لیکن مجھے تو اپنے ملک کی حکومت کے رضا کار ایجنٹوں کا پتہ تھا۔

میری کوششوں کے باوجود نیویارک کے روسی سفارت خانے کے جاسوسوں نے مجھے ڈھونڈ نکالا وہ میرے ہوٹل کے ارد گرد گھومتے ہوئے اکثر دکھائی دیتے رہتے تھے۔ میں نے کئی ہوٹل تبدیل کئے ــــــ میں نے اپنے آپ کو کئی بار یقین دلایا کہ میں ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ہوں ــــــ لیکن تھوڑی ہی دیر میں وہی آدمی میری نئی قیام گاہ کے گرد منڈلانے لگتے۔ کئی دفعہ مجھے راستہ کاٹنا پڑا۔ کئی دفعہ مجھے اچانک ٹیکسی لینی پڑی!

ان لوگوں سے بچنے کے لئے میں ایک مغربی شہر میں چلا گیا۔ جہاں میرے کچھ دوست تھے۔ یہ لوگ امریکی تھے جنہوں نے کاسموپالیٹن" میں میرا ایک مضمون پڑھ کے مجھ سے ملاقات کی تھی۔

میں نے کسی کو اپنے سفر کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ گاڑی پر سوار ہوتے ہوئے میرا خیال تھا کہ مجھے کسی نے نہیں دیکھا ــــــ لیکن میں غلطی پر تھا۔ میرے دوست مجھے رخصت کرنے کے لئے اسٹیشن پر آئے ہوئے تھے۔ وہ بہت پریشان تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ تین آدمی پچھلے پندرہ منٹ سے ہمارا تعاقب کر رہے ہیں۔

اس بات میں کوئی شبہ نہ تھا کہ وہ دراصل میری تلاش میں تھے۔ ایک کا ہاتھ مسلسل جیب میں تھا۔ اس نے یہ ہاتھ جیب سے کبھی نہ نکالا۔ اس کی نظریں مسلسل مجھ پر جمی رہیں۔

جب ہم کار میں بیٹھے تو ان تینوں نے ایک ٹیکسی لے کے ہمارا پیچھا کیا۔ ہم شہر میں گھومتے رہے لیکن جب دیکھو وہ بھی ہمارے تعاقب میں ہیں ــــــ آخر ہم ایک تھانے کے سامنے رک گئے۔ ــــــ ان کی ٹیکسی ہمارے سامنے سے گزر گئی۔ ہم نے اس کا نمبر نوٹ کر لیا ــــــ بعد کی تحقیقات سے ہمیں پتہ چلا کہ یہ نمبر جعلی تھا۔

کئی دن یہ کار ہمارے مکان کے گرد گھومتی رہی ــــــ مجھے نیویارک جیسے دُور دراز شہر سے ٹیلیفون آتے تھے۔ جن میں کہا جاتا تھا کہ تمہاری زندگی خطرے میں ہے۔ تمہیں کہیں چھپ جانا چاہئے

اس "خیر خواہی" کا مطلب یہ تھا کہ میرے میزبان گھبرا جائیں۔ اور مجھے گھر سے نکال دیں۔ مجھے ایسے محسوس ہوتا تھا۔ جیسے میں پھر رُوس میں پہنچ گیا ہوں۔ جہاں مجھے آسانی سے "مٹا دیا" جائیگا ——— میں اکثر سوچتا "کیا میں جان کے خطرے سے بے نیاز ہو کے پھر کام کر سکوں گا؟"

میرے دوستوں نے اس دباؤ کا بڑی جرأت سے مقابلہ کیا۔ اور میں ان کا ہمیشہ ممنون رہوں گا میرا میزبان ہر رات اپنے تکیے کے پاس ایک تیز کلہاڑا رکھتا ——— اس کے گھر میں یہی ایک ہتھیار تھا ——— امریکیوں نے میری جان کی حفاظت کی تاکہ میں اپنی کتاب مکمل کر لوں۔

اب کتاب مکمل ہو چکی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ قاتل جو "ترقی پسند انسانیت" کے خدام میں شمار ہوتے ہیں۔ مجھے "مٹانے" میں کامیاب ہو سکیں۔ ممکن ہے وہ ڈھیل کا وقفہ پُورا ہو جائے۔ لیکن وہ روسی عوام کے دکھوں کی اس طویل یاد داشت کو نہیں مٹا سکیں گے۔ مجھے اُمید ہے۔ ایک دن آئے گا جب میرے پیارے روسی عوام آزادی کا سانس لے سکیں گے۔

جب وہ دن آئیگا۔ تو ہم ایک دنیا کے نظریئے کے قریب ہونگے۔ جب تک دنیا کا چھٹا حصہ جو کمزور قوموں کی ہمدردیوں کے باعث چھٹے حصے سے بہت زیادہ ہے۔ غلامی کی زندگی بسر کرتا ہے دنیا میں امن کا قیام ممکن نہیں۔

قیام امن کا اگلا قدم قوموں کی تنظیم نہیں۔ ظالم آقاؤں سے روسی عوام کی نجات ہے اگر کسی معجزے سے روس میں جمہوری نظام قائم ہو جائے تو دنیا کے مختلف ملکوں میں جو کشیدگی ہے وہ اپنے آپ ختم ہو جائے گی۔ اور دنیا بھر کے ممالک ایکدوسرے سے تعاون کرنے لگیں گے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ روسی عوام کی آزادی ان کا اپنا مسئلہ ہے لیکن یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ دنیا کی تہذیبی، سیاسی اور اقتصادی آزادی رُوسی عوام کی آزادی پر منحصر ہے۔

مجھے یہ امید تو نہیں کہ آزادی کا یہ زمانہ جلد آئے گا۔ لیکن مجھے اس کا یقین ہے کہ اگر دنیا کو روس کی اصل حالت معلوم ہو جائے تو روسی عوام کی آزادی کی منزل دور نہیں۔ دنیا بھر کی رائے عامہ اور اس کی اخلاقی حمایت اس وقت کریملن کی آمریت کو تقویت دے رہی ہے۔ لیکن اس پر دراصل رُوسی عوام کا حق ہے۔

یہ کتاب روسی عوام کی دل سے نکلی ہوئی چیخ ہے ——— !

خواجہ عبدالسلام پرنٹر پبلشر نے دین محمدی پریس میکلوڈ روڈ کراچی
میں چھپوا کر مطبوعات کامل کراچی سے شائع کیا

I Chose Freedom

by

Victor Kravchenko

In this book a former Soviet high official tells the true story of his life in Russia, his experiences as a member of the Communist Party and his break with the Soviet *regime* after having been sent to America on an important mission.

When, on April 4th, 1944, Victor Kravchenko walked out of his job with the Soviet Purchasing Commission in Washington, and severed his connections with the Communist Party, his action was front-page news all over the United States. He has now written a book comprising a detailed *expose* of life in Russia under Communist Party control.

Victor Kravchenko was born in the Ukraine in 1905. His father was a revolutionary: he himself grew up to be a skilled technologist and an ardent Party worker with a bright future. It was during the "horrors of collectivization" and the resulting famine that his doubts about the *regime* began. His break with Soviet-Communism was no accident but the culmination of a process, and in describing that process the Author rehearses his whole life and the life of Russia as it touched him. It is the story of a patriotic Russian who felt impelled, at great personal risk, to make known to the world his attitude and reactions towards Soviet Russia as he knew it. It is at once an apologia and an indictment.

Price Rupees Three.

I CHOSE FREEDOM

The Personal and Political Life of a Soviet Official

by

VICTOR KRAVCHENKO

(*Authorized Abridged Urdu Version*)

KAMEL PUBLICATIONS

P. O. Box 244, Karachi